

عرب کا چاند

سوامی لکشمن پرشاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

پیشِ نظر کتاب "عرب کا چاند" حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک پر مشتمل ہے۔ ابتدائے اسلام سے آج تک نہ جانے کتنی بے شمار کتب مختلف زبانوں میں مؤرخانہ انداز میں، عالمانہ انداز میں، عارفانہ انداز میں اور عاشقانہ انداز میں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی لیکن ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر زیرِ نظر کتاب "عرب کا چاند" اپنی شانِ انفرادیت کا ایک عجیب و غریب شاہکار ہے۔ چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب بیشتر لوازماتِ سیرت نگاری سے متصف ہوتے ہوئے اپنے انداز کی ندرت و جدت کے اعتبار سے زبانِ اردو کے خزینۂ ادب کے لیے سرمایۂ فخر و مباہات ہے۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے جس نے قومی تعصب سے بالاتر ہو کر حقیقت شناسی کے جذبہ سے خاتم الانبیاء ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو ایسے ادبی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کا مطالعہ سے نہ صرف دادِ تحسین بلکہ رشک آتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

عرب کا چاند

سیرت محمدی پر ایک ہندو نوجوان کی ادبی پیشکش

از قلم جواہر رقم

سوامی لکشمن (آنجہانی)

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار ○ لاہور

248

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ناشر : محمد سعید اللہ صدیق
مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

مطبع : المطبعۃ العربیہ لاہور

تعداد : ایک ہزار

قیمت : 240 روپے

(فہرست آخر میں ملاحظہ کریں)

عرض ناشر

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہر مسلمان کے لیے منبع ہدایت و راہنمائی ہے اسی لیے ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے ہر لمحہ اور ہر قدم پر اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات نہایت ضروری ہیں۔ چودہ سو سال سے لے کر اب تک ان گنت سطریں' بے شمار تحریریں' لاکھوں مضامین ہزاروں کتابیں نبی آخر الزمان کی سیرت پر احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اور نامعلوم ابد تک کتنی تحریریں وجود میں آئیں گی۔ "عرب کا چاند" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ہمارے ادارے کے بانی شیخ محمد قمرالدین مرحوم و مغفور کو قرآن پاک کی اشاعت کے ساتھ ساتھ عشق رسول کی والہانہ تڑپ بھی تھی۔ اسی بناء انہوں نے سیرت رسولؐ کے مختلف موضوعات پر پورے اہتمام کے ساتھ کئی ایک کتب شائع کی تھیں۔ جن میں "عرب کا چاند" بھی شامل ہے۔

اس کتاب کا پہلے ایک ہی حصہ مکی دور تک شائع ہوا تھا لیکن موجودہ ایڈیشن مکمل طبع کیا گیا ہے۔ جس میں مدنی دور بھی شامل ہے اس کتاب کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے جس نے اپنے ایک ہندو دوست کی فرمائش اور ایک بڑی رقم کے عوض سوامی دیا نند کی سوانح عمری یہ کہہ کر لکھنے سے انکار کر دیا کہ "میں سوامی دیانند کو اس قابل نہیں خیال کرتا کہ اس کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے کے قلم کو حرکت میں لاؤں۔"

بہرحال یہ کتاب ایک ادبی شاہکار ہے۔ یقیناً آپ اس سے مستفید ہونگے۔

ان کتب کو ہم اپنے والد مرحوم کے ذوق و شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے' جدید دور کے طریقہ طباعت کے مطابق اعلیٰ معیار کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اگرچہ ہم سیرت رسولؐ کو اس کی شان کے مطابق شائع کرنے کا حق تو ادا نہ کر سکے۔ تاہم ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ بہترین طباعت اور اعلیٰ معیار کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

خیر اندیش

محمد سعید اللہ صدیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوامی لکشمن مرحوم

اس کتاب کی نگارش کا سہرا جس عزیز کے سر پہ بندھا ہے اس کا نام نامی "سوامی لکشمن" ہے
اکثر احباب کا خیال ہے کہ دراصل اس کتاب کو لکھنے والا کوئی مسلمان ہے۔ اور کسی تجارتی غرض یا تبلیغی مقصد کے لیے اس پر "سوامی لکشمن" کا فرضی یا اصلی نام لکھ دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض احباب نے تو اس کتاب کا نگارندہ مجھے ہی گردانا ہے اور تعجب ہے کہ باوجود میرے بار بار انکار کرنے اور اصل معاملہ سے آگاہی دے دینے کے انہوں نے میری تصنیف نہ ہونے اور سوامی جی کے مصنّف ہونے کو باور نہیں کیا۔

غالباً اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُردو لکھنے کی صلاحیت اور خاص طور پر ادبی رنگ میں پیش کرنے کی اہلیت اہل ہنود میں بہت کم پائی جاتی ہے گو اس کتاب سے پیشتر کئی ایک ہنود اور سکھ فرقہ سے تعلق رکھنے والے غیر متعصب اور انصاف پسند حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات قلمبند کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ مگر لوگوں نے ان اصحاب کی سیرت کی کتابوں پر کوئی اظہار تعجب نہیں کیا کیونکہ ان کی زبان سادہ اور ان کا انداز وہی تھا جو ایک غیر قوم کا چشم و چراغ دوسرے طبقہ کے کسی بزرگ کو قلمی ہدیۂ عقیدت پیش کرتے وقت ہونا چاہیئے۔ مگر بخلاف دیگر غیر مسلم سیرت نگاروں کے عرب کے چاند کا مصنف کچھ اس انداز عاشقانہ سے عالم وارفتگی میں حُبِّ نبوی میں سرشار ہو کر قلم کو تھامتا ہے کہ پھر دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر سیرت مصطفےٰ کی وادی میں سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے اور سر راہ کوئی شے مانع نہیں بنتی۔ حتیٰ کہ "معجزات" اور "جہاد" جن کے صحیح مطلب کو نہ سمجھنے کی بنا پر اکثر علمائے دہر من قوم مسلم کے راہوار قلم بھی صحیح راہ چھوڑ کر تاویل اور ہیر پھیر کے راستے اختیار کرنے

لگتے ہیں۔ مگر یہ عشق مصطفوی کی طفیل بڑے بڑے ٹیلوں اور خندقوں کو پھلانگ کر گزر جاتا ہے اور نا صرف یہ کہ خود گزر جاتا ہے بلکہ راستہ سے ہٹنے والوں کا مذاق بھی اڑاتا جاتا ہے اور زبان حال سے کہتا ہے کہ لوگو! یہ ٹیلے اور خندقیں جو نظر آرہی ہیں فی الحقیقت مسافر ایمان کی امتحان گاہیں ہیں۔ اس راہ صراط پر گامزن رہنے والا مسافر اتنی جلدی منزل کو طے کر لیتا ہے کہ اسے خود اپنی تیز رفتاری اور تنساب رسی پر تعجب ہونے لگتا ہے۔

احتیاط اور عقل کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے والا آہستہ خرام مسافر بسا اوقات دشمن ایمان لٹیروں کی نذر ہو جاتا ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جن مسائل کو کئی مسلمان علماء نا واقفی اسلام کی بنا پر تسلیم کرتے ہوئے ہچکچاتے اور شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان سب کو جوں کا توں مانتا چلا جاتا ہے ــــــــ اللہ پر اس کا ایمان حضرت محمدﷺ کو رسول اللہ ماننا ہے۔ اور جگہ جگہ فداہ ابی و امی درودی الفاً الفاً لکھتا ہے۔ اور پھر اس بات کو شاید انتہائی تعجب سے سنیں گے وہ دائرۂ اسلام میں نہیں آتا اور ہندو رہتا ہوا ہی چل بستا ہے۔ یہ نہیں کہ اسے اسلام کے سچا مذہب ہونے میں کوئی شبہ ہے یا ہندو مذہب کو وہ حق و صداقت کا علمبردار پاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ بسا اوقات اپنی زندگی میں ہندوؤں سے اسلام کی حمایت میں لڑائیاں لڑنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ غور فرمائیے اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر یہ مسئلہ ایک سوامی لکشمن کا مسئلہ ہوتا تو شاید میں ناظرین کو ان سطور کے مطالعہ کی تکلیف نہ دیتا اور نہ خود دماغ سوزی کی تکلیف کرتا۔

بلکہ یہ مسئلہ اب پوری قوم کا مسئلہ بن گیا ہے۔

لاکھوں اور شاید میں مبالغہ نہ کروں گا کہ اگر کروڑوں شخصوں کی بات کہہ دوں کہ وہ اسی زبردست مانع کی بنا پر دائرہ اسلام میں نہیں آئے اور نہیں آرہے اور جب تک یہ مانع دور نہ کیا جائے گا، لاکھوں غیر مسلم سعید روحیں کفرستان کے خانداروں میں بھٹکتی پھریں گی اور فردوس زار اسلام میں نہیں آسکیں گی۔

بلکہ اگر مجھے حق گوئی کی اجازت دیں تو میں صاف کہہ دوں کہ بیگانوں کا یگانہ بنانا تو بجائے

خوف رہا اسی گناہ کی بنا پر جو مسلمان کرتا چلا آرہا ہے لاکھوں یگانے بیگانہ ہو رہے ہیں۔

وہ کیا مانع ہے جو لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام میں نہیں آنے دیتا؟ یا وہ کونسا گناہ ہے جو مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے نکال رہا ہے؟ اگر میں اپنے قلم سے آپ کے اس سوال کا جواب دوں تو شاید آپ اسے باور نہ کریں۔ لہٰذا میں سوامی جی مرحوم کا ایک خط ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اصل حقیقت کو پالیں گے۔

"جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں":۔

جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بخود سست پڑ جاتی ہے گویا کوئی میرا دامن پکڑ رہا ہو۔ میرے قدم وہیں رک جانا چاہتے ہیں گویا وہاں میری روح کے لیے تسکین کا سامان موجود ہو! مجھ پر ایک بیخودی سی طاری ہونے لگتی ہے۔ گویا مسجد کے اندر سے کوئی میری روح کو پیام مستی دے رہا ہو۔ جب مؤذن کی زبان سے میں اللہ اکبر کا نعرہ سنتا ہوں تو میرے دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا بپا ہو جاتا ہے۔ گویا کسی خاموش سمندر کو متلاطم کر دیا گیا ہو۔ جب نمازیوں کو میں خدائے قدوس کے سامنے سربسجود دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں میں ایک بیداری سی پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا میری روح کو ایک متوحش خواب سے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا ہو۔

لیکن جب مسجد سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہوں تو پھر:۔

میری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ آتا ہے رنگ کس قدر پھیکا! خطوط کس قدر غیر متناسب! حدود کس قدر غلط! برتن کس قدر زنگ!

میں سوچنے لگتا ہوں:۔

یہ مسلمان جو صرف اس لیے مسلمان کہلاتے ہیں کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھ چھوڑتے ہیں۔

یہ مسلمان جو صرف اس لیے مسلمان کہلاتے ہیں کہ ان کی پیدائش مسلمان گھرانوں

یں ہوئی ہے۔

یہ مسلمان جن کی گفتار میں فضائل اسلام کا ذکر پایا جاتا ہے مگر جن کے کردار میں کہیں اسلام کی روح نہیں دیکھی جاتی۔

یہ مسلمان جو فقط صورت اور نام کے مسلمان ہیں مگر سیرت اور کام کے مسلمان نہیں۔

یہ مسلمان جن کا جسم تو مسلمان ہے مگر جن کے دلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ خود ان کے پاس ہے ہی کیا جو مجھے ان کی صحبت و قرابت سے کچھ مل سکے گا کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میرا ظاہر کافر کہلاتے ہوئے بھی میرا باطن مسلمان رہے۔ بجائے اس کے کہ میرا ظاہر مسلمان کہلاتے ہوئے بھی میرا دل ان مسلمانوں کے دل کی طرح کافر ہی رہے؟

اگر محض مسجد کی نمازیں، کعبہ کے حج اور قرآن کی تلاوتیں ہی کسی کو فرشتہ بنا سکتیں تو یہ کہلانے والے مسلمان کبھی کے فرشتہ بن چکے ہوتے!

مذہب کا تعلق جبہ و دستار اور ریش دراز سے نہیں۔ بلکہ انسان کے دل سے ہے۔ پھر اگر میرا دل مسلمان ہے تو میرے جسم کے مسلمان نہ ہونے پر کسی کو اعتراض کیوں ہو۔

بہت ممکن ہے:۔

کہ "سچے" مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد میرے اس "کفر" پر ناک بھوں چڑھائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے اس "کفر" میں ان کے کہلانے والے اسلام سے کہیں زیادہ حقانیت موجود ہے۔

غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے والوں کو:۔

اپنی تیرہ سو سال کی تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کر کے اس سوال کا جواب ضرور تلاش کرنا چاہیئے کہ قوم کی قوت ایمان کی استواری میں ہے یا تعداد کی زیادتی میں؟

ساری دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے دیکھنے کے خواب دیکھنے والے اگر اپنی تبلیغی قوتوں کو غیر مسلموں کی بجائے اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر صرف کریں تو یہ چیز ان کے خوابوں

کی زیادہ بہتر اور درخشاں تعبیر پیدا کر سکے گی۔

ایک کہلانے والے مسلمان کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنا کر مبلغین اسلام اس سے کہیں زیادہ ثواب حاصل کر سکتے ہیں جس قدر کہ ایک غیر مسلم کو مشرف بہ اسلام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

کاش! اگر مسلمان میرے ان چند اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کریں"

اس خط کے ایک ایک لفظ کو چشم بصیرت وا کر کے پڑھیئے اور سوچیئے کہ سوامی جی کو اسلام کے سچے اصول اور خدا کا نام کس طرح اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور کس طرح مسلمان کا گندہ کیریکٹر اسے دونوں ہاتھوں سے دھکیل رہا ہے۔

ہزاروں آدمی جو ہر معاملہ کو محض اوپر سے سطحی طور پر دیکھنے کے عادی ہیں۔ "تو درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے" کے اصول کے پیش نظر مسلمان کے کردار سے بدظن اور متنفر ہونے کے ساتھ اسلام کو مسلمان کا مذہب اور قرآن کو مسلمان کی کتاب اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان کا پیغمبر سمجھ کر سب سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اے مسلمان! غور کر کہ تو نے اپنی بدکرداریوں سے اسلام کو، قرآن کو، اور حضور پاک ؐ کو کس طرح رسوا کیا ہے؟ تو اپنے لیے نہیں اللہ کے لیے، اس کے اسلام کے لیے، اس کے پاک قرآن کے لیے، اس کے سچے رسول کے لیے اپنی پوزیشن کو صاف کر۔ ورنہ یاد رکھ قیامت کے روز کروڑوں غیر مسلم تجھے گھسیٹ کر اللہ کے سامنے واویلا کریں گے۔ اور کہیں گے کہ مولا! ہم تیرے نام کے عاشق تھے اور تیرے سچے دین اور سچے قانون اور تیرے پیغامبر کے متلاشی تھے۔ مگر اس ظالم روسیاہ نے ہمیں ان حقیقتوں تک پہنچنے نہیں دیا۔

بتا! اس کا جواب خدا کی درگاہ میں کیا دے گا؟

اسلام دنیا میں اس لیے آیا تھا کہ دنیا سے کبر و غرور، جھوٹ، غیبت، بدعہدی، چوری، زنا، جوا، ظلم، فساد ایسے انسانیت کش جرائم سے دنیا کو پاک کر دے۔

تا اس لیے کہ اسی اسلام کے دعویدار مسلمان یہ سب کچھ خود کرنے لگیں۔

غضب خدا کا:۔

مسلمان اور راشی

مسلمان اور چور

مسلمان اور زانی

مسلمان اور بدخو

مسلمان اور جواری

مسلمان اور ڈرپوک

اگر بیک وقت ایک چیز سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی حامل نہیں ہو سکتی۔

اگر دو اور دو مل کر کبھی اور کہیں تین یا پانچ نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ چار ہی ہوتے ہیں۔

اگر بیماری اور تندرستی، سردی اور گرمی، بے عدلی اور انصاف، رحم اور بے رحمی، شقاوت اور مروت یکجا نہیں ہو سکتے۔ تو

اسی طرح مسلمان کے ساتھ یہ تمام بد عادتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

لہٰذا اے مسلمان! اپنے خلق کو بلند کر۔ اتنا بلند اتنا اونچا کہ اس سے اوپر تمام بلندیاں ختم ہو جائیں۔ کیونکہ رحمۃ اللعالمین کا فرمان ہے کہ میری بعثت ہی اسی مقصد کے لیے ہوئی ہے کہ مکارم اخلاق کو اس کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دوں انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق تاکہ ظالم اور سفاک دنیا تیرے اخلاق کی تلوار سے گھائل ہو کر تیرے قدموں میں آئے اور تجھ سے مرہم اعجاز کا پھایہ طلب کرے۔ اور تیرا بلند اخلاق اسے تیرے قرآن پاک، تیرے اسلام اور تیرے رسول پاک کی ہدایت کے مطالعہ کی دعوت دینے لگے۔ تو اسلام کا چلتا پھرتا مبلغ اور اس کی منہ بولتی تصویر ہو۔ تیرا خلق قرآن ہو۔ تو نمونہ ہو دنیا کی بلند ترین ہستی صاحبِ خلق عظیم کا۔

ہاں بیان کرنے کی ایک بات رہ گئی ہے۔ وہ یہ کہ میں بیان کرنا چاہتا تھا کہ سوامی لکشمن جی کون تھے۔ تاکہ قارئین کتاب کو صاحب کتاب سے تھوڑا بہت قلمی تعارف ہو جائے۔

غالباً ۱۹۲۹ء میں ایک خط دوش قرطاس پہ یہ مضمون لے کر آیا کہ میں نے آپ کی کتابوں میں سے چند کتابیں پڑھی ہیں۔ اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں وغیرہ۔

میرے مشام فکر کو خطوں میں سے قابلیت اور محبت کی بو محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں نے اس کو اپنے پاس بلوا لیا۔ غالباً خط سے تیسرے روز ایک ۱۷-۱۸ سالہ طویل قامت خوبرو خوش پوش نوجوان آیا اور بیان کیا کہ میرا نام ہی سوامی لکشمن ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ میں اپنے ماحول سے متنفر ہوں۔ علمی ماحول چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ چند روز کے بعد یہاں تک متاثر ہوا کہ مجھے اپنے گھر والوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب والدین تو آپ بھائی ہیں تو آپ۔

ان ہلکے پھلکے جملوں نے میرے ناتوان کندھوں پر وہ بار عظیم ڈال دیا کہ جسے میں اب تک محسوس کر رہا ہوں۔ چنانچہ اپنی لائبریری کے دروازے اس کے لیے کھول دیے اور اپنے حقیقی عزیزوں کی طرح رکھنا شروع کیا۔

دوران قیام میں ہر طرح کی باتیں ہوتی رہیں اور ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ بھی مگر اس کی طبع بلند نے طب اور تاریخ کو تاکا۔ کہ طب سے بیمار جانوروں کا علاج ہوتا ہے اور تاریخ سے بیمار قوموں کا۔ چنانچہ طبی دنیا میں عزیز موصوف کرشن کنور کے نام سے موسوم ہوا اور کئی سال تک رسالہ "آبحیات" کو ٹوہانہ ضلع حصار ایسے بے علم، اکھڑ علاقہ میں نہایت خوش اسلوبی سے ایڈیٹ کرتا رہا۔ اور افق تاریخ میں "عرب کے چاند" کا متوالا بنا۔

حتیٰ کہ ۱۹۳۹ء میں ٹوہانہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

موصوف نے گو واصل بحق ہونے سے پیشتر ایک شاندار دواخانہ، کتب خانہ اور نقدی روپیہ میرے ہی نام دے دینے کی وصیت کر دی تھی مگر کسی صاحب نے مرنے والے کی اس آرزو کو پورا نہ ہونے دیا۔ البتہ ادبی اور اصلاحی مضامین کا ایک عنبر بیز اور گلفشار قلمی مرقع مجھے مل گیا۔ جسے ان شاء اللہ کبھی پیش کرنے کی جرأت کروں گا۔

موصوف بے حد محنتی، حق گو، دلیر قسم کا آدمی تھا۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے ضمیر کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہتا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس کا مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ ایک مرتبہ ایک ہندو دوست موصوف کو بہت سی رقم دلانے کا وعدہ کرتا تھا کہ اگر وہ سوامی دیانند کی سوانحعمری لکھ کر انہیں دے دیں۔ مگر عرب کے چاند کے شیدا نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں سوامی دیانند کو اس قابل نہیں خیال کرتا کہ اس کی

زندگی کے حالات قلمبند کرنے کے لیے قلم کو حرکت میں لاؤں۔

بہرکیف عرب کے چاند کا مصنف ایک بہترین خلق کا نوجوان تھا۔ جو تقریباً چھبیس سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

گو سوامی لکشمن آج ہم میں موجود نہیں ہے مگر اس کے گلہائے قلم کی گلکاریاں موجود ہیں۔

اب آپ ایک کہلانے والے ہندو نوجوان کی عشق رسول میں ڈوبی ہوئی کتاب کا مطالعہ فرمائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اپنے ہر شعبۂ زندگی میں حضور پاک فداہ ابی وامی وروحی الفا الفا کی پیروی کی کوشش کیجئے یہی عمل دنیا و آخرت میں کامرانی کا ذریعہ بنے گا۔ والسلام۔ اللھم صل علی محمد النبی الامی۔

الراقم امیدوار شفاعت
حکیم، محمد عبداللہ

سخنہائے گفتنی

دنیا میں تحیر خیز ہنگامۂ ترقی

مغرب کی مہذب و متمدن اقوام کی محیر العقول تمدنی اور معاشرتی کارگزاریوں کو ہر ایک سرسری نگاہ سے ہی دیکھ لینے کے بعد کون اس حقیقت غیر مشتبہ سے انکار کر سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک حیرت خیز اور استعجاب انگیز ہنگامۂ ترقی و مسابقت بپا ہے۔ گوشے گوشے اور گوشے گوشے سے بیداری کی تحریک اور ترقی کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں نوجوانوں کے جوش کا یہ عالم ہے کہ ان کی تخیل سپہر آرا ہفت افلاک کی پہنائیوں کو طے کر کے عرش بریں کے تارے توڑنے کے لیے کوشاں نظر آتی ہے تاکہ دنیا کی شب دیجور کی تاریکیوں کو تجلی زار صد طور بنایا جا سکے خصوصاً اپنی اپنی قوم کی فلاح و بہبود کا خیال تو ہر روشن دماغ اور بیدار مغز شخص کے دل میں اس قدر گھر کر گیا ہے کہ وہ حتی الوسع انہی سرگرمیوں میں مصروف و منہمک رہنا چاہتا ہے اور اپنے شعلہ کار، پرجوش اور انقلاب آفریں خیالات و جذبات سے عامۃ الناس کے سرد، منجمد اور بے حس دلوں میں شعلۂ حیات تو پھونک کر انھیں مسابقت اقوام کے ہنگامۂ دار و گیر میں پوری سرگرمی سے حصہ لینے پر آمادہ کرنے کے لیے بے قرار ہے۔

مستقبل کے لیے ہندوستان کا عزم بالجزم :-

تہذیب و تمدن کی اس حیرت نما ترقی کی دوڑ میں ہندوستان نے بھی اپنے ہمسایہ ملکوں کے دوش بدوش اپنی ترقی و کمال کے جوہر دکھانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ اس راز سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ کہ اس عالمگیر حشر خیز تگ و دو کے وقت بھی اگر وہ اپنی روائتی سست گامی کا مظاہرہ کرنے سے تائب نہ ہوا تو تیز رو ممالک اسے اپنے پاؤں

تلے روندتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ اور پھر اس مسابقت اقوام کے ہنگامہ میں ترقی کا خیال بھی اس کے لیے سراب کا نقش ثابت ہوگا جو اُسے سخت دھوکا دے گا۔ قدرت بھی اسے اس فریب میں مبتلا دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ اور اپنے غیر متبدل قوانین کے حربے لیے اس کے تساہل پر اسے سزا دینے کے لیے تیار کھڑی ہے۔

تعزیراتِ قدرت:۔

قدرت کی تعزیرات میں یہ ایک خون آشام باب ہے کہ وہ اپنی نافرمان اولاد کی عفو تقصیر کے لیے اپنے دل میں رحم و کرم کا ایک ذرہ بھی نہیں رکھتی۔ اس شورش آباد ظلم و ستم میں ایک خونخوار سے خونخوار مطلق اللسان فرمانروا بھی جس کی ایک قہر پاش شکن جبین کے ایک ادنٰے اشارہ سے ہزاروں بے گناہ انسان خاک و خون میں تڑپ کر رہ جاتے ہیں قدرت کے مبنی بر انصاف مگر سخت گیر اور غیر متبدل قوانین کی ستم شعاریوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس متشدد و مستبد حکمران کے دل میں تو شاید کبھی رحم آ بھی جائے۔ مگر قدرت اپنے قوانین کی نافرمانی کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ وہ ایک سخت گیر اتالیق ہے اور وہ ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ اس کی اولاد راست روی سے بھی انحراف کرے اور وہ اپنے کیفر کردار کو بھی نہ پہنچے۔ جو قانون اس نے اپنی تعزیرات میں اپنے فیصلہ کن قلم کی ایک جنبش سے درج فرما دیا ہے وہ بلا استثناء ایک بے سمجھ اور معصوم بچہ سے لے کر ایک عاقل دانا بوڑھے تک ایک فقیر بے نوا سے لے کر ایک شہنشاہ عالی وقار تک اور ایک جاہل مطلق سے لے کر ایک عالم متبحر تک سب پر یکساں طور پر حاوی ہے۔ نباتات اور جمادات کا پتہ پتہ اور ذرہ ذرہ اس قانون کی گرفت میں ہے۔ اور موجودات کائنات کی کوئی شے اس کے پنجۂ آہنی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ تاوقتیکہ وہ اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کر دے۔

جس بیج میں اُگنے کی طاقت نہ ہو قدرت اُسے مٹی میں ملا دیتی ہے۔ جس قوم میں اپنے وقار اور اپنی عزت و حرمت کو برقرار رکھنے کی ہمت نہ ہو، قدرت اسے ہرگز

برسرِ اقتدار نہ رہنے دے گی۔ شمع اسی وقت تک اپنی ضیا بار روشنی کی بقا کی امید رکھ سکتی ہے جب تک وہ سوز و گداز سے آشنا ہے۔ تخم اسی وقت تک اپنی ترقی کی کامیاب آرزو کر سکتا ہے جب تک اس میں اپنے تئیں بادی النظر میں فنا کر کے ایک سے سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں بن جانے کی استعداد موجود ہے۔

کوئی ملک یا قوم اسی وقت تک تہذیب و تمدن کے بامِ عروج پر پہنچنے یا اپنی حاصل کردہ عظمت کو برقرار رکھنے کی خواہش کر سکتی ہے جب تک اس کے افراد قانون قدرت کو گلدستہ طاقِ نسیان بنا دینے کی بجائے اس کی تہ دل سے پرستش کرنے کے لیے ہمہ تن آمادہ ہوں۔

ہندی نوجوان :۔

کسی ملک کی ترقی کا انحصار اس کی سرزمین میں بود و باش رکھنے والی اقوام کی ترقی پر ہی منحصر ہوتا ہے اور اقوام کی ترقی کا دارومدار تمام تر اس کے افراد کی محنت، تدبر، اور عقل کے کارناموں پر ہے۔ مگر کس قدر حسرت و یاس اور غم و اندوہ کا مظاہرہ ہے کہ مادرِ ہند کے نوجوانوں کی اکثریت اپنا قیمتی وقت گوناگون بیہودہ مشاغل میں ضائع کر رہی ہے۔ شطرنج، تاش، گنجفہ، ناول خوانی اور تمثیل بینی میں وہ جواہرات سے بھی بیش قیمت وقت بہار کے جھونکوں کی طرح اڑا دیا جاتا ہے۔ جو ایک نکبت و پستی کے قعرِ عمیق میں گری ہوئی قوم کو خوش حالی اور فارغ البالی کے کمال پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہو سکتا ہے۔

بازاری کتابوں کے حسن و عشق کے خیالی افسانوں نے نوجوانوں کو رومانس کا شیدائی بنا دیا ہے۔ وہ عالمِ تخیل میں نہ معلوم کن کن رنگین وادیوں اور کن کن پر اسرار زمینوں کی سیر کرتے رہتے ہیں جن کو ان کے خرافات نویس افسانہ نگار نے حسن و عشق کے کھیل کھیلنے کی سٹیج بنایا تھا۔ ان بے معنی خیال آرائیوں اور لطف و مسرت کی کسی رنگین دنیا کی لاحاصل تلاش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے شبستانِ دل کے اندر

سرگرمی عمل کا شعلہ روشن تو رہتا ہے مگر اس میں وہ سوز و گداز باقی نہیں رہ جاتا جو نوجوانی کے آتشیں جذبات کا مایہ الامتیاز ہے اور جو ہر قسم کے خس و خاشاک کو جو اس کے اصول زندگی کے لیے سدِّ راہ ثابت ہو، جلا دینے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ اوّل تو ایسے رومانس پسند لوگوں کی عملی قوتیں ہی اس درجہ کمزور ہو جاتی ہیں کہ وہ کشاکش حیات میں حصہ لینے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ پھر اگر ایسے عیش و عشرت کے تمنائی اور راحت و آرام کے بندے اپنے دلوں پہ جبر کر کے کمر ہمت باندھ کر زندگی کے میدان کارزار میں شریک ہونے کے لیے آئیں بھی تو ان کا یہ جوش ایسا وقتی اور عارضی ثابت ہوتا ہے کہ شمشیر خوں فشاں کے نیام سے باہر ہوتے ہی ان کی روحیں لرزہ براندام ہو جاتی ہیں۔ اور وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے۔

نغمہ و گل کی انجمنوں کی شرکت نوجوانوں کے خیالات کو عیش و عشرت کا اس قدر دلدادہ بنا دیتی ہے کہ وہ یہی سمجھنے لگتے ہیں۔ کہ زندگی روح پرور پھولوں کے ایک گلدستہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ خلش دار کانٹوں کا تصور اُن کے واہمہ میں بھی نہیں گزرتا۔ حالانکہ وہ بھی شاخ گل پہ گل کے پہلو ہی میں موجود ہوتے ہیں۔

بانگ درا:۔

عزیزانِ من! اگر آپ متذکرہ بالا منکر قانون قدرت گروہ میں شامل ہیں تو میں تمہیں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم ظاہری آب و تاب کے دام تزویر میں پھنس کر ایک شدید اور خطرناک غلطی کا شکار ہوئے ہو۔

جس شاہراہ پر تم گامزن ہو اس کی ظاہری دلآویزیوں اور دلربائیوں پہ نہ جاؤ۔ یہ تمہیں نغمہ و گل کے کسی بہارستان میں نہیں بلکہ تباہی اور ہلاکت کے ہولناک خارستان میں لے جائے گی۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کر لو کہ زندگی ایک رنگین خواب و خیال نہیں ہے بلکہ ایک سنگین حقیقت ہے۔ یہ ورق گل پہ لکھا ہوا حسن کی دلآویزیوں کے احساسات کا حامل

ایک پُر کیف شعر نہیں ہے۔ بلکہ یہ عندلیب پر تحریر کی ہوئی عشق کی دل سوزیوں کی ایک عبرت انگیز داستان ہے۔

یہ بچپن کا سا دل خوش کن تماشا نہیں ہے بلکہ ایک میدان کارزار ہے جہاں تمہیں اپنے دل و دماغ اور جسم کی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر اپنی جوانمردی، بلند ہمتی اور شجاعت و بسالت کے جوہر دکھا کر اک دنیا سے خراج تحسین حاصل کرنا ہے۔

اگر تم نے غفلت شیوہ گی اور بزدلی کی لعنت کا طوق اپنے گلے میں پہن لیا تو پھر اس عظیم الشان میدان جنگ سے مظفر و منصور ہو کر لوٹنے کی تمنا کو بھی ایک خواب و خیال ہی سمجھ لینا۔ جس زمین پر تمہاری فتح و ظفر کے شادیانے بجنے تھے اسی پر تمہاری لاش خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئے گی۔ اور بے کسی کے سوا تمہاری اس بزدلانہ موت پر کوئی نوحہ گر نہ ہوگا۔

پس اگر تم خود زندگی کے شیدائی ہو۔ اور اپنی قوم کو زندہ رکھنے کے تمنائی ہو تو کمر ہمت باندھ کر اٹھو اور "وقت کی آواز" کا جواب دینے کے لیے اپنے جسم و جان کی تمام قوتوں کو وقف کار کر دو۔

لیکن اگر تم قانون قدرت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرو گے اور اس کی تعلیمات و تلقینات پر عمل پیرا نہ ہو گے تو یاد رکھو اس کا نتیجہ ایسا خوفناک ہو گا کہ تمہیں خواب میں بھی اس کا یقین نہیں آسکتا۔

قدرت کا قانون اٹل ہے۔ وہ کسی بڑے سے بڑے عذر کے بھی سننے کی عادی نہیں ہے۔ اس کا یہ ایک غیر متبدل قانون ہے کہ:-

"میرے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے میرے منشا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں فرش خاک سے اُٹھا کر عرش بریں تک پہنچا دینے کو تیار ہوں۔ میرے احکام سے انحراف کرو اور میرے منشا کے خلاف زندگی بسر کرو۔ میں تمہیں عرش بریں سے گرا کر تحت الثریٰ تک پہنچا دینے میں بھی دریغ نہ کروں گی۔

خیالات کا سحر کار اثر

قوم کی ترقی وتنزل کا راز اس کے افراد کی بلند خیالی یا پست ہمتی ہی میں مضمر ہے!

ازمنہ سابقہ کے ماہرین نفسیات نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا کہ دنیا کے تمام حیرت انگیز کارناموں اور انقلاب آفرین واقعات کا راز ترقی یافتہ دلوں کے ترقی یافتہ خیالات میں مضمر ہوتا ہے۔ اور دنیا کی رذیل ترین اور شرمناک کارگزاریوں کے محرک بھی رذیل ترین اور شرمناک خیالات ہی ہوتے ہیں۔

انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس کے اپنے خیالات پر ہے۔ اگر کسی شخص کے خیالات بزدلی اور پست ہمتی سے ملوث ہیں تو غیر ممکن ہے کہ وہ زندگی کے میدان کارزار میں شجاعت وبسالت کے کارہائے نمایاں انجام دے سکے۔

اسی طرح ایک شیر دل اور کوہ وقار استقلال کے مالک انسان کے لیے کارزار حیات میں ناکام وشکست یاب ہونا بھی اتنا ہی ناممکن ہے۔ اس قسم کی پست ہمتی اور شیر دلی کا راز بھی انسان کے اپنے خیالات ہی میں مضمر ہے۔

انسان کی تمام زندگی اور اس کی کارگزاریاں اسی رنگ میں رنگی جاتی ہیں جس رنگ کے خیالات اس کے دل میں بستے ہیں۔

زمانہ جدید کے ماہرین نفسیات کے تجربات نے بھی اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ حیات انسانی کی فتح وشکست کامیابی وناکامی، فارغ البالی وشکستہ حالی اور نامرادی وذلت کے تمام کارنامے قوت خیال کے نتائج واثرات ہیں۔ یہ تمام چیزیں خیالات کی منجمد شکلیں ہیں خیالات کی رو تبدیل کر دینے سے زندگی اور اس کے تمام کاروبار میں ایک حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ ناکامی کے خیالات افسردہ طبعی تساہل اور غفلت پیدا کرتے ہیں۔ جس

کا نتیجہ زندگی کی ناکامیوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کامیابی کے خیالات، شگفتہ طبعی، چابکدستی اور ہوشیاری پیدا کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ زندگی کی کامیابیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جس قسم کے خیالات انسان کے دل میں بستے ہیں وہ اسی قسم کے خیالات کے ہجوم کے ہجوم اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ جس سے ایک نئی عادت کی بنیاد پڑتی ہے یا دیرینہ عادت میں پختگی آتی ہے۔

خیالات کا اثر عادات کی آڑ ہی میں زندگی کی کامیابی یا ناکامی پر نہیں پڑتا۔ بلکہ یہ خیالات براہ راست بھی اپنے موافق حالات کو کشش کرتے ہیں۔

اس طرح ہر ایک انسان کی زندگی اس کی عادات، اس کے رسم و رواج اور اس کے کارنامے اس کے خیالات ہی کا ترجمہ ہے۔

ارادہ کی طاقت :۔

خواہش اور ارادہ کی طاقت انسان میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے لیکن اس کی خواہشات اور اس کے ارادہ کے میلان اس کے گرد و پیش کے حالات، اس کے ماحول کے تاثرات، اس کی زندگی کے تجربات اور اس کی ضروریات کا تابع فرمان ہے۔ جس طرح خربزہ کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہے اسی طرح آدمی کو دیکھ کر آدمی ڈھنگ پکڑتا ہے۔

شیر خوارگی کے ابتدائی ایام میں بچہ کا دل ایک بے رنگ تصویر کی طرح ہوتا ہے۔ بعد میں جس قسم کے حالات و واقعات اس کو پیش آتے ہیں اسی قسم کا رنگ اس کے دل پر چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح سفید کپڑے کو جس رنگ کے پانی میں بھگو دیا جائے وہ اسی طرح کا رنگ اختیار کرے گا۔ عین اسی طرح جس قسم کے خیالات انسان کے دل میں بستے ہیں اسی قسم کی اس کی طبیعت کی افتاد بن جاتی ہے۔ اور پھر وہ اپنی زندگی کی سٹیج پر اسی قسم کے کارناموں کا کردار بنتا ہے۔

طبیعت کی افتاد خیالات کا نتیجہ ہے۔ اس لیے اس میں حسب منشا تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ خیالات کو بدل دینے سے طبیعت کی افتاد بدل جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انسان کی زندگی اور اس کے گرد و پیش کے حالات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اس قسم کی تبدیلی آسانی سے ظہور میں نہیں آتی۔ کیونکہ انسان کے خیالات آسانی سے نہیں بدلتے۔ جب تک کوئی انقلاب آفریں ٹھوکر اسے نہ لگے۔ تاہم اگر انسان ہمت اور کوشش سے کام لے تو ایک رذیل زندگی سے نکل کر شریف زندگی میں آ جانا ناممکن نہیں ہے

مطالعہ کتب کا گہرا اثر:۔

انسان کے خیالات کو بلند یا پست بنانے میں جس طرح صحبت کا اثر کارگر ہوتا ہے اسی طرح مطالعہ کتب کا اثر اس کے دل پر اپنا نقش جمائے بغیر نہیں رہتا۔

اگر یہ سچ ہے کہ انسان کا چال چلن اس کے دوستوں کی صحبت سے پہچانا جاتا ہے تو یہ بات بھی اسی قدر سچائی کا پہلو لیے ہوئے ہے کہ انسان اپنے مطالعہ کتب سے پہچانا جاتا ہے جس قسم کی کتب کا مضمون اس نے خوب ذہن نشین کر لیا ہے اس کی ذہنیت اور افتاد طبع اسی قسم کی بن جاتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی دوسرا اس سے بھی غالب اثر اس کے دل پر اپنا رنگ نہ جما چکا ہو۔

اس لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جن کتابوں کا مطالعہ کیا جائے ان کے انتخاب میں وسعت نظری سے کام لیا جائے۔

ایک فحش مضمون کی کتاب کے مطالعہ کا نتیجہ خیالات کو فحش بنانے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ اثر کتاب بین کے لیے پہلے پاکیزہ خیالات کے غلبہ کی وجہ سے برائے نام معمولی یا بالکل غیر محسوس ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔ وہ دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں ہمیشہ اثر انداز رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً اپنی موجودگی سے باخبر کرتا رہتا ہے۔

وہ دوسرے خیالات کے غلبہ کی وجہ سے دب سکتا ہے۔ لیکن فنا نہیں ہو سکتا۔ خیالات

آگ اور بجلی سے بھی زیادہ خطرناک اور بہتر مفید طاقتیں ہیں۔ اگر عقل و دانش سے کام لے کر دل کو نیک خیالات کا مخزن بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ ایک رذیل ترین انسان کو شرافت کے اوج کمال پر پہنچا سکتے ہیں، لیکن اگر ان کی طرف سے لاپرواہی برتی جائے اور دل کو ہر قسم کے فحش اور گندے خیالات سے ملوث ہونے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ ایک شریف سے شریف انسان کی روح کو بھی داغ لگائے بغیر نہیں رہیں گے۔

خیالات کا اثر اگر ناگزیر ہے تو خیالات کے بارے میں ہمیں کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ وہ خیالات جو ہماری زندگی پر گہرا اثر ڈالتے ہیں ہم اپنے دوستوں اور اپنی پسندیدہ کتابوں سے لیتے ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے کہ قوم کے خیالات کی تبدیلی ہی میں اس کی نجات مضمر ہے تو ہندوستان کی اقوام کے نوجوانوں کو خرافات نویس مضمون نگاروں کے خیالی حسن و عشق کے افسانوں اور خلاف فطرت واقعات سے معمور ناولوں کا مطالعہ چھوڑ کر اپنے اسلاف کے شجاعانہ کارناموں اور زندگی کی سنگین حقیقتوں کو بے نقاب کر کے رگ و ریشہ میں قوت عمل اور ولولہ کار کا شعلہ پھونکنے والی کتابوں کے مطالعہ کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کرنا چاہیئے۔ تعلیم یافتہ وہ نہیں ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کی لائبریری کی لائبریری موجود ہے۔ اور جس کے ذہن میں بڑے بڑے مضمون کی کتابوں کی کتابیں محفوظ ہیں۔ بلکہ تعلیم یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے علم کو عمل کا لباس پہناتا ہے۔

ساری عمر تعلیم و تعلم میں صرف کر دیجئے۔ لیکن اگر آپ نے کارزار حیات میں کوئی حصہ نہیں لیا تو آپ نے ساری عمر اس طامع اور حریص سوداگر کی طرح گزاری ہے۔ جس کی زبان پر اپنی دولت کو ملک و ملت کے مفاد کے لیے لٹا دینے کے ترانے رہے۔ لیکن جو مصروفیت کی وجہ سے اس سے خود بھی فیض یاب نہ ہوسکا اور ہزاروں حسرتیں دل میں لیے ہوئے قبر کے گوشہ میں ہمیشہ کی نیند جا سویا۔

اگر آپ راست بازی پر ایک ایسا بلند پایہ مضمون لکھ سکتے ہیں جس کی تعریف میں ملک کے اخبارات مدت تک رطب اللسان رہیں اور آپ کی عملی زندگی میں راست بازی

کا نام و نشان بھی نہ پایا جائے تو اس سے آخر کیا فائدہ؟ ملک کو ادیبوں، مصنفوں، شاعروں ڈرامہ نگاروں، افسانہ نویسوں کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی ان لوگوں کی جو ایک غیر متزلزل ارادہ اور عملی زندگی کا بہترین نمونہ ہوں۔

سب سے پہلا کمال جو انسان کو حاصل کرنا چاہیئے وہ تربیت نفس اور حصول مکارم اخلاق ہے۔ باقی سب کمالات کی طرف بعد میں توجہ مبذول ہونی چاہیئے۔ لیکن آج کل زمانہ اس کے برعکس چل رہا ہے۔ دوسروں کے ناصح بے شمار ہیں اپنا ناصح کوئی نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ سب باتونی بن گئے ہیں۔ زبانی جمع خرچ میں دن گزارنے کے سوا اور کوئی کام نہیں رہ گیا ہے۔ یہ طاقت لسانی بھی مطلب براری اور خود غرضی کا آلہ کار بن کر رہ گئی ہے۔ نتیجہ ملک و ملت کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں جن کو واقعی "زندگی" کی تمنا ہے ان کو علم سے زیادہ عمل کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

ہر شخص کو عزم بالجزم کر لینا چاہیئے کہ وہ اپنے دل و دماغ اور جسم کی تمام قوتوں سے کام لے کر عملی زندگی بسر کرے گا۔ اور صداقت کے اصول سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے گا، جتنی دیر تک جیئے گا، دنیا میں نہیں بلکہ خدا کی نظر میں ایک بہادرانہ زندگی بجیئے گا۔ اور جب موت آئے گی تو ایک بہادرانہ موت مرے گا۔

مکارم اخلاق ہی وہ نایاب شے ہے جس کی تلاش زندگی میں انسان کا پہلا مقصد ہے۔

نیک اور پاکیزہ زندگی نیک اور پاکیزہ انسانوں کے حالات کے مطالعہ اور ان کی تعلیمات و تلقینات پر عمل پیرا ہونے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

دُنیا کی مایۂ ناز شخصیتوں کے سوانح حیات

متذکرہ بالا خیالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے دنیا کی ان عظیم المرتبت اور نادرہ روزگار ہستیوں کے حالات بابرکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کر لیا ہے جنہوں نے دنیا کی جہالت کی شب تاریک میں علم و عرفان کی ضیا پاشیوں سے روشنی پھیلائی اور اپنے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش و عشرت کو بے دریغ قربان کر دیا۔

دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں۔ رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسی لیے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلمبند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

ایک اعتراض:۔

بہت ممکن ہے کہ میرے بعض متعصب اور تنگ نظر ہم مذہب اس بات پر ناک بھوں چڑھائیں کہ میں نے اپنے مشاہیر اوتاروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ایک پیغمبر کو کیوں اس لیے منتخب کیا کہ سب سے پہلے اس کی حیات مطہرہ کے حالات لکھنے کے لیے قلم کو جنبش دی۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں۔ میری نگاہ میں اسے تعصب اور تنگ نظری کے ایک افسوسناک مظاہرہ کے سوا کسی اور شے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا کی بلند نظر اور نادرہ روزگار ہستیاں کسی خاص قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتیں۔ بلا امتیاز نسل و رنگ اور بلا استثنائے مذہب و ملت ہر شخص پر ان کا احترام فرض اور ان کی بصیرت افروز تعلیم سے بہرہ اندوز سعادت ہونا واجب ہے۔ خود ایسی

مایۂ ناز شخصیتوں نے اپنی وسیع النظری کی وجہ سے اپنی تعلیمات و تلقینات سے بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی فیض یاب کرنے کی کوشش کی۔ اس باران رحمت کی طرح جس کی لطافت طبع کے لیے صحرا اور چمن یکساں ہیں۔

پس ہم اس قسم کی تنگ نظری اور تعصب کے مظاہرے کیوں کریں کہ ان کی عالمگیر شخصیت کو کسی خاص قوم اور مذہب سے مخصوص کر کے خود ان کے ارشادات عالیہ کے فیض سے محروم رہیں۔

انسان کو صداقت پرست ہونا چاہیئے نہ کہ تقلید پرست، صداقت کو اپنے ہی مذہب کی جلیل القدر ہستیوں تک محدود کر دینا ایسی ہی صداقت فروشی ہے جیسی کہ خوش اعتقادی کی بنا پہ اپنے بزرگوں میں ان اوصاف کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا جو ان میں قطعی مفقود ہوں اپنے اپنے زمانہ کی روش کے مطابق پیغمبران عالم سب ہی اچھا کام کر گئے۔ قدیم زمانہ کے پیغمبروں کے صحائف میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو موجودہ زمانہ میں نا قابل عمل ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی ایسے پیغمبر کی تعلیمات پہ حال اور مستقبل کی دنیا کو عمل پیرا دیکھنے کے خواب دیکھے تو اس خواب کی تعبیر خواب پریشاں کی تعبیر کی طرح لغو اور لایعنی ہو گی۔ پیغمبر کی صداقت پہ اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔ اس کی تعلیم اس کے زمانہ کے مطابق درست، قابل عمل اور صحیح تھی۔ لیکن اب وہ زمانہ بدل گیا۔ انسان کی اخلاقی اور ذہنی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ اب اس کی تعلیم کیونکر تسکین بخش اور دل و دماغ کے لیے مؤثر ہو سکتی ہے؟ کسی ایسی جلیل القدر ہستی کی تعلیم کو ربڑ کی طرح کھینچ تان کر موجودہ زمانہ کی تعلیم کے مطابق بنانا صداقت فروشی کے مترادف ہے۔ ایسے قدیم پیغمبروں میں سب ہی اقوام اور مذہب کے کئی کئی پیغمبر شامل ہیں جن کی تعلیم موجودہ زمانہ کے حسب حال ہرگز نہیں ہو سکتی۔

موجودہ دور کا ہندوستان اور دورِ جاہلیت کا عرب

موجودہ دور کے ہندوستان کے سامنے جس عظیم المرتبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات رکھے جا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سے

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

موجودہ دور کے مہذب و متمدن ہندوستان کو جاہلیت کے عرب سے کتنی زبردست مشابہت ہے؟ موجودہ اقوام ہند کے طرزِ معاشرت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے اس راز کا انکشاف ہو جائے گا۔

موجودہ دور کے ہندوستان میں کیا اخلاق و شرافت کے آئین و قوانین کو جاہ طلبی اور زر طلبی کی ہوس کے مذبح پر بے دریغ قربان نہیں کیا جا رہا ہے؟

کیا علانیہ طور پر شراب پینا تہذیبِ نو کا ایک تفریح آمیز مشغلہ قرار نہیں پا گیا ہے؟ خواہشات نفسانیہ اور جذبات حیوانیہ کی شرمناک اور شرافت سوز داستانوں کو بے تکلف دوستوں کی مجلس میں دوہرانا کیا ایک فخریہ کارنامہ نہیں سمجھا جاتا؟

شبابِ نسوانی کے شیریں کار حسن جمال کی خوشہ چینی جس کی ضرورت افزائش نسل کا جذبہ اور جس کی قیمت محبت کے پاک جذبہ کے سوا بخت سکندر اور گنج قارون بھی کم ہے، کیا چاندی کی چند چمکتی ہوئی ٹھیکریوں کے عوض بیچیں کی اور نہیں کرائی جاتی؟ کیا اپنی دختران بلند اختر کو باپ "باقاعدہ قیمت لگا کر" اس طرح فروخت نہیں کرتے جس طرح نخاس میں مویشی فروخت کیے جاتے ہیں؟ کیا ایک ہی بیکیہ جمال کو کئی کئی مردوں کی ہوس رانی کا شکار نہیں بننا پڑتا جن میں سے بعض اس کے یگانگوں کی جگہ ہوتے ہیں؟ (جو صاحب مبالغہ تصور فرمائیں وہ پنجاب کی دیہاتی گھریلو زندگی کا غور سے مطالعہ فرمالیں پچیس فی صدی اگر ایسے کیس نہ ملیں تو بے شک میں نے مبالغہ کیا۔ شہری زندگی

باوجود اپنی روشنی کے اس سے کہیں گری ہوئی ہے۔ نہ بندر اروں میں مثل مشہور ہے کہ ایک لڑکے کی شادی ہوگئی تو گویا سب کی ہوگئی۔ قارئین کرام کیا یہ سب اخلاق سوز باتیں ایسی نہیں ہیں جن سے انسانیت کی پیشانی پر غیرت کا پسینہ آجائے اور شرم و حیا بھی شرم و حیا سے پانی پانی ہو جائے۔ یہ حالت لکھتے وقت میرا قلم تھرتھرا رہا ہے۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ آہ! ہندوستان تو اپنی گود میں کیسے کیسے فرزندان گناہ اور کیسی کیسی دختران معصیت کو لیے ہوئے ہے ؎

روشنی ہوتی جاتی ہے جتنی دل ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی میلے
اندھیرا چھا جائے گا کسی دن اگر یہی روشنی رہے گی

تیرہ سو برس پہلے یثرب کا چاند

آج سے تیرہ سو برس پہلے ایسی ہی سیاہ کاری اور ظلم و ستم کی گھنگور گھٹائیں عرب کے مطلع پر چھائی ہوئی تھیں۔ تو اس کے افق پہ یثرب کا چاند طلوع ہوا۔ جس نے اپنی ضیا بار کرنوں سے ایک دفعہ تو ریگستان عرب کے ذرّہ ذرّہ کو تجلی زار بنا دیا۔

آج وہی حالات کم و بیش صورت میں ہندوستان میں پیش آرہے ہیں۔ اس وقت بت پرستی عام طور پر رائج تھی۔ آج کل بت پرستی اور نفس پرستی دونوں کو فروغ ہے۔ اس وقت خونخوار بھیڑیے کے لباس میں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا تھا۔ آج کل ظاہری محبت اور زبانی عذب البیانی کی میٹھی چھری سے ایک انسان دوسرے انسان کو ذبح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس وقت معصیت اور سیاہ کاری کے نام پر منہ کالا کیا جاتا تھا۔ آج کل زہد و تقویٰ اور شرافت و پارسائی کے نام پر عصمت دری کی جاتی ہے۔ اس وقت بتوں کے نام پر مجاور کما کھاتے تھے۔ آج کل خدا، مذہب، کانگرس، احرار، انجمن حمایت اسلام

مسلم لیگ، گول میز کانفرنس، یتیم خانوں، تبلیغی کارروائیوں، شردھانی کمیٹیوں، گوردواروں، مسجدوں، مندروں، مہا سبھا وغیرہ وغیرہ ——— کو چالاک لوگوں نے ذریعہ روزگار بنا لیا ہے۔

خدا کو پوجنے والے انسان اس وقت بھی نہ تھے۔ اس کے آستانہ عقیدت پر جھکنے والی گردنیں آج بھی نہیں ہیں!!

موجودہ ہندوستان کے اخلاق سوز حالات اور جاہلیت کے عرب کے تہذیب سوز واقعات کا انطباق بھی اس امر کا محرک ہے کہ سب سے پہلے اس مصلح اعظم کی حیات طیبہ کے حالات قلمبند کیے جائیں۔ جس نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر عرب کے کفرستان میں نور و ایمان کی ایسی روشنی پھیلانے میں محیر العقول کامیابی حاصل کی تھی۔ جیسی روشنی کی آجکل کے ہندوستان کو اشد ضرورت ہے۔

اس مختصر سی کتاب "عرب کا چاند" میں حضور انور (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات اطہر کے حالات قلمبند کیے جاتے ہیں۔ کسی دوسری کتاب میں آپؐ کی وہ بیش بہا بصیرت افروز تعلیمات و تلقینات پیش کی جائیں گی جن کا ایک ایک لفظ وہ گوہر آب دار ہے۔ جس کی چمک تا قیام قیامت کبھی کم نہ ہو گی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی اشاعت و تبلیغ کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔

میرے پریشان خیالات کے قدردان:۔

میرے ان پریشان خیالات کو جو اس کتاب میں قلمبند کیے گئے ہیں۔ قدر کی نگاہ سے دیکھنے والی (معدودے چند ہستیوں) کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی جب میں اس حقیقت کا ذرا صاف اور صریح لفظوں میں انکشاف کر دوں کہ یہ کتاب جو میری علمی فرومائیگی کا ایک افسوسناک مظاہرہ ہے کسی مسلمان دوست کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے معرض تحریر میں نہیں لائی گئی اور نہ ہی سرمایہ کائنات، باعث فخر موجودات سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یا ثناو

احمانتا ایسی نادرہ روزگار ہستی کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پاکیزہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو کہ آپؐ کی حیات طیبہ کے انقلاب آفرین واقعات پر تبصرہ کرنے کے لیے اس قسم کا والہانہ طرزِ نگارش اختیار کر کے اُن لوگوں کی جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنا میرا مطمحِ نظر ہے جن کے قلوب تعصب اور حسد کے شعلوں سے آتشکدۂ ایران کے ہمسر بنے ہوئے ہیں۔

میں اپنے تئیں کسی ایسی حرکت سے بہت بلند سمجھتا ہوں اپنے ضمیر کی آواز کو میں وہ گوہر نایاب سمجھتا ہوں جسے میں کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ دوستوں کی محبت میری زندگی کا حاکمانہ عنصر ہے۔ لیکن میں اپنے ضمیر کی آواز کو کسی انسانی ہستی کی محبت کے لیے فروخت کرنے کے لیے نہ کبھی تیار ہوا ہوں اور نہ آئندہ کبھی ہو سکتا ہوں۔

میرے ایک محسن دوست:۔

اس کتاب کی نگارش کا عزم بالجزم کر چکنے کے بعد مجھے ایک ایسے مسلمان دوست کی ملاقات ضرور نصیب ہوئی جس کے مسلسل تقاضوں کی وجہ سے یہ کتاب اپنے وقت سے بہت عرصہ پیشتر زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔

مئی ۱۹۲۹ء کے ابتدائی ایام کا ذکر ہے کہ میں نے دنیا کے قابلِ تعظیم پیغمبرؐ کے سوانح حیات لکھنے کے لیے قلم کو جنبش میں لانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان ایام میں پہلی مرتبہ میری ملاقات صوبہ پنجاب کے مشہور رطبی مصنف عالیجناب حکیم مولوی محمد عبداللہ صاحب زبدۃ الحکما گولڈ میڈلسٹ روڑی ضلع حصار سے ہوئی۔ سردار سر جوگندر سنگھ وزیر زراعت کا قول ہے:۔

Invisible hands for gelinkh
which unite men of dinerse
Nacco - and cerceds into clorest
bands of forenship ineritably

and for ever.

انسانی نگاہوں سے پنہاں کوئی طاقت وہ زنجیر تیار کرتی ہے جو مختلف اقوام اور متضاد خیالات کے لوگوں کو ایک ناقابل شکست عہد و پیمان میں ہمیشہ کے لیے اس طرح جکڑ دیتی ہے کہ ان کا وجود ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ملاقات کے بعد یہی واقعہ میرے اور مولانا موصوف الصدر کے پیش آیا۔ جوں جوں ہم ایک دوسرے کے خیالات سے زیادہ واقف ہوتے گئے ہماری روحیں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتی گئیں۔ اور آخر کار وہ وقت آگیا کہ دید اور بازدید کے سلسلہ نے یہاں تک ترقی کی کہ اب ہماری محبت فاصلہ کے تعین سے قطعی آزاد ہے۔ ایک دوسرے سے دور رہتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہیں جتنے قریب کہ اس دنیا میں کوئی دو دوست ہو سکتے ہیں۔ کسی ملاقات میں میں نے مولانا صاحب موصوف سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں عنقریب دنیا کے بلند مرتبہ اور قابل تعظیم پیغمبروں کے سوانح حیات لکھنے والا ہوں۔ اور سب سے پہلے میرا خیال آپ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے قابل رشک واقعات پر تبصرہ کرنے کا ہے۔ مولانا صاحب نے اس ارادہ پر مجھے ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کیا۔ خصوصاً اس لیے کہ میں غیر مسلم ہو کر مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیۂ نیاز و عقیدت پیش کرنے والا تھا۔

اپنا مذہب فطرتاً ہر شخص کو پیارا ہے۔ جب کسی غیر مذہب کا کوئی شخص ہمارے مذہب کی کسی مقتدر ہستی کے سچے حالات قلمبند کرنا چاہے تو ہمیں اس سے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ کسی اپنے ہم مذہب کے ایسے متبرک کام سے ہونی چاہیئے۔ اور میں اپنے دوست کو اس فطرتی تقاضائے انسانیت سے مستثنیٰ قرار نہیں دینا چاہتا۔ مذہبی خیال سے قطع نظر اس خوشی میں اس محبت کا عنصر بھی شامل تھا جو ایک دوست کو دوسرے دوست کے کسی قابل قدر کام سے ہونی چاہیئے۔

اس بات کو آج چار سال گزرتے ہیں۔ وقت اپنی روائتی تیز رفتاری کے ساتھ

مائل پرواز رہا اور میں نے چند صفحوں کے سوا جو اس کتاب کی نگارش کا ارادہ کرتے وقت ہی لکھ لیے گئے تھے اور کچھ نہ لکھا۔ کیونکہ اس دوران میں مجھے بہت سے ایسے نامساعد اور ناموافق حالات میں سے گزرنا پڑا۔ جن سے کوئی فرد بشر اس دنیا میں مامون و مصئون نہیں رہ سکتا اور جنھوں نے میرے مشاعر حیات کو زیر و زبر کر دیا۔ ان حالات میں میری نگارش سوانح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے بیتاب غمہائے پنہاں کے جگر خراش احساسات اور حادثات ناگہانی کی دلگداز کیفیات کی چند در چند وجوہات سے کچھ عرصہ کے لیے تو میرے محشرستان دل ہی میں خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئی ہوتی اگر میرے گرامی قدر دوست مولانا موصوف کمال ہمدردی اور محبت سے خط پر خط لکھ کر میرے ارادوں کو عملی صورت میں جلوہ گر دیکھنے کا تقاضا نہ کرتے رہتے۔

آپ ہی کی پر زور تحریک تھی۔ جس نے ان ناموافق اور نامساعد حالات میں بھی مجھے بستر غم سے اٹھ کر کچھ نہ کچھ لکھنے کے لیے مجبور کیا۔ چند ماہ پیشتر کی بات ہے کہ میں نے اپنی پوری قوت ارادی سے کام لے کر اپنے دل افسردہ میں سرگرمی عمل کا شعلہ پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں کسی حد تک میری نگاہیں عروس کامرانی سے دو چار ہوئیں۔ اور اس کا نتیجہ جو کچھ بھی ہے یہ آپ کے پیش نظر ہے۔

مجھے اس حقیقت کا بجا طور پر اعتراف ہے کہ اس مقدس کتاب کی نگارش میں میرے ایک مسلمان دوست کا اتنا ہاتھ ضرور ہے کہ اس نے میرے شعلہ عزم کو باد مخالف کے جھونکوں سے عارضی طور پر بجھتے دیکھ کر ایک خاموش تماشائی کی حیثیت اختیار نہیں کی بلکہ برابر کوشش جاری رکھی کہ اس چراغ میں روغن ختم نہ ہونے پائے۔

کتاب کے نفس مضمون میں نہ میں کسی کا شرمندہ اصلاح ہوں اور نہ کسی کا شرمندہ صلاح میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اپنی تحقیق اور تدقیق سے۔ جو کچھ کہا ہے وہ اپنے ضمیر کا ہمنوا ہو کر۔ میں بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں اور انسانی کمزوریوں اور لغزشوں سے مبرا نہیں ہوں۔ ممکن ہے کسی واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے صداقت کامل کے اعتبار سے میں نے کتنی شدید غلطی کا ارتکاب بھی کیا ہو۔ اور کون جانتا ہے کہ تیئے

علم کی روشنی میں مجھے کب اپنی کسی رائے کے تبدیل کرنے کی ضرورت پڑ جائے بایں ہمہ میں خوش ہوں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے ضمیر کی روشنی میں لکھا ہے اور کسی فرد بشر یا کسی قوم کی خوشنودی کی خاطر اپنے ضمیر کو دھوکا نہیں دیا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آئندہ کسی وقت اگر مجھے کسی واقع پہ اپنی رائے تبدیل کرنے کی ضرورت پڑی تو یہ تبدیلی بھی فطرت کے اس بلند و برتر حکم کے تابع ہوگی جسے ضمیر کہتے ہیں۔

میری کوشش ناتمام :۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اسے میری کسر نفسی کی بجائے ایک حقیقت پہ محمول فرما دیں گے جب میں یہ کہوں کہ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔ ادب و تاریخ کے امتزاج کا وہ دلفریب مرقع نہیں ہے جس کی روح نواز تصویریں میں نے عالم تصور میں تخیل کے موقلم کی نگارہ آرائیوں سے تیار کی تھی وقت کی قلت اور دماغ کی پریشانی کی وجہ سے اس جدت طرازی میں یہ کتاب آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بن کر رہ گئی ہے اور میں نہایت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ موجودہ صورت میں یہ کتاب نہ گلہائے ادب کا کوئی دلپذیر گلدستہ ہے اور نہ تاریخی حقائق کا کوئی بصیرت افروز مجموعہ، اس لیے میں اس ناچیز تحریر کو کسی علمی و ادبی دعوے کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بلکہ نہایت عاجزی سے اپنی علمی فرومائیگی اور دماغی انتشار کا اعتراف کرتا ہوا شیدایان جمال مصطفوی ؐ اور سوختہ دلان جلوۂ احمدی ؐ کی خدمت اقدس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق جنوں نواز کی ایک دل دوز داستان کا ایک پھٹا ہوا ورق بطور "نذر" کے گزرانتا ہوں۔

بنا بریں امید کامل ہے کہ حامیان علم دین اور علم برداران ادب ایک ایسی کتاب کے نقائص پر برافروختہ نہ ہوں گے جس کی بے ربط عبارت اور ادبی اغلاط کا خود اس کے آشفتہ دماغ مصنف کو علم و اعتراف ہے۔

البتہ اس کی ادبی حیثیت کو نظر انداز کرنے کے بعد واقعات اور شان مرتبہ رسولؐ کے اعتبار سے اگر میں نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس شخص کو اپنا محسن سمجھوں گا جو بہ ذریعہ خط مجھے اس کی اطلاع دے گا۔

خواہ مخواہ کی نکتہ چینی کرنے والے اصحاب کو میں حوالۂ خدا کرتا ہوں۔

ے

بُرا سمجھوں انہیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ ہیں خود بھی تو ہوں اقبالؔ اپنے نکتہ چینوں میں

بعثت

دنیا کے مطلع پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں

حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے راہ راست سے بھولی بھٹکی انسانیت کو پیغام حق سنا کر، انہیں صراط مستقیم دکھا کر رُوپوش ہونے کے بعد زمین آفتاب کے گرد پانسو اکہتر چکر کاٹ چکی تھی۔ دنیا کا نظام تہذیب و تمدن بگڑ چکا تھا۔ اخلاق و شرافت کے تمام آئین و قوانین درہم برہم ہو چکے تھے۔ ہر طرف جور و استبداد کی فرماں روائی تھی۔ ہر سمت ظلم و ستم کی حکمرانی تھی۔ وہ دل جو اس لیے بنے تھے کہ ان پہ انوار الٰہیہ پرتو فگن ہوں، ضلالت و جہالت کی تاریکیوں سے معمور تھے۔ خدا کی وفاداری کے معاہدے عصیاں کار لوگوں نے ایک ایک کر کے توڑ دیے تھے۔ کوئی گردن نہ تھی جو اس کے آستانۂ جلال و جبروت اور دہلیز رحم و کرم پہ نگوں ہو۔ کوئی سر نہ تھا جو اس کی شان قدوسیت کا اقرار کرے۔ وہ پیشانیاں جن پہ خلافت الٰہیہ کی درخشاں مہر لگ چکی تھی اور جو صرف اک خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں جھکنے کے لیے بنائی گئی تھیں، دنیا کی ہر قاہر و ظالم طاقت کے سامنے نہایت ذلت سے سجدہ ریز تھیں۔

ہندوستان وہ ہندوستان جسے کبھی تہذیب و تمدن کا علمبردار ہونے کا دعویٰ تھا، جسے دنیا کے بڑے بڑے رشیوں اور منیوں کی پیدائش کا فخر حاصل تھا شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اک بتکدہ بنا ہوا تھا۔ اس کے گمراہ اور جاہل باشندے شجر و حجر، آفتاب و ماہتاب، ستارے اور سیارے

گائے اور بیل، دریا اور پہاڑ، سانپ اور بچھو اور نہ معلوم کن کن بلاؤں کو اپنا خدا اور معبود سمجھ کر بُت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے۔ شری کرشن کے نام لیوا اور بدھ کے علم بردار دنیا طلبی کے دام تزویر میں پھنس کر اپنی اصل تعلیمات سے منحرف ہو کر طرح طرح کی شرمناک حرکات کا شکار بنے ہوئے تھے۔

بابل وہ بابل جو کبھی ایک مستقل تہذیب کا سرچشمہ تھا، ستارہ پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کی شاندار تہذیب اوہام باطلہ کے قالب میں ڈھل چکی تھی۔ روما و یونان کی مرعوب کن شوکت اور متحیر سازعظمت مٹ چکی تھی۔ محاسن کی جگہ مصائب نے لے لی تھی۔ خوبیوں کی جگہ برائیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ رومتہ الکبریٰ کا نظامِ تمدن گاتھ اور گال کے استبداد پرست ہاتھوں برباد ہو کر یورپ میں تباہی و بربادی کا ایک بے پناہ طوفان اُمنڈ آیا تھا۔ مطلق العنان اور ظالم و جابر حکمران کی پیشانی کی ایک شکن کے قہر پاش اشارے سے ہزاروں جیتے جاگتے بے گناہ انسان خاک و خون میں تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ یونانیوں نے معمورہ آبادی اور زرد شتی تہذیب و تمدن کے آئین و قوانین کو اصطخر کے آتشکدہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلا کر خاک سیاہ بنادیا تھا۔ ایران کا ناموس مزدکیوں کے اقتدار پرست ہاتھوں بے شرمی اور بے حیائی کی قربان گاہ پہ قربان کیا جاچکا تھا۔ عریانیوں اور نفس پرستی کے مظاہروں کو دیکھ کر حیا کسی سمندر میں جا ڈوب مری تھی۔ ظالم اور ستمگر حکمران رعایا کو جور و جفا کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھے۔ ان کی تیغ بے پناہ رعایا کی خون آشامی کے لیے ہر وقت نیام سے باہر تھی۔ اور کسی کو اتنی جرأت نہ پڑتی تھی کہ غلامی کی اس لعنت کے جوئے کو گردن سے اتار پھینکے اور ان صریح زیادتیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ اول تو اس جبری غلامی نے رعایا کی ذہنیت ہی غلامانہ بنا رکھی تھی۔ اور دل آگاہ ہی سینوں میں خوابیدہ ہو چکے تھے۔ پھر اگر کسی دل میں حریت کی تڑپ پیدا بھی ہوتی تو حکومت کا آہنی شکنجہ اس کا گلا گھونٹ دینے کے لیے ہر وقت موجود تھا۔

شیطان کے مریدوں کی کارگزاریاں:۔

جب تہذیب و تمدن کے آئین و قوانین کی تبلیغ و ترویج کی دعوے دار اقالیم کا تہذیب و تمدن اس شرمناک حالت کو پہنچ چکا تھا تو دوسرے غیر مہذب ممالک کے غیر شائستہ جاہل اور کندۂ ناتراش جو کچھ بھی کر گزرتے تھوڑا تھا۔

چنانچہ انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے حکمران سے سرکشی کی اور اس کی دنیا نے ان کے خلاف بغاوت و سرکشی کا علم بلند کیا انہوں نے اس کی بارگاہ معشوقیت کو چھوڑ کر شیطان کے آستانہ کو اپنی سجدہ گاہ بنایا اور یزدانی قوتوں نے اپنا دست شفقت ان کے سر پر سے اٹھالیا۔ قانون صرف صاحبِ اقتدار لوگوں کا چارہ بن گیا تھا۔ زبردست جس طرح چاہتے تھے اپنی حسبِ خواہش اسے توڑ مروڑ لیتے تھے۔ مگر زیردستوں پر آئینی بجلیاں ٹوٹتی تھیں۔ امراء اور شرفا بڑے بڑے سنگین جرائم کے مرتکب ہوتے ہوئے بھی قانون کی زد سے باہر تھے۔ مگر غریبوں کو معمولی قصور کی پاداش میں بھی ہولناک سزائیں ملتی تھیں۔ زیردستوں کی عصمت و عفت زبردستوں کے ہاتھ تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک غلام، ایک محکوم، ایک غریب نوجوان کی شادی کے بعد حسن کی پہلی تڑپ نفس پرست آقا، حاکم اور امیر کے بستر عیش پر ہی ہوتی ہے۔ اور زیردستوں کے گلشن شباب کی اچھوتی کلیوں کا پہلا رس زبردستوں کی ہوس کاریوں نے ہی بھونرا بن کر چوسا ہے۔

عورتوں اور غلاموں کی تحقیر:۔

انسان کی بہیمیت کی صفات اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہوگئی تھیں۔ غلاموں سے بہائم ایسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ عورت کو ہوس پرست مردوں کی بدمستیوں کے لیے سامان نشاط سمجھا جاتا تھا دنیائے انسانی کی آفرینش کے اس مقدس ذریعہ قدرت کی صناعی کے اس بہترین شاہکار کو اس سے زیادہ کوئی حقوق و مراعات

حاصل نہ تھے کہ دنیا کی کج بین نگاہوں میں وہ مکر و فریب کی پتلی تھی فطرتاً نیکی کے ناقابل تھی۔
تمام قسم کے گناہوں اور ہر قسم کی بدکرداریوں کا منبع و مخزن تھی۔

جہالت کا مرکز:۔

یوں تو کرۂ ارض کے ہر طبقہ میں انسانیت و شرافت کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ دنیا کے گوشہ گوشہ پر ضلالت و جہالت، بدتمیزی، بے حیائی، جور و جفا، ظلم و ستم اور استبداد و اقتدار کی فرماں روائی تھی۔ ہر جگہ انسانیت اپنے شرف و مجد کو کھو چکی تھی۔ مگر ان تمام بے حیائیوں، بدتمیزیوں، خلاف قانون شکنیوں، شیطان پرستیوں، کفر و معصیت اور ظلم و عدوان کا مرکز وہ جزیرہ نما تھا جو دنیا کے سب سے بڑے براعظم کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اور جسے عرب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جہاں شیطانی حکومت کی شان و شوکت کا اقبال و اقتدار پورے عروج پر تھا۔ دنیا کی دیگر اقالیم کے گمراہ باشندے تو عرب کے وحشی اور جاہل باشندوں کے ہاتھ پہ بیعت تھے۔

لال پری کے رقص کے شیدائی:۔

وہاں بے روزابہ اور بے موسم گل شراب لالہ گوں کے پرکیف دور چلتے تھے۔ اس کے درندہ صفت باشندوں نے عقل و اخلاق کے تمام آئین و قوانین بادۂ احمر کے چھلکتے ہوئے جام میں ڈبو دیے تھے۔ شرم و حیا کو سمندر کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ اس کے ریگستانوں کا ذرہ ذرہ کفر و شرک اور عصیان و تمرد کی آندھیاں اڑا رہا تھا جنہوں نے تہذیب کی روشنی کو پیدا ہی نہیں ہوتے دیا تھا۔ اس کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر جہالت و ضلالت کی تاریکیاں مسلط تھیں۔

نفس پرستی کے شرمناک مظاہرے:۔

حسن بے نقاب تھا اور عشق بے حیا۔ جو کچھ بھی ہو گزرتا کم تھا۔ چنانچہ نفس پرستی

کے مظاہرے عربوں کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ زنا پر شرم و ندامت کی بجائے الٹا فخر و مباہات کیا جاتا تھا۔ مجمعوں اور مجلسوں میں علی الاعلان اپنی قوت مردمی کے بلند بانگ دعاوی کیے جاتے تھے۔ سو سو عورتوں کو اپنے ازدواج میں لے لینا ان کے نزدیک کوئی معیوب حرکت نہ تھی۔ کسی بے گناہ عورت کو اپنے حلقۂ ازدواج سے الگ کر کے اس کی زندگی تباہ کر دینا ان کی شریعت میں کوئی جرم نہ تھا۔

فحش شاعری:۔

شعر و شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ طبیعت جوشیلی پائی تھی۔ حسن بے نقاب، شراب ناب، قدرت کا جمال بے حجاب، غرضیکہ خفتہ جذبات کو بیدار کرنے کے تمام ضروری سامان موجود تھے۔ شعر و سخن کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں کمال حاصل کیا۔ حسین و نوجوان دوشیزہ لڑکیوں کے نام شعروں میں موزون کیے جاتے اور انہیں سر بازار گایا جاتا تھا۔

عصمت فروشی سے حصول دولت:۔

لونڈیوں کو رقص و سرود سکھلا کر نوک پلک سے آراستہ کر کے بازاروں میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ ان کی عصمت فروشی سے جو دولت حاصل ہوتی تھی وہ آقا کی عیش پرستیوں اور رنگ رلیوں میں چار چاند لگاتی تھی۔

بے حیائی کے عریاں نظارے:۔

ان کی عجوبہ پسند فطرت مجلسوں، میلوں اور مشاعروں کی ہمیشہ متلاشی رہتی تھی جہاں ایک جگہ جمع ہو کر وہ جی بھر کے اپنے دل کے ارمان نکالتے تھے۔ یہ میلے بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ ان میں جہاں شعر و سخن اور شجاعت و بہادری کے کمالات کے مظاہرے ہوتے تھے وہاں بے حیائی، عریانی اور بے شرمی کے بھی وہ

نظارے آنکھیں دیکھتی تھیں جن کا تصور کرنے سے بھی حیا کی روح لرز جاتی ہے اور غیرت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔

معصوم بچیاں تکبر کی قربان گاہ پر :-

انہیں اپنی شجاعت و بہادری پر ہمیشہ ناز تھا۔ ان کی طبیعت غیور تھی وہ کسی دوسرے انسان کے آگے واجب طور پر جھکنے کے خیال کو بھی سر پائے استحقار سے ٹھکراتے تھے۔ یہ غلط و قاران کے صفحۂ دماغ پر ایک نقش حقیقت بن کر ثبت ہو گیا تھا۔ جس کے آگے انہوں نے اس عورت کی حفاظت کو بھی جس کے گلشن شباب کو وہ اپنی ہوس کارانہ دست برد کے لیے سامان نشاط سمجھتے تھے پس پشت ڈال دیا تھا بساط ہستی کی نووارد جیتی جاگتی معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دینا ان کی اس جہالت کا جو شجاعت کے غلط استعمال نے ان کے قلب پر مستولی کر دی تھی، ایک ادنٰے کرشمہ تھا۔

پانچ پانچ سات سات سال کی نو عمر پھول سی بچیوں کو کھلا پلا کر اور خوبصورت کپڑے پہنا یا ہرے جا کر کسی گڑھے میں دھکیل کر پیوند زمین کر دینا ان کے ظلم و ستم کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

رہزنی کی ہولناک وارداتیں :-

راہ چلتے اکیلے دکیلے مسافروں کے کپڑے تک اتار لینا اور انہیں غلام بنا کر بیچ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ تھتے انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر ان کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگ لینا ان کا ایک دلچسپ اور محبوب مشغلہ تھا۔ کسی غریب کی آہ کسی بے کس کے آنسو ان کے پتھر دلوں کو موم کرنے کے لیے بے کار تھے۔ وہ ظالم اور خونخوار بھیڑیے تھے۔ مردم آزار درندے تھے۔ رحم اور ہمدردی ان کو چھو بھی نہ گئی تھی۔

جنگ و جدال اور خون کی ندیاں :۔

قتل و خون اور جنگ و جدال ان کے لیے روزمرہ کا ایک دلچسپ شغل تھا، معمولی معمولی باتوں پہ خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔ اور ریگستان کی خشک ریت پہ سُرخ سُرخ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ یہ جنگ و جدال افراد تک ہی محدود نہ رہتی تھی بلکہ اگر کہیں ایک شرارہ بھی بلند ہوتا تھا تو اس سے قبیلے کے قبیلے بھڑک اٹھتے تھے اور انسان گاجر مولی کی طرح کٹنے لگتے تھے۔ بعض اوقات چاند اور زمین کی بیسیوں گردشیں بھی اس خونریزی کا خاتمہ نہ کر سکتی تھی۔ تاریخ عرب کے صفحات کئی ایسی طویل جنگوں کے حالات سے خون آلودہ ہیں جو کئی کئی پشت تک جاری رہیں۔

اکثر حالتوں میں لڑنے والوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہمارے اسلاف کے دلوں میں کن وجوہات کی بنا پہ عداوت کا بیج بویا گیا تھا مگر انہیں لڑنا ضرور ہے۔

سود خواری :۔

ملک میں ہر طرف سرمایہ داری کی لعنت مستولی تھی۔ سود خواری ایک معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا اور سرمایہ دار نہایت بے دردی اور بے رحمی سے غریبوں کے گلے پر کند چھری پھیر رہے تھے۔ عہد حاضرہ کے ہندوستان کی موجودہ "بنیا شاہی" سے کچھ کچھ اس وقت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

قمار بازی :۔

قمار بازی امراء و شرفائے عرب کی وقت کٹی کے لیے ایک سامان نشاط تھا۔ ملک کے طول و عرض میں جا بجا قمار خانے کھلے ہوئے تھے۔ جن میں بڑے بڑے دولتمند قسمت آزمائی کے لیے آتے اور بڑی بڑی جائیدادیں ہارتے اور جیتتے تھے۔

بُت پرستی :-

وہ اہرمن کے پرستار تھے۔ ان کا کوئی یزدانی دین و مذہب نہ تھا۔ رات دن ایمان فروشی ان کا شیوہ تھا۔ بُت پرستی ان کا دین و ایمان تھا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص کے قبضہ میں ایک بت تھا جسے وہ خدائے معبود سمجھ کر اس کے آگے سرنگوں ہوتا۔ اسی سے اپنی مرادیں مانگتا اور اسی کی پرستش میں اپنی فلاح و بہبود کا جویا ہوتا تھا۔ ان کے اس عقیدہ کی راسخ الاعتقادی کا بھی عجیب حال تھا۔ جب ایک بُت کی پرستش کرتے کرتے کچھ عرصہ گزر جاتا تو اسے فرسودہ اور کہنہ سمجھ کر کسی نئے معبود کی تلاش کی جاتی تھی۔ دوسرا خوبصورت بت ملنے پر پہلا بُت گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ یوں تو جزیرہ نمائے عرب کا ہر گھر بُت کدہ بنا ہوا تھا۔ لیکن ہبل، یعبوب، عزیٰ، اساف، نائلہ اور لات و منات عظیم القدر معبود سمجھے جاتے تھے۔ جن کی پرستش کو تمام کفار اور گمراہ لوگ اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے۔ اور اپنی اس عقیدت کیشی سے ثواب عظیم اور عزت فراواں کے متوقع تھے۔

ان عظیم القدر بتوں کے علاوہ اور بھی ہزاروں مشہور بُت تھے جن کے آگے عربوں کی گردنیں سجدہ ریز تھیں۔

پھر ان بتوں کی پرستش کا طریقہ جو اہل عرب میں رائج تھا۔ نہایت حیا سوز، شرمناک اور غیر مہذب تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ لباس ہر قسم کے گناہوں کی نجاستوں سے آلودہ ہوتا ہے۔ اس لیے جب وہ کسی بُت خانہ میں پرستش کے لیے جاتے تو لباس اتار کر برہنہ ہو جاتے تھے۔ اور اس طرح برہنہ ہو کر طواف کرنے کی مکروہ رسم تقریباً تمام عرب میں جاری تھی۔ اگر کوئی صاحب جاہ و حشمت رئیس برہنہ ہو کر طواف نہ کرنا چاہتا تو وہ اپنا لباس اتار کر مجاوروں کا لباس پہن سکتا تھا۔ کیونکہ مجاوروں نے اپنا اُلو سیدھا کرنے اور اپنے ہاتھ رنگنے کے لیے اپنے کپڑوں کو پاک قرار دے رکھا تھا۔ اور ان کو زیب تن کر کے طواف کرنے کی بڑی بڑی اُجرتیں مقرر تھیں۔

ڈالی بنا تھی کعبہ کی بت خانہ بن گیا

عصیاں و تمرد اور کفر و باطل کی تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے گمراہان عرب نے خدا تعالیٰ کے عہد کو پس پشت ڈال کر خانہ خدا کو بھی بُت خانہ بنا لیا تھا۔

وا حسرتا! کہ ان پیشانیوں نے جو خانہ کعبہ میں جا کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے بنی تھیں۔ بے جان، بے روح، بے حس اور بے اختیار بتوں کے سامنے جھک کر اشرف المخلوقات انسان کو ارذل الکائنات انسان بنا دیا تھا۔

آہ! حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی روحیں عالم قدس میں تڑپ اُٹھتی ہوں گی۔ جب وہ اس بیت اللہ کو جسے پاک و صاف رکھنے کا خدا نے ان سے عہد لیا تھا۔ بیت الاصنام بنا ہوا دیکھتی ہوں گی اور ان کی نگاہوں کو اس میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بُت نصب نظر آتے ہوں گے ؎

ڈالی بنا تھی کعبہ کی بُت خانہ بن گیا

انسانیت مر کر پھر زندہ ہوئی:۔

عالمگیر گمراہیوں اور ہولناک تاریکیوں کی اس شب تیرہ و تار میں کہیں تہذیب و تمدن کی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ جب شرافت کا نام و نشان مٹ چکا تھا جب فطرت کا حسن حقیقی اور روحانیت کا جمال صداقت کفر و باطل کی تاریکیوں میں چھپ گیا تھا، جب کفر و معصیت اور ظلم و ستم کی خونخوار دیوی نے تمام دنیا پر اپنی ناگن کی طرح لہراتی ہوئی ڈسنے والی سیاہ زلفوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور انسانوں کے دل خدا کی قدر و منزلت کو بھول کر اسی زہد شکن دیوی کے اسیر گیسو ہو کر اپنے گلے میں عصیاں کاری اور بُت پرستی کی لعنت کی زنجیر پہن چکے تھے۔ اک بار انسانیت مر کر پھر زندہ ہوئی۔

فاران کی چوٹیوں سے اک نور چمکا:۔

براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں ایک وسیع جزیرہ نما ہے جو عرب کے نام سے مشہور ہے اور جس کے شمال میں شام کا صحرا بیت المقدس، بحر مرادار عقبہ ہے۔ اور جنوب میں خلیج عدن اور وادی حضر موت، جس کے مشرق میں بحر عرب، خلیج فارس اور عراق ہے۔ اور مغرب میں بحر احمر، یمن کی ریاست اور جدہ کی بندرگاہ۔

اسی جہالت اور ضلالت کے مرکز اعظم جزیرہ نما عرب کے کوہ فاران کی چوٹیوں سے اک نور چمکا۔ جس نے دنیا کی حالت کو یکسر بدل دیا۔ گوشہ گوشہ کو نور ہدایت سے جگمگا دیا اور ذرہ ذرہ کو فروغ تابش حسن سے غیرت خورشید بنادیا۔

آج سے تیرہ صدیاں پیشتر اسی گمراہ ملک سے (جو عرب کے نام سے مشہور ہے اور جسے شام سے وہ سلسلہ کوہ جدا کرتا ہے جو اس کے شمال میں چلا گیا ہے۔ مصر سے آبنائے سویز اور ہندوستان سے خلیج فارس) شہر مکہ مکرمہ کی گلیوں سے ایک انقلاب آفرین صدا اٹھی۔ جس نے ظلم وستم کی فضاؤں میں تہلکہ عظیم مچا دیا۔ یہیں سے ہدایت کا وہ چشمہ پھوٹا جس نے اقلیم قلوب کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں سرسبز و شاداب کردیں۔ اسی ریگستانی چمنستان میں روحانیت کا وہ پھول کھلا جس کی روح پرور مہک نے دہریت کی دماغ سوز بو سے گھرے ہوئے انسانوں کے مشام جان کو معطر و معنبر کر دیا۔

اسی بے برگ و گیاہ صحرا کے نیرہ و تار افق سے ضلالت و جہالت کی شب دیجور میں صداقت و حقانیت کا وہ ماہتاب درخشاں طلوع ہوا جس نے جہالت و باطل کی تاریکیوں کو دور کر کے ذرہ ذرہ کو اپنی ایمان پاش روشنی سے جگمگا کر رشک تجلئے زار صد طور بنا دیا۔ گویا اک دفعہ پھر خزاں کی جگہ سعادت کی بہار آگئی۔

اک بار پھر اہرمن کی فرماں روائی کی جگہ دنیا پہ یزداں کی حکومت ہوگئی۔ حق نے غلبہ پایا اور باطل مغلوب ہوا۔

مسلمانانِ عالم کا عقیدہ ہے (جس کی صداقت اور عدم صداقت کی نسبت فی الحال

میں کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کتاب میں جس کا مقصد وحید مسلمانوں کے خوابیدہ افسردہ، بےحس اور منجمد دلوں میں شعلہ حیات تازہ پھونکنا ہے۔ اس قسم کی بحث کی کوئی ضرورت ہے۔ آئندہ اوراق کا ایک ایسے اولوالعزم شخص کے سوانح حیات کی حیثیت سے مطالعہ کیا جائے۔ جس کی زندگی کا مقصد عظیم کائنات انسانیت کو باطل پرستی کی تاریکیوں سے نکال کر حق پرستی کی شاہراہ درخشاں پر گامزن کرنا تھا) کہ جب اس عالم آب و گل کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ لوح و قلم، عرش و کرسی بھی کتم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر نہ ہوئے تھے اس وقت بھی خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، سرورکائنات، فخر موجودات پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روحی فداہ کا نور مبارک موجود تھا۔ جو پیدائش عالم کے وقت انسان اول حضرت آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوا۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم میں ایک دوسرے سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ گرامی قدر والد صاحب رسول اللہ کی پیشانی میں ایک تابندہ ستارے کی طرح آچمکا۔ وہاں سے محترمہ حضرت آمنہ رضؓ میں منتقل ہو کر نبی آخر الزماں کی صورت میں منصۂ شہود پہ جلوہ گر ہو گیا۔ اور اس ظلمت کدۂ جہاں کو اپنی تابشوں سے رشک صد مہر و ماہ بنا دیا۔ اس نور لطیف کی ہنگامہ خیز داستان ہندوستان کے نوجوان شاعر حضرت اختر شیرانی نے اپنی کوثر کی موجوں میں دھلی ہوئی زبان میں کچھ اس طرح مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ پڑھتے پڑھتے روح مست کیف ہو جاتی ہے۔ لطافت بار کلام کا صحیح ذوق رکھنے والے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس کیف ریز داستان نور کا یہاں اعادہ کیا جاتا ہے :۔

شمعِ حرم

یاد آیا ہے کہ بزمِ طور تھی ہستی مری
اک شعاعِ قدس سے آباد تھی بستی مری

سوزِ عشقِ احمدیؐ سے دل مرا لبریز تھا
خندہ زن تھی اوجِ مہر و ماہ پہ پستی مری

ساز کے تاروں میں لہراتے ہیں پردے جس طرح
یوں فضائے عشق میں آوارہ تھی ہستی مری

جس کے دود آدنلے سے پروانے تھے سلمانؓ و بلالؓ
ہاں وہ موجِ شعلۂ الہام تھی ہستی مری

آ کہ سوزِ عاشقی کے نغمے برساتی ہوں میں
سُن کہ پھر افسانۂ ماضی کو دُہراتی ہوں میں

جب کہ یہ دنیا سراسر ایک ظلمت خانہ تھی
محفلِ ہستی شعاعِ نور سے بیگانہ تھی

نغمۂ آدم سے تھا محروم خوابستانِ دہر
سطحِ خاکی ایک ہیبت آفریں ویرانہ تھی

رُوحِ انسانی تھی جب نامحرمِ رازِ الست
ہستیِ شیطان سراسر قدس کا افسانہ تھی

جرعہ نوشِ بادۂ ہستی تھے سرمستِ عدم
گرچہ فطرت جلوہ زارِ ساغر و پیمانہ تھی

تب بھی ان رنگین ستاروں کی طرح روشن تھی میں
فطرتِ آدم کی گہرائی میں طوفان زن تھی میں

میں فضائے عرش کا ٹوٹا ہوا سیارہ تھی
جلوہ ہائے نو بنو میں مائلِ نظارہ تھی

ذوقِ موسیٰ بن کے تھی خود حیرتِ جلوہ میں میں
خود ہی موجِ نور بن کر طور پہ آوارہ تھی

آتشِ نمرود تھی جب آسماں تک شعلہ زن
خلد بن کر تب میں ابراہیمؑ کا گہوارہ تھی

دیدۂ یعقوبؑ میں تھی جنتِ امید میں
نوحؑ کی کشتی میں حسنِ چارہ بے چارہ تھی

پردۂ یوسف میں رنگِ روئے جانانہ تھی میں
سینۂ عیسیٰؑ میں قُم کا سازِ مستانہ تھی میں

کاملانِ دہر کے سینوں میں تھا مسکن مرا
انبیائے عصر کا آغوش تھا گلشن مرا

سوز بن کر قلبِ اسماعیل میں پنہاں تھی میں
خلد زار نکہتِ یوسفؑ تھا پیراہن مرا

بربطِ روحِ سلیماںؑ جس سے تھا لبریز درد
ایسا پُر تاثیر تھا ہنگامۂ شیون مرا

میں فضائے دہر میں اک آسمانی نغمہ تھی
عصمتِ مریمؑ سے تھا پاکیزہ تر دامن مرا

یک بیک فطرت میں اک ہیجان برپا ہو گیا
ایک قطرہ چھلکا اور طوفان برپا ہو گیا

شمع حرم کی شعاع ریزیاں

یہ آسمانی نور، یہ باعث ایجاد کون و مکان نور جس بھی خوش قسمت ہستی میں منتقل ہوا اس سے بہت سے عجوبہ کارکرشمے اور خوارق عادت واقعات ظہور میں آتے رہے۔ اس نور بیتاب کی جلوہ گری کسی قفس عنصری کی قیدو بند میں آکر اپنی کیف سامانی اور ضیا بیزی سے محروم نہیں ہوئی بلکہ ہر جگہ اپنی غیر معمولی قوت کا اظہار کرتی رہی۔ سرور کائنات، فخر انسانیت، نبی آخر الزمان پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ انیسویں دادا کا نام نامی اور اسم گرامی مضر تھا ان میں اس نور لطیف نے اپنا ظہور بدرجہ اتم کیا۔ اس بزرگ کے بہت سے عجیب و غریب حالات اسلامی تاریخ کے صفحات پر غیر فانی حروف میں ثبت ہیں۔ آپ کی عدیم المثال قوت مشاہدہ اور غیر معمولی فہم و ادراک کے حالات شہرہ آفاق تھے۔

قریش کی وجہ تسمیہ:۔

نبی اکرم فخر موجودات کے چھٹے دادا حضرت قصی تھے۔ جو بہت بڑے ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ کا دائرہ اثر و اقتدار نہایت وسیع تھا۔ آپ نے اپنے تمام خاندان کو ایک مرکز پر لا کر اس کا نام قریش رکھا۔
اسی وقت سے رسول اللہ کے خاندان کو قریش کہنے لگے۔

خونریزی کی پیشین گوئی:۔

پیغمبر صلح و آشتی، علمبردار امن و امان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے دادا حضرت عبد مناف تھے۔ خدا کی قدرت سے ان کے ہاں دو توام بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی پہ پیوست تھی۔ اب خون آشام تلوار کو نیام

سے باہر حرکت دے کر ان بچوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے سوا کوئی چارہ کار کیا تھا؟ یقیناً کچھ نہیں۔ صاحب عقل و بصیرت بزرگوں نے بڑے وثوق سے پیشین گوئی کی کہ چونکہ ان دونوں بچوں کے عرصہ ہستی میں آنے پر ان کے لیے تلوار کو نیام سے باہر ہوتا پڑا ہے۔ اس لیے قدرت کو یہی منظور ہے کہ ان میں قیام قیامت تک بھی صلح و آشتی نہ ہو سکے گی۔ عرصہ دنیا میں ان کی خون آشام تلواریں ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ نیام سے باہر رہیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آنے والے زمانہ نے یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف سچی کر دکھائی۔ ان میں سے ایک لڑکا ہاشم تھا۔ جس کے خاندان کو پیغمبر صلح و آشتی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شمع وجود سے منور فرمایا۔ دوسرا اُمیہ تھا جس کے خاندان میں ابوسفیان، معاویہ اور یزید ایسے فتنہ گر پیدا ہوئے جنہوں نے ہاشمی قبیلہ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ ابوسفیان حضور انور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہا۔ معاویہ نے بھی مخالفت کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا اور یزید خونی، شرابی، زانی اور ننگ انسانیت یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسین رضؓ پر زہرہ گداز مظالم توڑ کر اسلامی تاریخ میں ایک خوں چکاں باب کا اضافہ کیا۔ میدان کربلا کا ذرہ ذرہ اور ماہ محرم کا شیون و شین اور بکا و بین خونی اور سنگدل یزید کی ننگ انسانیت ہستی پر آج تک لعنت و ملامت کر رہا ہے اور قیام قیامت تک کرتا رہے گا۔

ہاشم کا دائرہ اثر و اقتدار :-

ہاشم چونکہ خانہ کعبہ کا متولی تھا اور نزدیک و دور سے آنے والے زائرین کعبہ کی ضروریات بہم پہنچانے کی خدمت سرانجام دیتا تھا۔ اس لیے عوام الناس میں خاص طور پر قدر و منزلت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کا حلقۂ اثر و اقتدار بہت وسیع تھا۔ اس کی شادی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ زوجین کے گلشن محبت میں ایک پھول عبدالمطلب نامی کھلا۔ ظالم اور کور دیدہ موت نے ہاشم کو ایام شباب

ہی آگیا۔ اس نے بیت المقدس کے راستہ میں غزہ کے مقام پر پچیس برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور عبد المطلب یتیم عبد المطلب نے اپنے نانا کے ہاں مدینہ منورہ میں پرورش پائی۔

عبد المطلب کا اثر و رسوخ :۔

عبد المطلب بھی صاحبِ رسوخ اور صاحب اثر و اقتدار بزرگ ہوئے ہیں۔ عوام و خواص میں ان کی خاص قدر و منزلت تھی۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو اپنے والد بزرگوار کی بے وقت موت کے بعد جلد ہی آپ کو ان کی جانشینی کا فخر حاصل ہوا۔ اور آپ کعبہ کے متولی قرار دیے گئے

آپ رفاہ خلائق کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ زمزم کا کنواں جس کی ایک بوند حاجیوں کے لیے کوثر و تسنیم کے پانی کی ہمسر ہے، آپ نے ہی صاف کرایا تھا۔ کیونکہ زمانہ کی ردوبدل اور انقلاب انگیزیوں کی وجہ سے یہ کنواں بند ہو گیا تھا۔

آپ کی قدر و منزلت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد خدا پرست بھی تھے۔ آپ غار حرا میں جسے آپ کے پوتے فخر موجودات ص کے قدموں کی خاک چھو کر زیارتگاہ صوفیائے عالی مقام اور سجدہ گاہِ اولیائے نامدار ہونے کا شرف حاصل ہوا ———— چلہ کشی کیا کرتے تھے۔

نورِ آسمانی کی جلوہ گری کے کرشمے :۔

وہ نورِ آسمانی جو باعث تخلیق کون و مکان تھا اور جس کی تابانیوں سے آگے چل کر شرق و غرب روشن ہو گئے، اب عبد المطلب میں منتقل ہو چکا تھا۔ اسلامی تاریخ کے صفحات میں بہت سی عجیب و غریب کہانیاں آپ کے نام کے ساتھ وابستہ ہیں جن کی وجہ تمام تر اسی نور بیتاب کی جلوہ گری کا ایک ادنیٰ کرشمہ بتائی جاتی ہے۔ جس نے کفر و باطل کی تاریکیوں کو اس طرح کافور کر دیا جس طرح ہوائے تند و تیز سیاہ بادلوں کو۔

ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند عجوبہ کار کرشمے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

استدلال اور اعتقاد کی جھڑپ:۔

بہت ممکن ہے کہ بہت سے "سائنس زدہ" لوگ جن کی آنکھیں سائنس کی روشنی سے ماند پڑ گئی ہوں، ان حیرت خیز اور استعجاب انگیز واقعات کی تہہ میں کوئی حقیقت نہ دیکھ سکیں بلکہ انہیں افسانہ قیس یا داستان پری اور عقیدت مند دماغوں کے رنگین تخیل کے سوا اور کسی چیز سے تعبیر نہ کریں۔ ایسے عقل پرست اصحاب کی خدمت عالیہ میں میں نہایت ادب سے التماس کرتا ہوں کہ وہ ان واقعات کی صداقت کو تسلیم کریں یا نہ کریں مگر روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس حقیقت غیر مشتبہ پر شاہد عادل ہے کہ بعض اوقات ایسے ایسے محیر العقول واقعات پیش آتے ہیں جن کی سائنس باوجود اپنی استعجاب انگیز ترقیوں کے اور فلک پیما نظریوں کے کوئی تشریح و توضیح نہیں کر سکتی۔ پھر یہ واقعات کچھ ایسے عجیب بھی نہیں ہیں جیسے ولایت کے اخباروں میں بڑے بڑے عقل پرست لوگوں کی تصدیقوں کے ساتھ آئے دن چھپتے رہتے ہیں۔ اور جن کی صداقت ہر "سائنس زدہ" اور نئی روشنی کا پرستار روشن خیال جنٹلمین بلا کسی چون و چرا کے تسلیم کر لینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے ہر وہ چیز جو آسمان مغرب سے نازل ہو بمنزلہ ایمان کے ہے۔

جلیل القدر تاریخی شخصیت:۔

اس سمع خراشی کے لیے معافی مانگتے ہوئے مجھے یہ بھی عرض کر لینے کی اجازت دیجئے کہ اگر آپ کا ترقی یافتہ ذہن ایسے "توہمات و خرافات" کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو آپ حیاتِ طیبہ کے حیرت انگیز کارناموں سے بدظن نہ ہو جائیے گا۔ ان خرق عادت واقعات کو حسن عقیدت رکھنے والے لوگوں کا رنگین تخیل ہی سمجھ لیجئے گا مگر حیات محمدی ﷺ کے واقعات تاریخی واقعات ہیں۔ اور ان کو اسی نظر احترام سے دیکھا

جاتے ہیں سے دوسری تاریخی ہستیوں کے حالات کو دیکھا جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی میں میں نے ایسے واقعات نظر انداز کر دینے کی کوشش کی ہے جن کی بنا مخالفین اسلام کو وابستگان دامن رسول کی نیاز کیش فطرت کی تحسین آمیز رنگ کاری پہ ہونے کا شبہ ہو سکے۔

کشف و کرامات:۔

صفحۂ دل پر تحریر کر لیں کہ کسی قابل رشک گرامی قدر ہستی کے سوانح حیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اس کی زندگی کے ان پہلوؤں پر ہی غائر نظر ڈالنی چاہیئے جو کائنات انسانیت کے لیے درس عبرت، چراغ ہدایت اور نمونۂ عمل بن سکتے ہوں۔

حیرت انگیز واقعات، استعجاب انگیز کرشمے، خوارق عادت باتیں، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کم و بیش دنیا کے ہر بڑے مذہبی اور روحانی پیشوا کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ممکن ہے بہت صورتوں میں ان پہ عقیدت مندوں کی مبالغہ آفرینی کا رنگ بھی چڑھ گیا ہو۔ مگر ان کی تہہ میں صداقت موجود ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایک مذہبی رنگ کے انسان کے دل میں تو ان واقعات کے مطالعہ سے مذہبی جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور خدا کی شوکت و جلالت اور عظمت و رفعت زیادہ استواری اور پائداری سے اس کے لوح دل پہ مرتسم ہوتی ہے۔ مگر ایک "حاضر بین" اور "ظاہر پرست" کے دل میں ایسے واقعات کے مطالعہ سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ ایسی باتوں کو مضحکہ خیز سمجھتا ہے۔ اور روحانیات اور مذہبیات کو توہمات کا ایک بے معنی مجموعہ تصور کرنے لگتا ہے۔ بہر حال میرے ظاہر پرست قارئین کرام اپنے پیش نظر صرف یہ بات رکھیں کہ یہ خرق عادت واقعات فخر موجودات بحر روحانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں یا ان کے بزرگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے ہوں تو ہمیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان پہ خدا تعالیٰ کی نظر عنایت تھی یا ان کی اپنی محنت و

ریاضت جس کا ثمر شیریں انہوں نے خود چکھا اور دنیا کو اس سے لذت اندوز کیا۔

روشنی کا مینارہ:۔

ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ بزرگانِ ملت ہمارے لیے کیا چھوڑ گئے یہ ورثہ ان کی کرامات و معجزات نہیں ہیں جن سے ہم فیض یاب ہو سکیں بلکہ دین و دنیا کے تمام شعبوں کے متعلق ان کا شیوہ عمل، ان کا طرزِ اصول، ان کا طریقہ کار، ان کی تعلیم ایک لفظ میں ان کا مذہب ہے جو ہماری شاہراہ حیات پر ہدایت کی روشنی کا مینار بن سکتا ہے۔ یہی چیز ہے جو ہمیں شرف و مجد کے بلند ترین کنگرے پر پہنچا سکتی ہے جسے چھوڑ کر ہم اس عالمِ آب و گِل کے کسی گوشہ میں اور عالم بالا کے کسی کونہ میں فلاح و بہبود کے تمنائی نہیں ہو سکتے۔

مکارم اخلاق کے نایاب موتی:۔

شرافت و اخلاق ہی ہماری حقیقی اور لازوال دولت ہے جو قارون کے گنج بے شمار اور کارنیگی اور راک فیلر کے بے اندازہ خزانوں پر خندہ زن ہے اس دولت لازوال کو دنیا کے ہر کونے سے، مذہب کے ہر گوشہ سے بلالحاظ رنگ و نسل، بلاامتیاز مذہب و قومیت ہر گرامی قدر ہستی سے حاصل کرنے میں ہمیں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیئے۔ اس فانی دنیا کی ہر بڑی سے بڑی شے اس تلاش و جستجو کے مذبح پر قربان کی جا سکتی ہے۔

عالم باعمل کی فضیلت:۔

انسان کی زندگی اتنی ہی کامیاب و کامران ہوتی ہے جتنی سرگرمی و تن دہی سے وہ تلاش صداقت اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف و منہمک رہتا ہے۔

جو شخص اخلاق و شرافت کا ایک رفیع اور بلند اصول دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

وہ یقیناً بڑا ہے۔ مگر وہ شخص اس سے بھی بڑا ہے جو اس اصول کو کارگاہ عمل میں لاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کے خزانوں میں شرافت اور اخلاق کی لازوال دولت جمع کرتا ہے۔

ایک جلیل القدر عالم باعمل :۔

جس گرامی نشان اور جلیل القدر بزرگ کی حیات طیبہ کے عدیم النظیر واقعات اور فقید المثال کارنامے ان اوراق پریشاں کی وساطت سے گم گشتگان بادیہ ضلالت اور کارگاہ خیر و شر کی کشاکش سے گھبرائے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھے جا رہے ہیں۔ وہ اسی قسم کی رفیع المنزلت ہستی تھی جس نے اپنے دل و دماغ کو انسانی شرافت اور اخلاق کے بلند ترین معیار کے مطابق بنایا۔ پھر اس نظام اخلاق کی نشر و اشاعت کے لیے اپنے دل و دماغ کی تمام قوتیں صرف کر دیں اور کفر و باطل کی شب دیجور میں بھٹکتی ہوئی دنیا کے لیے ایمان و حقانیت کا وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی تیرہ صدیاں گزر چکنے کے باوجود بھی اس ظلمت کدہ میں اب تک موجود ہے اور ہر لحہ ترقی پذیر ہے۔

اس طویل جملہ معترضہ کے بعد اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پردۂ غیب سے سامانِ زینتِ جسم

جب نور آسمانی عبدالمطلب میں منتقل ہوا تو آپ حرم محترم کی چار دیواری کے اندر محو خواب استراحت تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر آپ کے حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ رہی کہ آپ کے بال سنوارے ہوئے ہیں اور ان سے خوشبو کی لپٹیں آ آ کر مشام جان کو معطر کر رہی ہیں۔ آنکھوں میں کاجل لگا ہوا ہے۔ نیا اور خوبصورت لباس زیب بدن ہے۔ جس نے دیکھا اور سنا وہ بھی حیرت سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ مگر کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار آپ کو قریش کے کاہن کے پاس لے گئے۔ (جاہلیت کے عرب کا کاہن موجودہ زمانے کا جوتشی اور عامل سمجھیئے) اور یہ حیرت انگیز واقعہ اس کے گوش گزار کیا۔ اس نے فیصلہ کیا

کہ ان کا نکاح کر دو۔ چنانچہ آپ کو ازدواجی اخلاقی زنجیر پہنا دی گئی۔

سحاب باراں کے لیے دُعاء:۔

جب صحرائے عرب میں قحط سالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ سوکھی زمین ہمسر آتش خانۂ ایران بن جاتی۔ چرند و پرند پانی کی ایک ایک بوند کو ترسنے لگتے۔ تو قریش کے پاس اس ناگہانی مصیبت کا عجیب و غریب علاج یہ تھا کہ سب لوگ عبد المطلب کی قیادت میں جبل ثبیر پہ چلے جاتے اور ان سے خداتعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کے لیے دعاء کراتے۔ خود بھی ان کے جلو میں آستانہ عالیۂ خدا پہ سجدہ ریز ہوتے اور دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے خدا کے حضور میں دعا مانگتے۔ اس نورِ آسمانی کی برکت سے جو عبد المطلب میں جلوہ گر تھا۔ حریم کبریائی سے دعاء اجابت کا جامہ پہن کر آتی اور دم بھر میں تمازت آفتاب کی شدت سے تپتی ہوئی زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی۔ خشک سالی کے مصائب کو لوگ فراموش کر دیتے اور اپنی تمناؤں کے بر آنے پہ خوشیاں منانے میں مصروف ہو جاتے۔

ابرہۃ الاشرم کے لشکر کی تباہی

ریگستان عرب کے دوسرے علاقوں سے مقابلتاً سرسبز و شاداب علاقہ یمن عبد المطلب کے زمانہ میں شاہ حبش کے زیر نگین تھا۔ جس کی طرف سے ابرہۃ الاشرم نامی صوبہ دار یمن پہ فرمانروا تھا۔ ابرہہ نے سریر آرائے مملکت ہونے کے بعد یمن میں ایک عبادت گاہ تیار کرائی اور زائرین کعبہ کو ترغیب دی کہ اس کعبہ کی زیارت کی بجائے مندر کی زیارت کو آیا کریں۔ مگر اس کی یہ تحریک عروس کامرانی سے ہمکنار نہ ہوئی۔ بلکہ ایک غیور عرب نے اس مندر کی تذلیل کے لیے رات کی تاریکی میں چھپ کر ایک دفعہ تو اس فرضی "بیت الشعدا" کو "بیت الخلا" بنا ہی دیا۔ ابرہہ نے یہ ذلت انگیز واقعہ سنا۔ تو جوش غیض و غضب سے اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ پہ حملہ آور ہو کر خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ پھر شاید اس کی

زیارت گاہ کا طوطی بولنے لگے۔

ابرہہ کی خانہ خدا پر فوج کشی:۔

چنانچہ یہ بر خود غلط شخص اپنی حکومت و ثروت اور فانی طاقت و اقتدار کے نشہ غرور میں مدہوش ہو کر خدا کے قہار کے قہر و غضب اور لافانی غیبی طاقت کی شوکت و جلالت کو یکسر فراموش کر کے ایک بڑا لشکر اپنی قیادت میں لے کر خانہ خدا کو مسمار کرنے کے لیے مکہ معظمہ پر چڑھ آیا۔ اس لشکر میں ایک کثیر تعداد ہاتھیوں کی بھی تھی۔ اس لیے تاریخ عرب میں اسی رعایت سے اس فوج کو "اصحاب الفیل" اور اس سال کو "عام الفیل" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس شیطانی گروہ نے شہر سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا اور اس کے کچھ آدمی قریش کی بہت سی بکریاں اور اونٹ گرفتار کر کے لے گئے ان میں چار سو اونٹ صرف عبدالمطلب ہی کے تھے۔

نور آسمانی کی گردش:۔

قریش کو جب اس معاملہ کا پتہ چلا تو بہت گھبرائے اور اپنے جلیل القدر سردار کو ہمراہ لے کر جبل ثبیر پر پہنچے تو اس نور آسمانی نے جو عبدالمطلب کی پیشانی میں ستارے کی طرح درخشاں تھا۔ ماہِ تاباں کی طرح گردش کی۔ اور اس کی شعاعیں کعبۃ اللہ تک جا پہنچیں۔ جب عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو اس نے قریش کو یقین دلایا۔ کہ اب تم قطعی مطمئن رہو۔ دشمن ہمارا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ وہ شکست فاش کھائے گا اور ہم عزو فتح و نصرت سے ہمکنار ہوں گے۔ کیونکہ جب یہ نور اس طرح گردش کیا کرتا ہے تو یہ ہمارے لیے فتح و نصرت کا پیغام ہوتا ہے۔

ابرہہ کی فوج کا قاصد۔

قریش جبل ثبیر سے مکہ معظمہ میں واپس آئے ہی تھے کہ ابرہتہ الاشرم کی طرف سے ایک قاصد عبدالمطلب کی خدمت میں آیا۔ جب عبدالمطلب کے سامنے ہوا تو وہ قریش کے اس عظیم المرتبت سردار کے نورانی اور وجیہ چہرے کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو پھر عبدالمطلب کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہا واقعی تو قریش کا سچا سردار ہے۔ اس کے بعد عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔

خانہ خدا کا محافظ خود خدا ہے:۔

ابرہہ بھی عبدالمطلب کی باوقار، وجیہہ اور نورانی شکل سے بہت متاثر ہوا۔ آپ کی شرافت، نجابت اور سرداری کی وجہ سے آپ کو عزت کے مقام پہ بٹھایا اور تشریف فرمائی کا مقصد دریافت کیا۔

عبدالمطلب نے کہا "تمہارے لشکر نے میرے چار سو اونٹ گرفتار کر لیے ہیں میں وہ واپس لینے آیا ہوں۔"

ابرہہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ اس نے حیران ہوکر کہا "میں نے تو آپ کو عاقل و فرزانہ سمجھا تھا۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تو تمہاری سجدہ گاہ کعبہ کو مسمار کرنے آیا ہوں اور تم مجھ سے اونٹ واپس مانگتے ہو؟ پھر تم اپنے اونٹوں کی حفاظت کے لیے تو اتنی کوشش کرتے ہو لیکن خانہ کعبہ کی حفاظت کے لیے تمہارا دل کیوں بیتاب نہیں ہے؟"

عبدالمطلب نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا "میں تو فقط اپنے اونٹوں کا مالک اور محافظ ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک و محافظ خود خداوند حقیقی ہے۔"

ابرہہ نے دل ہی دل میں اس جواب کا مضحکہ اُڑایا۔ اور پھر عبدالمطلب سے طنزیہ طور پر کہا: "اچھا! میں دیکھوں گا کہ تمہارا رب البیت تمہارے کعبہ کی حفاظت کے لیے کیا

کرتا ہے"

قریش چلے آئے۔ ابرہہ کے لشکر میں تباہی پھیلی۔ اس پر قہر خدا نازل ہوا اور وہ لشکر سمیت غارت ہوگیا۔

تاجدار یمن کا مژدہ:۔

اصحاب الفیل کے حیرت انگیز واقعہ کے بعد ہی ملک یمن کی حکومت شاہ حبشہ کے قبضہ سے نکل گئی۔ اور سیف بن ذی یزن یمن کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ قریش کے چند سر برآوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر عبدالمطلب سیف کو سریر آرائے مملکت ہونے پر مبارکباد دینے گئے تو اس نے اپنے علم و واقفیت کی بنا پر عبدالمطلب کو یہ خوشخبری سنائی۔ کہ نبی آخر الزمان جس کی آمد خوش آئند کے لیے زمین کا ہر ذرہ اور آسمان کی ہر مخلوق چشم براہ ہے، آپ کی اولاد سے ہوگا۔ عبدالمطلب نے کہا ؎

بریں مژدہ گر جان فشانم رواست

ریگستان عرب میں یہود اور نصاریٰ قومیں بھی آباد تھیں۔ ان کے عالموں نے اپنی الہامی کتب توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کی آمد کی پیشین گوئیاں پڑھی تھیں۔ اور اب وہ لوگوں کو بشارت دے رہے تھے کہ عنقریب ہی ملک عرب میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کا دین تمام ادیان عالم پر غالب آجائے گا۔ اور قیامت تک اپنی ہمہ گیری اور غیر معمولی وسعت کی وجہ سے مقبول خاطر عوام و خواص ہوتا چلا جائے گا۔

شہنشاہ اور نبی:۔

حضرت عبدالمطلب کی زبان حقیقت ترجمان نے ایک دفعہ اپنے بیٹے حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ ایک دفعہ موسم زمستان میں ہم کو ملک یمن میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہم نے ایک عالم یہود کو دیکھا جو اپنی الہامی کتاب زبور کی تلاوت میں مصروف تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا قریش میں سے ہوں۔ اس نے پھر دریافت کیا

قریش میں سے کون ؟ میں نے جواب دیا بنی ہاشم - اس یہودی عالم نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے جسم کا کچھ حصہ دیکھوں ؟ میں نے کہا صرف وہ اعضائے جسمانی جن کے دکھلانے میں اخلاق اور شرم مانع ہیں چھوڑ کر آپ کو ہر حصہ دیکھنے کا اختیار ہے - اس یہودی عالم نے جو کاہن بھی تھا پہلے میرے ناک کا ایک سوت کھول کر دیکھا اور پھر دوسرا سوت دیکھا اور نہایت اطمینان و تسلی کے ساتھ کہا کہ تمہارے ایک ہاتھ میں ملک اور دوسرے میں نبوّت ہے تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی - آپ کے پوتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہنشاہ بھی تھے اور نبی بھی -

نورانی درخت :-

خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ابو طالب سے روایت ہے کہ والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب رضؓ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں خانہ کعبہ میں محو خواب استراحت تھا کہ میں نے ایک عجیب وغریب اور رنگین سراپا نور خواب دیکھا عالم بیداری میں آنے پر اس غیر معمولی خواب کی یاد سے میری روح پر لرزہ طاری ہو گیا - میں نے ایسا ہنگامہ خیز اور عظیم الشان خواب کبھی نہیں دیکھا تھا - اس خواب میں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ بطن زمین سے ایک نورانی درخت پیدا ہوا - اس کی شاخوں کی وسعت زمین سے آسمان تک تھی - تمام مشرق و مغرب کو اس کے طول و عرض نے ڈھانپ لیا تھا - اور ابھی اس کا طول و عرض و میدم ترقی پذیر تھا - اس کا پتہ پتہ روشن تھا - اس کی شاخ شاخ درخشاں تھی - ایسی تجلی اور تابانی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی جاتی تھیں - اس طوفان رنگ و نور کی طرف دیکھنا محال تھا - اس کی روشنی آفتاب عالمتاب سے ستر گنا زیادہ تھی - کبھی یہ رفیع الشان نورانی درخت میری نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتا تھا اور کبھی میری نگاہوں کو چکا چوند کرنے کے لیے پھر نمودار ہو جاتا ہے -

میں نے دیکھا کہ اس درخت کی شاخوں میں قریش کی ایک جماعت لٹک رہی ہے اور دوسرا گروہ قریش نیشہ و تبر لیے اس کی بیخ کنی کے درپے ہے - میں نے اس خواب کو جس کی

شانِ جلالت سے مجھ پہ رعشہ طاری ہو رہا تھا، بیداری کے بعد قریش کے ایک کاہن کے سامنے بیان کیا اور اس سے اس کی تعبیر چاہی۔

خواب کے سنتے ہی کاہن کا تو چہرہ ہی متغیر ہو گیا۔ اس نے کہا۔ اگر واقعی یہ خواب درست ہے تو تمہاری اولاد میں ایک ایسا جلیل القدر نبی پیدا ہو گا جس کا بصیرت افروز اور درخشاں پیغام کفر و باطل کی تاریکیوں کو اس طرح کافور کر دے گا جس طرح افقِ مشرق پہ طلوع ہونے والا آفتاب عالمتاب شب دیجور کی تیرگیوں کو۔ اس کے نورانی مذہب سے مشرق و مغرب روشن ہو جائیں گے۔ اور دنیا کی بڑی بڑی صاحبِ جاہ و حشم ہستیاں اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی۔

حضورؐ کے والدِ محترم

قریش کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر سردار عبدالمطلب کی شادی خانہ آبادی ایک عصمت مآب بی بی فاطمہ نامی سے ہوئی۔ زوجین کے گلشن محبت میں شگفتہ ہونے والے پھولوں اور کلیوں میں ایک پھول خاص طور پہ خوش نما اور حسین تھا۔ جس پہ سینکڑوں بلبلیں ہزار جان سے فریفتہ تھیں۔ یہ پھول حضرت عبداللہ رضؓ تھے۔ جن میں نورِ آسمانی حضرت عبدالمطلب سے منتقل ہوا تھا۔ آپ حضرت عبدالمطلب رضؓ کی اولاد میں سے سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔ قدرت نے آپ کو جمال ظاہری اور باطنی سے سرفراز اور مالا مال کرنے کے لیے اپنے تمام دہن بستہ خزانوں کے منہ بے دریغ کھول دیے تھے۔ حسن و جمال کی سحر آلود کشش ایک ایسا مسلمہ امر ہے جس کی تفصیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کے رنگ و شباب کی دلکشی اور انداز گفتار کی سحر کاری نے مقناطیس بن کر فولاد صفت لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ عرب کی حسین سے حسین عورت بھی جسے اپنے حسن و جمال پر سو سو ناز تھا آپ کی رفیق حیات بننے کو اپنے لیے باعث صد نازش و افتخار سمجھتی تھی۔

سینکڑوں عورتیں آپ کے عشق میں مضطر اور پریشان حال تھیں۔ جب آپ کا

نکاح بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی نورِ نظر سے ہو گیا تو بہت سی عورتیں ناکامی عشق کی وجہ سے قبل از وقت پیوند زمین ہوئیں۔

نورِ محمدی کے جلوے

حضرت عبداللہ نے اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا کہ جب میں جنگل اور بیابان کی طرف قدم پیما ہوتا ہوں تو میری پشت سے ایک نور اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ نکلتا ہے پھر اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک مشرق کی طرف چلا جاتا ہے اور دوسرا مغرب کی طرف۔ اس کے بعد یہ نور پھر یکجا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کرتا ہوا ایک بادل کی شکل میں صورت پذیر ہو جاتا ہے۔ اور مجھ پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ جب میں کسی سوکھے اور خشک درخت کے نیچے بیٹھتا ہوں تو وہ یکایک سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے اور اس کی گنجان شاخیں مجھ پر سایہ فگن ہو جاتی ہیں۔ جب میں قدرت کے اشارہ سے سرسبز ہونے والے اس درخت کے نیچے سے اُٹھ کر اپنی راہ لیتا ہوں تو پھر چشم زدن میں اس کی سرسبزی اور شادابی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہی پہلا سوکھا اور خشک درخت رہ جاتا ہے۔

عبدالمطلب رضؓ نے یہ حالات سن کر عبداللہ سے کہا کہ وہ نور بیتاب جس کے لیے دنیا بیتاب ہے اب تیری پشت میں جلوہ گر ہے اور میں تجھے یہ مژدہ جانفزا سناتا ہوں کہ وہ تیرے ذریعہ ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گا۔

اک یہودی کاہنہ :۔

ایک دن کہیں جاتے ہوئے حضرت عبداللہ کی ملاقات ایک کاہنہ یہودیہ سے ہوئی جس نے بہت سی ایسی کتابیں پڑھی تھیں، جن میں نبی آخر الزمان کی آمد کی بشارت دی گئی تھی۔ اس کاہنہ نے نورِ محمدی ﷺ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر دیکھا۔ تو نہایت ذوق و شوق اور فرطِ محبت سے آپ کی طرف راغب ہوئی۔ اور آپ کو سو اونٹ دے کر

اپنی طرف جھکانا چاہا۔ وہ چاہتی تھی۔ کہ میں امانت دار نور محمدی ﷺ بنوں اور رسول اللہ کی والدہ محترمہ ہونے کا شرف دنیا و دین میرے حصہ میں آئے۔ مگر حضرت عبداللہ نے اس کی پیش کش کو منظور نہ کیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ایک شریف اور با آبرو آدمی ہو کر میں کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جو میرے دین کے خلاف ہو اور نہ میری عزت و شرافت پہ کلنک کا ٹیکا لگائے۔

چنانچہ وہ یہودی کاہنہ مایوس و نا امید ہو کر چلی گئی۔ جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہو چکا اور حضرت آمنہ امانت دار نور محمدی ﷺ بن چکیں تو اتفاق سے اس کاہنہ یہودیہ سے حضرت عبداللہ کی پھر سر راہ ملاقات ہو گئی۔ اس نے آپ کی پیشانی پہ اک نگاہ غلط انداز ڈالی اور ایک سرد آہ بھر کر پاس سے گزر چلی۔ مگر حضرت عبداللہ نے دریافت فرمایا "وہ رنگین دام جو تو پہلے مجھ پہ ڈالتی تھی اب کہاں چلا گیا۔"

کاہنہ نے کہا "وہ کبھی کا ٹوٹ چکا تار تار ہو چکا۔ میں تیری پرستار نہ تھی۔ میں تو اس نور کی عاشق تھی جو تیری پیشانی میں ایک ستارے کی طرح درخشاں تھا اور جس کی روشنی اب جلد ہی مشرق و مغرب کو روشن کر کے چھوڑے گی۔ اب تیری پیشانی اس نور سے محروم ہو چکی ہے تو میرا دل بھی اس عشق جنون نواز سے محروم ہو چکا ہے" ؎

گیا اے ماہِ تاباں تو کدھر تھا | وہ جلوہ اب نہیں جو پیشتر تھا
بتا وہ نور ربانی کہاں ہے | جو پیشانی میں تیرے جلوہ گر تھا
کہاں وہ چاند پہنچا جس کے غم میں | کتاں کی طرح چاک اپنا جگر تھا
نہ تھی کچھ وصل کی تیرے تمنا | میرا دل مبتلا اس نور پر تھا
حسین و مہ لقا تو بھی ہے لیکن | میرا مطلوب وہ رشک قمر تھا
مجھے اس زلف و رخ سے ہو نہ نسبت | یہی نالہ میرا شام و سحر تھا
ہُما ہاتھوں میں آیا پھر گیا چھوٹ | یہ کیسا جذبۂ دل بے اثر تھا
مقدر میں تھا بی بی آمنہ کے | میری قسمت میں کب یہ گنج و زر تھا

عبث اس کاہنہ کا غم تھا بیدل
ہوا وہ حق کو جو مد نظر تھا

حضرت عبداللہ کا نکاح مبارک

حضرت عبداللہ کے نکاح مبارک کے سلسلہ میں بھی ایک عجیب و غریب روایت بیان کی جاتی ہے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ معصوم علیہ السلام کو جن کپڑوں میں شہید کیا گیا تھا وہ کپڑے اہل کتاب کے پاس موجود تھے۔ کتب آسمانی کے مطالعہ سے ان پر قدرت کا یہ راز منکشف ہو چکا تھا کہ اس شہید حق کے خون آلودہ کپڑوں پہ جب خون کے داغ تازہ ہو جائیں گے۔ تو اس نبی آخر الزمان کے والد محترم پیدا ہو جائیں گے جس کے دین کے بعد تمام دین منسوخ ہو جائیں گے۔ پس یہ لوگ اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے نبی آخر الزمان کے والد محترم ہی کو تیغ جوہر دار کے گھاٹ اتار دینے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ نہ خاتم النبیین پیدا ہوں گے نہ ہمارا دین منسوخ ہوگا مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ قدرت سے جنگ آزمائی کوئی معنے نہیں رکھتی۔ اور کہ ان کی معاندانہ اور سفاکانہ کارروائی کبھی عروس کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست

ایک دن حضرت عبداللہ جنگل میں سیر و شکار کی غرض سے تشریف لے گئے۔ دشمنوں نے موقعہ غنیمت جانا۔ نوے اشخاص کی ایک جمعیت خون آشام تلواریں نیام سے باہر کیے حضرت عبداللہ کو خاک و خون میں تڑپا دینے کے لیے آموجود ہوئی۔ اسی وقت بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بھی اسی جنگل میں شکار کھیل رہے تھے برق صفت روانی کے ساتھ ان کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ عبداللہ کی حمایت ضروری ہے۔ چنانچہ وہ فوراً آپ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اہل کتاب سے سفارش کر کے آپ کو ان کی خون آشام تلواروں کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ دشمنوں کی جمعیت حضرت عبداللہ کے سر پہ آپہنچتی اور برق خاطف کی طرح تلوار چمکا کر وہب بن عبد مناف درمیان میں آجاتے، پردۂ غیب سے ایسے لوگوں کا دستہ نمودار ہوا جو اہل دنیا سے کوئی مناسبت نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالا،

اور وہ صحیح سالم گھر پہنچے۔

اس حیرت انگیز واقعہ کی استعجاب انگیز نوعیت سے متاثر ہو کر وہب بن عبد مناف نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی نورِ نظر حضرت آمنہ کا دامن حضرت عبداللہ کے دامن سے باندھ دے۔

چنانچہ اس نے بہ عجلت تمام گھر پہنچ کر یہ عجیب وغریب واقعہ معہ اپنے فیصلہ کے سنا دیا اور آمنہ کی رائے اس نکاح کے بارے میں دریافت کی گئی۔ اس نے اشتیاق و آمادگی ظاہر کی تو حضرت عبداللہ کو پیغام بھیجا گیا۔ آپ نے اس پیغام کو شرفِ قبولیت بخشا تو وہب نے اپنے گھر پر آپ کو بلایا اور اپنی جگر گوشہ حضرت آمنہ کو آپ کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ انہی زوجین کے گلشن محبت میں وہ پھول کھلا جس کی نکہت سے شرق و غرب معطر ہو گئے۔

نور آسمانی بطن آمنہ رضؓ میں :۔

نکاح کی رسوم ادا ہو جانے کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنی عصمت مآب اور وفادار بیوی آمنہ کے پاس تین دن قیام کیا۔ ان دنوں میں ہی حضرت آمنہ امانت دار نور محمدیؐ ہو گئیں۔ اور انہی دنوں میں ہی حضرت عبدالمطلب نے خواب میں ایک سرخ درخشاں ستارہ دیکھا جو زمین کی پستیوں سے طلوع ہو کر آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کر گیا۔ اس کی روشنی تمام روشن و درخشاں ستاروں اور چاند پر غالب آگئی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تابانیوں سے مطلع الانوار بن گیا۔ اس کی روشنی دمبدم پھیل رہی تھی اور اس سے شرق و غرب روشن ہو رہے تھے۔

یہ خواب ایک معبر سے بیان کیا گیا تو اس نے یہ تعبیر دی کہ یہ روشن ستارہ وہ عظیم الشان نبی ہے جو حضرت عبداللہ کے ہاں پیدا ہو گا۔ جس کے دینِ ہدیٰ کے درخشاں اصول تمام ادیانِ عالم کو اپنی روشنی میں چھپا لیں گے اور اپنی ہمہ گیری اور دنیا کے مستقبل کی ضرورت کو پورا کرنے کی وجہ سے شرق و غرب میں مقبولیت حاصل کریں گے۔

نورِ محمدی کی برکاتِ عظیمہ

اہل عرب خشک سالی کی وجہ سے فاقہ مستی کر رہے تھے۔ اور جانکاہ مصائب میں مبتلا تھے۔ مگر نورِ محمدی ﷺ کے بطنِ آمنہ میں صورت پذیر ہوتے ہی ریگستانِ عرب کے باشندوں کے لیے ایک حیرت انگیز اور خوشگوار انقلاب واقع ہوا۔ نیلگون آسمان پہ گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور ایسی بارش ہوئی کہ چاروں طرف جل تھل کا عالم ہو گیا۔ درختوں کو خوب کثرت سے پھل آیا۔ کھیتوں میں غلہ افراط سے پیدا ہوا۔

اسی لیے عرب والوں نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج رکھا۔ یعنی فتح و نصرت اور عیش و مسرت کا سال ؎

تیرا شکر اے داورِ ذوالجلال — کہ آیا ہے برکت کا ان پہ یہ سال
ہوئی سبز و شاداب کھیتی تمام — رہا خشک سالی کا مطلق نہ نام
گئی قحط سالی ہوا فکر دور — لگے ہونے ہر گھر میں عیش و سرور
ہوئی بہرہ ور شاخِ اُمید دل — گئے ہر بشر کے کنول دل کے کھل
شگفتہ ہوا غنچۂ آرزو — جہاں میں ہوئی خرمی چار سو
ہوا رنج و غم اہلِ عالم سے دور — ہوئے شادمانی و عیش و سرور
چھلکنے لگا جامِ عیش و طرب — ہوئی دور کلفت خوشی کے سبب
چمن میں نسیمِ سحر ناز سے — لگی چلنے اترا کے انداز سے
فضائے چمن کی تھی دلکش پھبن — کہیں تھا گلاب اور کہیں نسترن
کھلے صحنِ گلشن میں چنپا کے پھول — ہوا بیدِ مجنوں کا سجدہ قبول
نکلنے لگا سبزہ آئی بہار — گل سیوتی تھا چمن کا سنگار
قبا سُرخ پھولوں نے کی زیبِ تن — بنی شاخِ گل بلبلوں کا وطن
خیاباں میں سنبل کو تھا پیچ و تاب — کھڑے تھے کہیں نرگس نیم خواب

لب جو مؤدب تھا سرو سہی! — پہن کر قبا مخمل سبز کی!
تھا جو بن پہ شمشاد اے ذی شعور — گل چاندنی پر برستا تھا نور
نرالی ادا سے تھی صف باندھ کر — روش کے کنارے جنا سبز تر
شعاعوں میں سبزہ پہ شبنم پڑی — تھی نظروں میں وہ موتیوں کی لڑی
تھے پھولوں پہ شبنم کے قطرے پڑے — ہوں یاقوت میں جیسے موتی جڑے
ٹہلتی تھی شوخی سے بادِ صبا — تھی کچھ اور ہی اس کے سر میں ہوا
اور اطراف عالم میں ابر بہار — برسنے لگا جھوم کر بار بار
بساط چمن میں تھا طوطی کا شور — اک انداز سے رقص کرتا تھا مور
تھی مرغان گلشن کی ایسی صدا — کہ ہر روح کو جس سے نشو و نما
مہکتی تھی خوشبو سے ساری زمین — زمین ہو گئی مثل خلد بریں
گلستاں میں لالہ تھا رنگین پوش — سناتا تھا عالم کو مژدہ سروش

کہ وہ رشک خورشید و دریتیم
ہوا آمنہ رضہ کے شکم میں مقیم

حضرت آمنہ رضہ کو فرشتوں کی بشارتیں:۔

جب وہ نور آسمانی جس کی جلوہ گری سے کسی دن مشرق و مغرب منور ہو جانے والے تھے شکم آمنہ میں مقیم ہوا تو جس طرف سے آپ گزرتی تھیں غیبی آوازوں کو سلام کرتے سنتی تھیں۔ کتب سیر میں یہاں تک لکھا ہے کہ شجر و حجر اور چرند و پرند تک اس مبارک ہستی کو جو حضرت آمنہ کے شکم میں مقیم تھی، سلام کرتے تھے اور حضرت آمنہ اپنے کانوں سے انہیں سنتی تھیں۔ بارہا آپ نے دیکھا کہ عالم خواب میں ایک نور آپ سے نکلا اور آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ پھر مشرق و مغرب کے تمام اقطاع پر چھا گیا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس سے چمک اٹھا۔ آپ کو حمل کے ایام میں کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوئی کہ جیسی دوسری حاملہ عورتوں کو ہوتی ہیں۔ بلکہ آپ رضہ کے یہ تمام ایام نہایت آرام و راحت

میں گزرے۔

ایک دفعہ عالم خواب میں ایک فرشتہ نے آپ کو بشارت دی کہ تیرا نور نظر ایک عدیم النظیر ہستی ہوگا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی۔ اس کا نام نامی احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا۔ اسی قسم کی خوشخبریاں سنتے سنتے آپ کے وہ ایام جو دوسری عورتوں کے لیے کافی تکلیف و اذیت کے ایام ہوتے ہیں بہار کے جھونکوں کی طرح اڑ گئے۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آفرینش کی صبحِ درخشاں

آخر وہ روز سعید اور مبارک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ بیتاب تھا۔ بہار ابھی کم سن تھی۔ باغ و راغ کے اندر قافلہ گل آ پہنچا تھا۔ حد نظر تک زمین کا دامن پھولوں سے پٹا پڑا تھا۔ نسیم خوشبو سے مہکی ہوئی تھی۔ کہ حضرت عبداللہ کے کاشانہ میں وہ ماہتاب طلوع ہو گیا جس کی ضیا پاشیوں سے شب دیجور کی تاریکیاں اسی طرح کافور ہو گئیں جس طرح اس کی علمی نور افشانیوں سے آگے چل کر جہالت کی تاریکیاں دور ہو جانے والی تھیں۔

صبح صادق کا وقت تھا۔ آفتاب عالمتاب ابھی افق عالم پر طلوع نہیں ہوا تھا کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے مبارک و مسعود نومولود کا مژدۂ جانفزا ابولہب کو سنایا۔ اس نے مسرت کے جوش میں آ کر اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ عبدالمطلب نے جب سنا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اپنے نور نظر حضرت عبداللہ کی محبوب یادگار کو دیکھنے کے اشتیاق نے بے تاب کر دیا۔ حضور انور ؐ کو ایک چادر اطہر میں لپیٹ کر آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ اس عظیم المرتبت بُت شکن کو گود میں اٹھا کر خوشی خوشی بتوں کا طواف کرانے کے لیے کعبۃ اللہ میں لے گئے۔ اس وقت قریش کے اس بزرگ حضرت عبدالمطلب کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرا ہو گا کہ اس وقت جس ننھی سی ہستی کو گود میں اُٹھا کر میں بتوں کے حضور اس کی درازیٔ عمر اور خوش حالی و فارغ البالی کے لیے دعا مانگنے آیا ہوں۔ سن بلوغت کو پہنچ کر وہی جہتم بالشان ہستی ان بتوں کی پرستش کے خلاف ایک ایسی انقلاب آفرین صدا بلند کرے گی جسے سن کر یہ سب بُت منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہنے لگیں گے۔

عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ:۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اس نومولود مسعود کی خوشی میں سرشار تھا۔ ملائکہ اہل زمین کو مبارک باد دینے کے لیے آسمان سے روح پرور پھولوں کی بارش کر رہے تھے۔ لیکن کاخ کسریٰ میں ایک زبردست زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ استخر کا مشہور آتش کدہ یکایک بجھ گیا۔ یہ اس انقلاب عظیم کی پیشگوئی تھی۔ جو اس جلیل القدر مولود کی حیات مطہرہ کے ساتھ وابستہ تھا۔ ایک مغربی فلاسفر کا قول ہے:۔

عظیم الشان واقعہ کا پیش خیمہ:۔

آپ کی صبح آفرینش والی رات شہاب ثاقب اس قدر ٹوٹے کہ لوگ حیرت اور خوف کے مارے گھروں سے باہر نکل آئے۔ قریش نے ولید بن مغیرہ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا جب شہاب ثاقب اس طرح ٹوٹا کرتے ہیں تو ضرور کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آیا کرتا ہے۔ یوسف یہودی نے کہا کہ وہ نبی آخرالزمان جس کی آمد خوش آئند کی بشارتیں آسمانی کتابیں دے رہی ہیں۔ آج کی رات منصۂ شہود پہ جلوہ گر ہو جائے گا۔ اسی طرح اور بہت سے حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ شکم مادر سے مختون پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے ساتھ کچھ آلائش بھی نہیں نکلی تھی۔

دعوت عقیقہ:۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح آفرینش کو چھ روز گذر چکے تو ساتویں روز آپ کے دادا عبدالمطلب نے نہایت شان و شوکت سے آپ کی پیدائش کی خوشی میں دعوت عقیقہ دی۔ اور آپ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا گیا۔ معزز مہمانوں نے بوڑھے سردار سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے خاندان کے مروجہ ناموں کو چھوڑ کر ایسا نام کیوں

رکھا ہے ؟ تو عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ میرا پوتا محمود الافعال اور حمید الصفات ہو۔ اور ایک دنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ تاریخ اس بات پر شاہد عادل ہے کہ عبدالمطلب کی تمنائیں اپنی توقع سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر بر آئیں۔ اور اس مولود مسعود نے اپنے پاکیزہ خصائل اور بصیرت افروز تعلیم سے اک دنیا سے خراج تحسین ہی نہیں بلکہ خراج عقیدت وصول کر لیا۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام بشارت کی بنا پر احمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا تھا۔ اس طرح محمد ﷺ (مصطفیٰ) اور احمد ﷺ (مجتبیٰ) دونوں آپ کے ذاتی نام ہیں۔

دعوتِ عقیقہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک محفل ہستی ہونے کے پہلے دو تین دن تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر یہ شرف ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ کو عطا ہوا۔ حضور انور ﷺ کے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے آپ آمنہ کے لال ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے۔

شمعِ ہدایت کاشانہ حلیمہ رضی اللہ عنہا میں :۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت عقیقہ کے بعد قوم ہوازن کے قبیلہ سعد کی ایک عورت حلیمہ کے کاشانہ کو اپنے نور سے منور فرمایا۔

میرے خیال ناقص میں عرب اپنے ایام جاہلیت میں اپنے بچوں کی صحت جسمانی کی طرف خاص توجہ مبذول کرنے کے اعتبار سے موجودہ دور کے متمدن اور مہذب ہندوستان سے کہیں افضل تھا۔ قدیم ایام سے شرفائے عرب میں دستور چلا آتا تھا۔ کہ اپنے بچوں کو ان کی پیدائش کے چند روز بعد ہی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیتے تھے تاکہ صحرا کی صحت بخش کھلی ہوا میں نشو و نما پائیں۔ علاوہ ازیں ایام جاہلیت کا عرب زبان کی فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

مناظر فطرت کے درمیان اپنی زندگی کے ایام گزارنے والے بدوی اپنے کلام کی فصاحت کے لیے شہر کے باشندوں سے بھی گوئے سبقت لے گئے تھے۔ اس لیے امرائے عرب کا یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ صحت جسمانی کے علاوہ بچہ کی دماغی قوتیں بھی پورے طور پر بدوی عورتوں کی آغوش میں پرورش پا سکیں گی۔ اور ان کی زبان کو فصاحت کی چاٹ لگ جائے گی۔

اسی قدیم قابل رشک رواج کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیے گئے۔ تاکہ مناظر فطرت کے درمیان صحرا کی گل پاش نسیم میں آپ کی صحت جسمانی قابل رشک بن سکے اور آپ کی زبان مبارک پر بدوؤں کی فصیح زبان کے الفاظ چڑھ جائیں۔

حلیمہ سعدیہ رض:۔

بدو عورتیں اکثر شہروں میں آتی رہتی تھیں۔ تاکہ نومولود بچوں کو پرورش کے لیے لے جائیں حضور انور ص کی ولادت باسعادت کے چند یوم بعد چند بدوی عورتیں مکہ میں آئیں اور حضور انور ص کو یتیم سمجھ کر لے جانے میں کچھ تامل کیا۔ کیونکہ ان کی آنکھوں پر طمع نے ٹھیکری باندھ دی تھی۔ ان کو ایک یتیم بچے کی پرورش کے عوض کسی گراں قدر معاوضہ اور بیش قدر انعام کی توقع نہ تھی۔ وہ نہ جانتی تھیں کہ اس ننھی سی ہستی کے قدموں پر دین و دنیا کی برکتیں نثار ہوتی ہیں اور اس کی پرورش کے ساتھ رحمت خداوندی بھی ان کے شامل حال ہو جائے گی۔ آخر ایک عورت حلیمہ نے حضور انور ص کو لے جانے کا شرف حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ کیونکہ اسے شہر میں کسی اور امیر شخص کا لڑکا پرورش کے لیے نہ مل سکا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ میں جب اس مبارک ہستی کو دیکھنے کے لیے گئی جس کی عظیم المنزلت شخصیت کا مجھے خواب میں بھی علم نہ تھا۔ تو آپؐ ایک چادر میں لپٹے ہوئے محو خواب ناز تھے۔ میں نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو آپ نے اپنی ننھی ننھی آنکھیں جن کی گہرائیوں میں ایک دلکش اور سحر کار چمک تھی، وا کر دیں۔ آپ کے لبوں پر ایک دلربا اور دلفریب تبسم کھیلنے لگا۔ یہ دیکھ کر میری روح پر ایک عجیب و غریب مسرت کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے آپ کی پیشانی مبارک پر جس میں سعادت انسانی اور قوت روحانی

کاایک درخشاں ستارہ چمک رہا تھا، ایک محبت بھرا بوسہ دیا۔ اور آپ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا لیا۔ اس چاند سی صورت نے میرا من موہ لیا تھا اور میں اس کی پرورش کو اپنی مسرت کا سرمایہ کمال سمجھنے لگی تھی۔

بُت شکن پیغمبر بتوں کے حضور میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب اپنے جگر گوشہ حضرت عبداللہ کی محبت بھری یادگار کو گود میں اٹھائے ہوئے حلیمہ سعدیہ کو ہمراہ لے کر کعبۃ اللہ میں جسے قریش مکہ نے اب بیت الاصنام بنا چھوڑا تھا، پہنچے۔ اور بتوں کے حضور آپ کی درازی عمر کی دعا مانگی پھر ان بے جان پتھر کے بتوں کو شاہد عادل بنا کر حلیمہ سے آپ کی پوری پوری حفاظت کا عہد و پیمان لیا۔ اور اس خوش قسمت بدوی عورت کی گود میں دنیا کی یہ عظیم الشان اور رفیع المرتبت ہستی دے دی گئی۔

انسان کی نگاہیں مستقبل کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہیں حضرت عبد المطلب کو خواب میں بھی اس بات کا یقین نہ ہوگا کہ یہ ننھی سی ہستی جسے میں آج بتوں کے حضور میں لے کر ان سے اس کی درازی عمر کی دعا مانگ رہا ہوں، اور جن کو گواہ کر کے اسے میں حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر رہا ہوں کسی دن انہی بتوں کی پرستش کو انسانی حماقت کا ایک نہایت افسوسناک مظاہرہ بتائے گی۔ اور رہا ہے یہ مخلوق خداوند اس کی ایک جنبش نگاہ سے سرنگوں ہو جائیں گے۔

رحمت خداوندی کی پہلی جھلک:۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حلیمہ سعدیہ نے گود میں اٹھایا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے اسے بتایا کہ یہ ننھی سی ہستی کسی دن تاریخ عالم کی ایک جلیل القدر شخصیت بننے والی ہے تم اس کی پرورش خوب اچھی طرح سے کرو پردہ غیب سے تمہاری محنت کا معاوضہ تمہاری توقعات سے کہیں بڑھ کر ملے گا۔ اس وقت تو شاید حلیمہ کو ان حقیقت نواز الفاظ

کی صداقت کا یقین آیا یا نہیں۔ لیکن جب وہ آپ کو گود میں لیے اپنے گھر کو پلٹ رہی تھیں تو راستے میں اُسے رحمت خداوندی کی پہلی جھلک نظر آگئی اور اسے یقین ہو گیا کہ بلا شبہ یہ چاند سی صورت کسی دن دنیا کے آسمان شہرت پہ چاند بن کر ہی چمکے گی۔

حلیمہ کہتی ہے کہ میری سواری کا جانور بالکل مریل سا تھا۔ اور سب عورتوں کی سواریوں سے پیچھے رہتا تھا۔ لیکن جب حضور انور ؐ کو گود میں لے کر میں اس پہ بیٹھی تو خبر نہیں کہاں سے اس میں طاقت آگئی۔ اس کے قدموں میں ایسی سرعت پیدا ہو گئی کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ تعجب انگیز بات دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آمنہ کے الفاظ صداقت سے لبریز تھے۔

دوسری جھلک:۔

حضور انور ؐ کو اپنی شمع وجود سے حلیمہ رض کا تاریک گھر منور کیے ابھی چند روز بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اس کے گھر کے حالات میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ پہلے حلیمہ اور اس کا شوہر باوجود اپنا پسینہ بہانے کے بھی تنگی اور عسرت میں بسر کرتے تھے۔ یا اب یہ حال ہو گیا کہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو سونا ہو جاتی تھی۔ ہر طرف خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا۔ بکریاں اس قدر دودھ دینے لگیں کہ سب سیر ہو کر پیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر گاؤں کے دوسرے لوگ بھی اپنے چرواہوں پہ زور دینے لگے کہ تم بھی اپنی بکریاں اسی چراگاہ میں لے جایا کرو جس میں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔

کچھ تو حضور انور ؐ کی صورت ہی من موہنی تھی۔ اس گلدستہ جمال اس پیکر حسن کو دیکھ کس کے دل میں محبت کے جذبات نہ پیدا ہو جاتے اس حسن و جمال پر مستزاد یہ کہ آپ کی تشریف آوری سے حلیمہ کے گھر کی کایا ہی پلٹ گئی۔ اس لیے گھر بھر آپ کا گرویدہ ہو گیا آپ کی خاطر داری اور پرورش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا جانے لگا۔

زبان مبارک پر توحید پرور کلمات:۔

جب آپ اس قابل ہوئے کہ زبان مبارک سے اپنے شیدائی پرورش کرنے والوں کی مسرت میں اضافہ کرنے کے لیے کچھ ارشاد فرما سکیں تو سبحان اللہ اور اللہ اکبر کے توحید پرور کلمات کو آپ کا ورد زبان پایا گیا۔ جب ذرا اور ہوش سنبھالا تو جس وقت کھانا تناول فرمانے لگتے یا کوئی اور کام شروع کرنے لگتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور پڑھ لیتے۔ آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے اس چھوٹی سی عمر میں ایسے کلمات کا نکلنا آپ کی روح کی رفعتوں پر دال ہے۔

پرورش کرنے والوں سے محبت:۔

حضور انور ﷺ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ رضؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ یہاں تک کہ منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد جب حلیمہ ایک دفعہ آپ کو ملنے آئی تو آپ جوش مسرت میں بے خود ہو کر آپ کے استقبال کو دوڑے اور فوراً اپنی چادر آپ کے بیٹھنے کے لیے بچھا دی۔ اس کے بعد ایک دفعہ کسی جنگ میں قبیلہ بنی سعد کے بہت سے آدمی گرفتار ہو کر آئے تو حضور انور ﷺ نے حلیمہ کی سفارش پر ان سب کو رہا کر دیا۔ عہد طفولیت کے اوائل میں بھی جب آپ کاشانۂ حلیمہ میں پرورش پا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حلیمہ کو کبھی شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ بلکہ اپنے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ نے ان کے تمام خاندان کے لوگوں کے دل میں محبت کا ایسا گہرا نقش پیدا کیا کہ ان کو آپ کی دم بھر کی جدائی شاق ہو جاتی تھی۔ آپ نے اپنی بھولی بھالی لیکن حقیقت پرور باتوں اور محبت بھرے دل سے ان کے دل اپنی مٹھی میں لے لیے تھے۔ اپنے رضائی بھائی اور بہن سے آپ کو از حد محبت تھی اور کبھی ان کا دل میلا نہ کرتے تھے۔

حلیمہ سال میں دو دفعہ آپ کو مکہ معظمہ لاتی اور آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ کی جدائی کی آگ ٹھنڈی کر جاتی تھی۔

ابرِ رحمت کی جلوہ افگنی :۔

جب آپؐ حلیمہ رض کے کاشانہ کو اپنی شمع وجود سے منور فرما رہے تھے تو آپ کے تعلق میں بہت سی عجیب و غریب باتیں اور مافوق العادت واقعات ظہور میں آئے جنہوں نے دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں ہونے پر مجبور کر دیا۔

ایک روز آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ہمراہ کہیں باہر نکل گئے حلیمہ کو آپ کی عدم موجودگی کا پتہ چلا تو بہت گھبرائی۔ اور فوراً آپ کی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ آپ اپنی بہن کے ساتھ گھر کو تشریف لاتے ہوئے ملے۔ حلیمہ کی جان میں جان آئی اور اس نے شیما کو بہت ڈانٹا کہ تو اس پھول سے بچے کو دھوپ میں کیوں لے کر آئی؟ شیما نے کہا کہ اماں جان! ہمیں تو ذرا بھی دھوپ نہیں لگی۔ ہم جس طرف جاتے تھے ایک ابر ہمارے سر پر سایہ کیے رہتا تھا۔ حلیمہ کو یہ سن کر زیادہ تعجب نہیں ہوا۔ وہ پہلے بہت سے ایسے عجیب و غریب واقعات آپ کے تعلق میں دیکھ چکی تھی اور جانتی تھی کہ یہ ننھی سی ہستی کسی دن دنیا کی ایک جلیل القدر ہستی بننے والی ہے اور رحمت خداوندی اس کے شریک حال ہے۔

شق الصدر کا ہنگامہ خیز واقعہ

آپ کے حلیمہ کے خاندان کے دوران قیام میں ہی شق الصدر کا ہنگامہ خیز واقعہ پیش آیا جس نے ایک دفعہ تو حلیمہ ایسی تجربہ کار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب حالات سے واقف عورت کو بھی سراسیمہ کر دیا۔

جب آپؐ نے ہوش سنبھالا تو آپ اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ بکریاں چرانے کے لیے جانے لگے۔ حلیمہ بہت روکتی رہی مگر اس سعادت مند بچے نے اصرار کیا کہ اماں جان! مجھے بھی کچھ تو خدمت ادا کرنے دو۔ سیر و تفریح بھی ہو جایا کرے گی اور کام بھی ہوتا رہے گا اس وقت آپ کی عمر چار یا پانچ سال سے متجاوز نہ تھی۔

جملہ معترضہ :-

قارئین کرام اتنی چھوٹی سی عمر میں اس ہونے والی عظیم الشان ہستی کی ایسی علوہمتی کو مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھیں۔ راقم الحروف کو اپنی گزشتہ زندگی پہ طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد کئی ایسے واقعات یاد آجاتے ہیں جو اس کی تین یا چار سال کی عمر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن میں وہ کئی بڑے بڑے کاموں میں والدین کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ یہ تو ہم پست ہمت اور سست روحوں کی باتیں ہیں۔ ورنہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی نادرہ روزگار ہستیاں اس عمر میں بھی ماقوق البشری کمالات کا اظہار کریں تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔

مشہور ہندو مصلح شنکر آچاریہ نے اپنی آٹھ سال کی عمر میں چاروں ویدوں کو پڑھ کر ان کی فلاسفی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ دس سال کی عمر میں ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی ہندوؤں کا پنڈت ایسا نہ تھا جو اس نو عمر عالم کے ساتھ بحث و مباحثہ کر کے اس پہ فتح حاصل کر سکے۔ بات یہ ہے کہ یہ نادرہ روزگار ہستیاں مبدۂ فیاض سے دل و دماغ کی غیر معمولی قوتیں لے کر آتی ہیں۔

دو سبز پوش :-

ایک دن آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ دامن کوہ میں بکریاں چرانے میں مصروف تھے کہ ناگاہ دو سبز پوش انسان نمودار ہوئے اور آپ کو اٹھا کر کلہ کوہ کی طرف لے گئے۔ آپ کا رضائی بھائی سراسیمہ ہو کر گھر کی طرف بھاگا۔ اور کہا کہ دو سبز پوش انسان ہمارے مکی بھائی کو اٹھا کر کلہ کوہ کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ حلیمہ کے پاؤں تلے سے گویا زمین نکل گئی بدحواس ہو کر دوڑی۔ اس کا شوہر حارث بن عبداللہ امی اور بنی سعد کے کئی اور لوگ بھی گھبرا کر دوڑے۔ جب دامن کوہ میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور انور ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ صحیح و سالم کھڑے ہوئے کسی گہرے خیال میں مستغرق ہیں۔ حلیمہ اور دوسرے لوگ آپ کے قریب پہنچے

تو ایک مشکبار خوشبو نے ان کا خیر مقدم کیا۔ حلیمہ نے دوڑ کر اس چاند کے ٹکڑے کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا اور حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ "دو سبز پوش انسان مجھے یہاں اُٹھا لائے اور میرا سینہ چاک کر ڈالا۔ مگر مجھے ذرا بھر بھی درد نہیں ہوا۔ میرے دل کو پہلو سے نکال کر انہوں نے ایک سونے کے طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا پھر اٹھا کر میرے پہلو میں رکھ دیا۔ اور میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور پھر آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔" حلیمہ نے قمیص کا دامن اٹھا کر آپ کا سینہ مبارک دیکھا زخم کا کوئی نشان نہ تھا۔

موجودہ دور کے ہندوستان کے دیہاتی باشندوں کی طرح جاہلیت کا عرب بھی توہمات باطلہ اور اوہام خود ساختہ کا شکار تھا۔ توہم پرست لوگوں نے جب شق الصدر کا واقعہ سن پایا تو حلیمہ کے دل پر یہ بات نقش کر دی کہ یہ عجیب وغریب واقعہ یا تو کسی زبردست جن کی مافوق البشری قوتوں کا ایک کرشمہ ہے یا کسی ساحر کی سحر کاری کا نتیجہ۔ لہذا ضروری ہے کہ تم اس لڑکے کو کسی کاہن کو دکھاؤ۔

عورت فطرتی طور پر بھی کچھ توہم پرست ہوتی ہے اور پھر جاہلیت کے عرب کی ایک بدوی عورت کب تک لوگوں کی باتوں میں نہ آتی۔ اس نے بھی ضروری خیال کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کاہن کے پاس لے چلے اور تمام واقعہ من وعن سنا کر اس آسیب کے خلل کا علاج دریافت کرے۔

کاہن کی بدحواسی:۔

توہم پرستی کا شکار بن کر حلیمہ سعدیہ حضور انور کو گود میں لے کر ایک مشہور کاہن کے پاس پہنچی اور شق الصدر کا حیرت خیز واقعہ اول سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ کاہن نے حضور انور کی مبارک پیشانی میں جب روحانی نور کی درخشانی دیکھی تو سٹ پٹا گیا۔ اس نے بہت سی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی آمد کی بشارتیں اور اس کے چہرے مہرے کی نشانیاں پڑھی تھیں اس علم کی بنا پر اس نے اس ننھی سی ہستی میں وہ عظیم المرتبت شخصیت دیکھ لی جو

دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب کا باعث ہونے والی تھی۔

کور باطن اور متعصب کاہن نے چشم تصور میں صنم پرستی کی دھجیاں اُڑتی دیکھیں عرب کے جہالت پر مبنی مذاہب کا شیرازہ بکھرتا دیکھا تو وہ اس حیرت آفرین انقلاب کو بھی جو ان کی بہتری پر مبنی تھا۔ برداشت نہ کر سکا۔ جب انسان کی ذہنیت غلامانہ بن جاتی ہے تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دینے لگتا ہے۔

دین صنم پرستی کے قصر باطل کی اینٹ سے اینٹ بجنے کا نظارہ کاہن کی چشم تصور نے دیکھا تو اس کی روح لرزہ براندام ہو گئی۔ اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ پکڑ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

"لوگو! دوڑو۔ اس بچے کو قتل کر ڈالو۔ اسے ایک ننھی سی ہستی نہ سمجھو۔ یہ بڑا ہو کر ہمارے دین و مذاہب کی بنیادیں ہلا دے گا۔ یہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی بننے والا ہے جس کے سامنے پھر کسی کی مخالفت کی پیش نہ جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اسے ابھی سے تیغ کے گھاٹ اتار دیا جائے"

حلیمہ نے جب اس قسم کی ظالمانہ گفتگو سنی تو غصے سے اس کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے اس نے بجلی کی طرح گرج کر کہا:۔

"چھوڑ ظالم میرے بچے کا ہاتھ چھوڑ دے۔ ستم گر یہ تو ہم سے کب کی دشمنی نکالنے لگا ہے۔ خدا غارت کرے تجھے موذی"

حلیمہ کاہن کو ڈانٹ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لے کر فرط محبت سے آپ کا منہ چومتی ہوئی گھر آ گئی اور اس بات کو دل سے نکال دیا۔ کہ نعوذ باللہ کسی آسیب کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلل ہو گیا ہے۔

ان کی ہستی خود واقع وبا ہے:۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر چار سال کے قریب ہو گی کہ حلیمہ کے گاؤں کے اردگرد کے علاقوں میں وبا پھیلی۔ سب نے حلیمہ کو یہی مشورہ دیا کہ ایسے حالات میں محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہاں رکھنا اچھا نہیں ہے۔ ان کو ان کی ماں کے حوالے کر آؤ۔

حلیمہ نے اس مشورہ پر عمل کیا اور حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ "علاقے میں وبا پھیل رہی ہے۔ اس لیے میں تیرا لعل تیرے حوالے کرنے آئی ہوں" یہ کہا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ آمنہ نے کہا "حلیمہ! تو اس بچہ کو نہیں جانتی۔ اس کی ہستی وہ واقع ہوا ہے۔ اس پر کسی وبا کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اسے صحرا کی کھلی ہوا میں لے جا اور وہیں پرورش کر" محبت کے اندھے جذبات سے مغلوب ہو کر میں اپنے جگر گوشہ کی صحت جسمانی کی طرف سے لاپروا نہیں ہونا چاہتی۔

چنانچہ حلیمہ پھر آپ کو واپس لے آئی اور دیہات کی کھلی ہوا میں آپ نے ایک سال اور حلیمہ کے زیر سایہ محبت پرورش پائی۔ اس کے بعد آپ اپنی حقیقی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی آغوش محبت میں چلے گئے۔

حضورِ انورؐ آغوشِ مادر میں

حضور انورؐ نے اپنی حیات طیبہ کے ابتدائی ایام کی پانچ بہاریں حلیمہ کے زیر محبت صحرا کی لطافت بار اور صحت بخش نسیم میں دیکھیں۔ اس کے بعد آپ آغوش مادر میں آئے۔ حضرت آمنہ کے شوہر حضرت عبداللہ ان ایام میں ہی راہ گرائے عالم جاودانی ہو چکے تھے۔ جب حضور انورؐ ابھی ان کے بطن مبارک میں تشریف فرما تھے یہی چاند سی صورت اب اس محبت اور مسرت کے دور کی شبیہ میں یادگار تھی جو کسی وقت لافانی معلوم ہوتا تھا۔ مگر جس کے تار و پود موت ظالم موت نے بکھیر دیے تھے۔

خاوند کی فرقت کی آگ کے شعلے حضرت آمنہ کے وفاشعار اور فداکار دل میں ہمیشہ بھڑکتے رہتے تھے۔ لیکن لافانی محبت کی اس لافانی یادگار نے حضرت عبداللہ کی اس تصویر پر جو حضرت آمنہ کی چشم تصور میں چلتی پھرتی نظر آتی تھی اور کبھی گہرے نقش و نگار کندہ کر دیے۔ اور وہ خاموش آگ جو ایک ہنگامہ خاموش کی طرح اس کے دل کی گہرائیوں میں سلگ رہی تھی اب پورے جوش و خروش سے روشن ہو گئی۔

محبوب شوہر کی آخری آرام گاہ :۔

ایک سال اپنی تمام تپش سامانیوں اور سیماب وش بے قراریوں کے ساتھ گزر گیا حضرت آمنہ نے محسوس کیا کہ اب اس فرقت کی آگ کے شعلوں کو سینے میں دبائے رکھنا ناممکن ہے۔ اس لیے آپ نے اپنے محبوب شوہر کی آخری آرام گاہ پر اپنی وفاشعار شبنم بن کار اور لافانی محبت کے آنسوؤں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے مکہ سے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا کہ شاید اسی طرح دل کی تڑپ کو کچھ تسکین ہو سکے۔ اس سفر میں حضور انور آپ کے ہمراہ تھے۔

خوں گشتہ تمناؤں کا خون آنکھوں کی راہ :۔

حضرت آمنہ فرقت زدہ، دل ریش اور جگر فگار حضرت آمنہ جس کا سہاگ لٹ چکا تھا، جس کی وفاشعار، فداکار اور شیریں کار جوانی کی محبت کرنے اور محبت کیے جانے کی تمنائیں موت کی ٹھوکروں سے پامال ہو چکی تھیں، اپنے سینہ کو غمہائے پنہاں کا دفینہ اور دل کو رنج والم کا مخزن بنائے اپنے محبوب شوہر کی قبر پر اپنے جگر گوشہ کو سینہ سے چمٹائے پہنچیں۔ اس وقت آپ پر حسرت دیاس بے کسی اور سوگواری کا جو دل فگار عالم طاری تھا۔ زبان قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ آپ کی آنکھوں سے خونیں آنسوؤں کا ایک دریا جاری تھا۔ دل تڑپ کر پہلو سے باہر نکل آنا چاہتا تھا اور اسی قبر کی آغوش میں ابدی آرام حاصل کرنے کا تمنائی تھا۔ حضور انور بھی اشکبار تھے اور دیر تک اپنے والد بزرگوار کے مزار پر سوگوار کھڑے رہے۔

یہ پہلی گھڑی تھی جب اس ننھی سی ہستی نے جو آگے چل کر یتیموں کا ملجا و ماویٰ بننے والی تھی باپ کی جدائی کو محسوس کیا۔ یہ پہلی ساعت تھی جب کہ اس دل نے جس کی نامحدود وسعتوں میں دنیا کے اطمینان قلب کے ہزاروں سامان چھپے ہوئے تھے غم کی آتش اندوزیوں میں گھر کر سوز و ساز زندگی سے آشنائی حاصل کی، اور یہ پہلا لمحہ تھا جب ان آنکھوں نے جن میں دنیا کو نشاط و شادمانی کا فردوس زار بنا دینے کا پیام انقلاب آفریں پوشیدہ تھا۔ اپنی خوں فشاں اشک باریوں سے ریت کے ذرات کو لالہ فام بنایا۔

حضرت آمنہ شوہر کی خدمت میں :۔

حضرت آمنہ نے ایک مہینہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، ہر روز اپنے جگر گوشہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمراہ لے کر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے اور اس پر اپنے اشک محبت کی نیاز چڑھانے جاتی رہیں اس کے بعد مکہ معظمہ کو لوٹ پڑیں، مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ اس یتیم کی جسے کسی وقت کس بے کساں اور والی یتامیٰ بننا تھا، یہ پرورش کا گہوارہ حضرت آمنہ کی آغوش محبت پر ورہی رہے۔ اس لیے راستہ میں ابواء کے مقام پر آپ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے پیارے شوہر سے جا ملیں۔ زندگی نے اس تشنۂ کام محبت روح کو اپنے پیارے خاوند کی آغوش دل کشا سے محروم رکھا تھا لیکن موت ایک دیوار آہن بن کر اس کی محبت کے درمیان حائل نہ ہو سکی۔

حضور انورؐ دادا کی کفالت میں

وہ جو یتیم تھا اب یتیم الطرفین ہو کر اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں آیا۔ عبدالمطلب نے اس خوشگوار بوجھ کو اپنے سر لیا اور ان تمام فرائض کو جو ان پر اس صورت میں عائد ہوتے تھے بطریق احسن پورا کیا۔ حضور انورؐ نے بھی اپنے پاکیزہ اخلاق اور اپنی دلکش صفات سے اپنے دادا کے دل میں گھر کر لیا۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب اپنی خاص مسند پر جس پر ان کے اپنے لڑکوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت نہ تھی، حضور انور کو تشریف رکھنے سے منع نہ کرتے تھے اور ہر طرح آپ کی خوشنودی کو مدنظر رکھتے تھے۔

ان ایام میں بھی آپ کے تعلق میں بہت سی حیرت انگیز باتیں ظہور میں آئیں جنہوں نے آپؐ کے خاندان کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور بزرگی کا نقش نقش فی الحجر کر دیا۔ متعدد واقعات میں سے ایک حیرت انگیز واقعہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

معدن شفاء :۔

جب آپ عبدالمطلب کے زیر سایہ محبت پرورش پا رہے تھے تو ایک دفعہ آپؐ بعارضہ

سد چشم بیمار ہو گئے۔ عبدالمطلب کو لوگوں نے بتایا کہ عکاظ بازار کے قریب ایک کہن سال تجربہ کار، جہاں دیدہ اور شب زندہ دار راہب رہتا ہے۔ تم اس کے پاس اپنے پوتے کو لے جاؤ اور اس سے اس کا علاج پوچھ آؤ۔

عبدالمطلب نے اس مشورہ پر عمل کیا اور حضور انور کو گود میں لے کر عکاظ بازار کی طرف چل پڑے۔ سرِ شام وہاں پہنچے۔ لوگوں سے راہب کا پتہ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک ایک سال تک مکان کے اندر بند رہتا ہے اور عبادت کرتا ہے۔ جب حضور انور کو گود میں اٹھائے ہوئے راہب کے مکان کے سامنے پہنچے تو واقعی مکان کو بند پایا لیکن چند ثانیہ بعد ہی راہب گھبرایا ہوا باہر نکلا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ عبدالمطلب کو دیکھ کر آپ کے پاس آیا اور حضور انور کو بہ نظر عمیق دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کس کے نورِ چشم ہیں؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میرے پوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ میں معالجہ کی غرض سے ان کو تمہارے پاس لایا ہوں۔ راہب نے کہا آپ اپنے نورِ چشم کو ایک ایسے شخص کے پاس لائے ہیں جو خود طالب علاج ہے۔ آپ ان کی شان عظمت سے واقف نہیں ہیں۔ ان کا دہن مبارک خود چشمۂ شفا ہے۔ انھیں کا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگائیے پھر اس کے معجزانہ اثر کو دیکھیے۔

آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے خاندان میں ایک ایسی جلیل القدر ہستی کی پیدائش ہوئی ہے جس کی انقلاب آفرین صدا سے مشرق سے مغرب گونج اٹھیں گے اور دین و دنیا کی برکتیں جس کے قدموں کی خاک میں لوٹنے والوں کے قدموں میں لوٹیں گی۔

جب آپ تشریف لائے میں مصروف عبادت تھا۔ کہ یکایک مکان میں ایک ایسا زلزلہ آیا کہ اگر میں باہر نہ آتا تو شاید چھت کے نیچے دب کر مر جاتا۔ یہ واقعہ ان کی حیرت انگیز بزرگی کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے راہب سے رخصت طلب کی اور اس کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضور انور کا لعاب دہن ہی آپ کی آنکھوں میں لگا دیا جس سے ایک ہی رات میں افاقہ کی صورت پیدا ہو گئی۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات:۔

قدرت کو ایک دفعہ پھر ایک یتیم الطرفین کی آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرنا منظور تھا اس لیے

حضرت عبدالمطلب بھی حضور انور کو اپنی آغوش تربیت میں لینے کے دو سال بعد ہی راہ گرائے عالم بقا ہو گئے۔ حضور انور آپ کے جنازے کے ساتھ تھے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا اور دل آتش فرقت سے شعلہ زار غم بنا ہوا تھا۔

چچا کی آغوشِ کفالت میں :۔

جب حضرت عبدالمطلب بستر علالت پر دراز تھے اور اپنی دنیوی زندگی سے مایوس و ناامید ہو چکے تھے۔ تو آپ نے اپنے ایک بیٹے ابوطالب کو بلایا اور حضور انور کی پرورش اور تربیت کا فرض اس پر عائد کرتے ہوئے وہ تمام ضروری ہدایات دیں جن پر آپ کا کفیل ہونے کی صورت میں اسے عمل پیرا ہونا ناگزیر تھا۔

حضرت عبدالمطلب کثیر اولاد تھے۔ مگر یہ نفسیاتی حقیقت ان سے پوشیدہ نہ تھی کہ عموماً جتنا قریبی اور نزدیکی رشتہ ہوتا ہے اتنا ہی ضروری محبت کا جوش زیادہ ہوتا ہے اس لیے انھوں نے آپ کے حقیقی چچا اور آپ کی کفالت کے لیے منتخب فرمایا۔

حضرت عبدالمطلب کی حرم سرا میں کئی بیویاں تھیں اور حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب ایک ہی عورت کے پیٹ سے تھے۔

حضرت ابوطالب کی شفقت بزرگانہ قابل داد ہے کہ آپ نے حضور انور کا کبھی دل میلا نہ ہونے دیا جو وعدہ آپ نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے باپ سے کیا تھا اُسے کبھی گلدستہ طاق نسیان نہیں بنایا بلکہ اپنے الفاظ کو شرمندہ عمل بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ حضور انور کی پرورش و تربیت کو اپنے فرائض زندگی اور مقاصد حیات کا ایک جزو اعظم قرار دے لیا۔ اور واقعات شاہد ہیں۔ کہ آپ نے اس قرارداد کو بدرجہ احسن پورا کیا۔

سفر شام :۔

بھولے پن اور معصومیت کی لالہ زار وادیوں سے ہوش و خرد اور عقل و دانش کی منزلوں کی طرف قدم فرسا ہونے کے بعد حضور انور کا یہ پہلا سفر ہے جس سے آپ اپنے شفیق چچا ابوطالب کی معیت میں

لطف اندوز ہوئے۔ تجارتی کاموں کے سلسلہ میں حضرت ابوطالب کو شام کی طرف جانے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ کیونکہ مکہ معظمہ کے باشندوں کے تجارتی تعلقات زیادہ تر اہل شام ہی سے تھے۔

حضورؐ انور کے ان کی کفالت میں آنے کے بعد ایک دفعہ ان کو سامان تجارت لے کر شام کی طرف ایک قافلہ کے ہمراہ جانا پڑا مگر حضورؐ انور کا اثر پذیر دل اس عارضی جدائی کے تصور ہی سے لرز گیا۔ آپؐ اس شفیق ہستی سے جدا رہنا گوارا نہ کر سکے جس نے محبت نواز ردیہ سے آپ کے دل و دماغ پر محبت کے غیر فانی نقوش مرتسم کر دیے تھے۔

جب حضرت ابوطالب رخت سفر باندھ کر پابہ رکاب ہوئے تو آپ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسوؤں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا اور آپ پر ایک کرب و اضطراب کا سا عالم طاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوطالب نے آپ کو آغوش رفاقت میں لیا۔ اور اس طرح آپ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ نئی زمینوں اور نئے لوگوں کو دیکھنے کے لیے تنگنائے شہر سے نکل کر صحرا کی وسعتوں میں آ گئے۔

آپ اس وقت منزل ہستی کی غالباً بارہ منزلیں طے کر چکے تھے۔ ایک دفعہ جب آپؐ نے اپنی والدہ ماجدہ کی رفاقت میں مدینہ کا سفر کیا ہے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک فقط چھ سال کی تھی۔

بحیرہ راہب :۔

حضرت ابوطالب کی رفاقت میں حضورؐ انور صحرا کی خوش گوار اور لطافت پاس نسیم کے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے اور قافلہ والوں کے دلوں پر اپنے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پاکیزہ کا نقش بٹھاتے ہوئے شام کے ایک قصبہ بصرے میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں ایک نہایت روشن دماغ بیدار مغز اور صاحب علم راہب بحیرہ نامی رہتا تھا اس نے نبی آخر الزمان کے آثار و علائم کتب آسمانی میں دیکھے تھے۔ اتفاق سے حضورؐ انور پر اس کی نگاہ دوررس پڑ گئی۔ اس نے اپنے آئینہ علم میں آپؐ کی رسالت کی جھلک دیکھی تو آپؐ کی شان عظمت کا قائل ہو کر آپؐ کی دعوت کی جس میں حضرت ابوطالب بھی شریک تھے۔ اس موقعہ پر بحیرہ کی زبان نے اُن خیالات کی ترجمانی کر دی جو آپ کو دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ابوطالب کو نصیحت کی کہ آپؐ کو آگے نہ لے جائیے۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ متشدد اور متعصب یہودی کہیں آپ کی ذات پاک کو نقصان پہنچانے کی ناپاک

کوشش نہ کریں۔

ابوطالب نے اس مفید مشورہ کو جامہ عمل پہنایا یا بعض روایات کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنا سامان تجارت وہیں فروخت کر دیا اور حضورِ انور کو بحفاظت تمام اپنے وطن میں لے آئے اور بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے حضورِ انور کو بصرے سے ایک شخص کی معیت میں واپس کر دیا اور خود سامان تجارت لے کر آگے چلے گئے۔ میرے موجودہ علم کے مطابق پہلی روایت زیادہ مستند معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال آپ بصری سے آگے تشریف نہیں لے گئے۔

ایک جنگ میں شرکت:۔

شباب کے ابتدائی ایام میں آپ کو ایک خونریز جنگ میں شرکت فرما کر مادرِ گیتی کے فرزندان کو ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگتے دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا ہے۔ یہ جنگ چونکہ ماہ محرم میں شروع ہوئی ہے اور اس مہینہ میں کشت و خون حرام سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا نام جنگ فجار مشہور ہوا۔ دنیا کے ہر بڑے واقعہ کی طرح یہ جنگ بھی ایک چھوٹے سے واقعہ سے شروع ہوئی تھی اور انفرادی جنگ سے بڑھتے بڑھتے اس نے قبیلوں کی جنگ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس میں قبیلہ قریش کو بھی شریک ہونا پڑا تھا اور حضورِ انور بھی اس تصادم شمشیر و سپر میں شرکت فرما تھے۔ لیکن آپ کا دل ہمدردی اور محبت انسانی کے لطیف ترین احساسات کا حامل تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے ذمے کسی دشمن کو بھی شمشیر جانستان کے گھاٹ اتارنا منظور نہیں فرمایا۔ آپ کے سپرد یہی کام تھا کہ اپنے چچا کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہیں اور بس۔

حضورِ انور کے کمالاتِ باطنی پر طائرانہ نظر:۔

ایام طفولیت میں ہی آپ کی افتادِ طبع سے اس غیر معمولی عظمت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے جو آخری عمر میں آپ کے لیے فقید المثال شہرت اور عالمگیر سیادت کا باعث بننے والی تھی۔ کھیل کود کے زمانے ہی میں آپ کا روئے انور اس پختہ کاری کا رنگ لیے ہوئے تھے جو عام

لوگوں میں کم سنی اور فرسودہ شبابی میں بھی خال خال نظر آتا ہے اور بچپن کے زمانہ کا تو ذکر ہی کیا ہے اُسے تو بھولے پن اور بے فکری کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ جب بچہ کے کسی فعل پہ اخلاقی یا قانونی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ اور شباب کا فسوں کار زمانہ اپنی ظاہری تابانی اور درخشانی کے باوجود جذبات کے اعتبار سے ایک تیرہ و تار رات ہوتا ہے جس میں اکثر نوعمر مسافران ہستی ان شاہراہ سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن تاریخی واقعات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ دنیا کے راہبر اعظم حضورؐ انور کا بھولے پن کا زمانہ بھی ایسے طفلانہ افعال و اعمال سے یکسر تہی دامن ہے جو عوام سے اس عمر میں سرزد ہوتے ہیں۔ اس بے فکری کے زمانہ میں بھی آپ کی غور و فکر کی قوتیں ایک ستارہ درخشاں کی طرح جو دور افق پہ بادلوں میں سے جھلک رہا ہو کبھی کبھی اپنا جلوہ طلعت افروز دکھا کر آپؐ کے تعلق میں آنے والے لوگوں کے دلوں میں ایک روشنی پیدا کر جاتی تھیں۔ اور آپ کا شباب اس نرم رو دریا کی طرح تھا جس میں کوئی تلاطم خیز موج اُٹھ کر ساحل کو فرسودہ نہیں بناتی جس میں نہ کبھی ایسی طغیانی آتی ہے جو اس کے راستہ کو بدل کر رکھ دے۔ جذبات کے تموج اور اُمنگوں کی محشر خیزی کا یہ زمانہ اخلاق کے اعلیٰ ترین اصولوں سے آپؐ نے محصور کر لیا تھا اس لیے ان تہذیب و شائستگی کے آئین و قوانین سے نا آشنا آزاد رو اور رند مشرب لوگوں میں رہتے ہوئے بھی جن کی آلودہ دامانی شہرہ آفاق تھی۔ آپؐ نے اپنے دامن کو کسی قسم کی لغزش سے داغ دار نہیں ہونے دیا۔ اس زمانے کے حالات اور جاہلیت کے عرب کے ماحول کے زہریلے تاثرات کو پیش نظر رکھ کر آپؐ کے اس شریفانہ رویہ کو دیکھیں تو زبان قلم آپ کی بلند حوصلگی عالی ہمتی، نیک کرداری اور راست طبعی کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔

آپؐ کی پاکیزہ روح جو قیافہ شناس کے تخیل کی بلند پروازیوں سے بھی بالاتر تھی، اس تہذیب سوز اور منافی آئین شائستگی ماحول میں رہ کر بھی اس کے زہریلے تاثرات سے اثر پذیر نہیں ہوتی تھی۔ جس طرح صندل کا درخت اپنی شاخوں سے سینکڑوں زہریلے سانپ لپٹے رہنے کے باوجود بھی زہر کا اثر قبول نہیں کرتا۔

حضرت حلیمہؓ کی قابلِ اعتبار شہادت

دشنام طرازی اور بیہودہ گفتگو جاہلیت کے عرب کی عادت کا تاریک ترین پہلو تھی۔ بڑے

بڑے دراز ریش بزرگ اس معیوب فعل سے مستثنیٰ قرار نہیں دیے جا سکتے تھے بعین اس طرح سے جس طرح موجودہ دور کے ہندوستان میں جاہل طبقہ کی اکثریت کی گفتگو کا فحش گفتگو اور گالی گلوچ جزو لاینفک بن گئی ہے۔ اور اعلےٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد کی زبان بھی اس قسم کے الفاظ سے پاک نہیں ہے۔ بچوں کی فطرت میں نقالی کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے اور یہی ان کی فطرت کا روشن ترین پہلو ہے جس سے وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ٹھوس تجربات کو اپنی آئندہ زندگی میں حاکمانہ عنصر کے طور پر غیر محسوس طور پر شامل کرتے رہتے ہیں بچوں کی اصلاح سے بیشتر والدین کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی ضروری ہے۔

میرے خیال میں اگر دنیا قومی ترقی مکمل فلاح و بہبود اور اخلاقی دلاویزیوں کے بام عروج پر پہنچنے کی تمنا رکھتی ہے تو اسے یہ اصول ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کسی شخص کو ازدواجی زندگی کی اہم ذمہ داریوں میں پڑنے کا حق حاصل نہیں جب تک کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش و تربیت و تادیب کے اصولوں سے پوری طرح واقف نہ ہو اور خود ایک ناقابل تسخیر اخلاقی قوت کا مالک نہ ہو۔ اس کے خلاف ہونے کی صورت میں معدودے چند ہستیاں اگر ان کی عقل پر علم سے جلا ہو جائے تو اپنے تئیں سنبھال لیتی ہیں۔ باقی سب تحر گمراہی میں گرتی ہیں بچپن کے تاثرات اس قدر قوی ہوتے ہیں کہ بڑی عمر میں اکثر علم و عقل کی قوتوں سے بھی انہیں قبضہ و قدرت میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل بھی انہی کی پیروی کرنے لگتی ہے۔ غرضیکہ بچپن کی تربیت کا فقدان اکثر صورتوں میں تباہی کا باعث اور تمام صورتوں میں ناقابل تلافی ہوتا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناقابل تسخیر روح کی داد دینی چاہیے کہ اس قدر تہذیب و شائستگی سے گرے ہوئے ماحول میں پرورش پانے کے باوجود آپ کی حیات طیبہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جسے اس زہریلے ماحول کے تاثرات کا نتیجہ قرار دیا جا سکے۔ آپ نے اپنے بچپن کے ابتدائی ایام جو اثر پذیری کے اعتبار سے نہایت نازک زمانہ ہوتا ہے۔ قوم بنی ہوازن کے قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے کاشانہ میں گذارے ہیں۔ آپؐ کی اسی رضائی ماں کی قابل اعتبار شہادت ہے کہ حضور انور ریگستان عرب میں بدوی لوگوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے عام بچوں کی طرح نہ تھے بلکہ اپنی بے نظیر خصوصیتوں کی وجہ سے بہت سے ممتاز نظر آتے تھے

آپ نے یاوہ گو اور آوارہ لڑکوں کی صحبت سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی کسی نے کوئی فحش لفظ نہیں سنا۔ آپ نے فضول کھیل کود سے بھی جو اکثر صورتوں میں بچپن کا مابہ الامتیاز ہے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

ہمیشہ کوئی نہ کوئی مفید شغل اختیار فرماتے۔ اپنے تعلق میں آنے والے لوگوں کی حتی الوسع امداد کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔

علوہمتی کی ایک درخشاں مثال

اپنی رضاعی ماں کے سایہ پرورش سے پرورش پا کر آپ اپنی حقیقی ماں کے آغوش میں آئے تو آپ کی عمر پانچ سال سے زائد نہ تھی مگر اپنے اخلاق حمیدہ اور اوصاف حسنہ کی کشش سے سب کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے۔ چھ سال کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں اپنے بزرگوار کے مزار کی زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئے تو جس مکان میں آپ قیام پذیر تھے اس کے سامنے صاف و شفاف پانی کا ایک تالاب تھا۔ اس میں آپ نے پیراکی کا فن حاصل کیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے دل میں حصول کمال کے ایسے جذبہ کا پیدا ہونا آپ کی علوہمتی پر دال ہے۔ آپ نے ایک مہینہ مدینہ میں تشریف رکھنے کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ وطن کو مراجعت فرمائی۔ اس زمانہ کی سب باتیں آپ کے لوح دماغ پر اس خوبی سے نقش تھیں کہ ہجرت کے زمانہ میں جب آپ نے مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تو آپ نے صحابہ کرام کو اپنے قیام کا مکان اور اپنے ساتھ کھیلنے والی ایک لڑکی کا نام تک بتا دیا۔ اس سے آپ کے حیرت انگیز حافظہ پر روشنی پڑتی ہے۔

ابوطالب کی لونڈی کی شہادت:۔

ابوطالب کی ایک لونڈی کی شہادت تاریخ کے صفحات میں موجود ہے کہ آپ نے گھر میں بھی کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا۔ پھر جو کچھ آپ کے آگے رکھ دیا جاتا اسے نہایت رغبت سے نوش جان فرما لیتے تھے۔ رینٹھ نکالنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ اس سے آپ کے اس وقار

ضبطِ نفس، حیا اور صبر کا پتہ چلتا ہے جو تمام عمر آپؐ کا مابہ الامتیاز رہا۔

حضرت ابو طالب کی رطب اللسانی :۔

حضرت ابو طالب نے آپ کی حیات طیبہ کے طویل ترین حصہ کے حالات دیکھے ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں آپ ان کے زیر کفالت آئے۔ پچیس برس کی عمر میں شادی ہونے کے بعد ان سے الگ رہنے لگے لیکن اس زمانہ بھی آپ کی زندگی آئینہ کی طرح ابو طالب کے سامنے تھی۔ وہ آپ کے اخلاق پاکیزہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ان کا قول ہے کہ آپؐ نے بچپن کے ایام میں بھی کبھی کوئی بات خلاف واقعہ نہیں کی۔ کسی مشرکانہ تقریب میں شرکت و شمولیت نہیں فرمائی۔ آپؐ کی زبان مبارک سے کسی نے کوئی خلاف تہذیب کلمہ نہیں سنا۔ بُرے اخلاق کے لوگوں کی صحبت آپؐ نے کبھی اختیار نہیں کی۔

آپؐ شرم و حیا کے پیکر تھے :۔

ایک دفعہ بارش کی کثرت سے کعبہ کی عمارت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔ اس لیے مرمت کا کام جاری تھا۔ آپ اجتماع کے کاموں میں جن کی بنیاد نیکی اور راستی پر ہو ہمیشہ دلچسپی لیا کرتے تھے آپ کی عمر مبارک اس وقت سات اور دس سال کے درمیان تھی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر آپ بھی اینٹیں ڈھونے لگے آپؐ نے اس وقت صرف تہمد باندھا ہوا تھا۔ آپؐ کے چچا عباس رضؓ نے آپؐ کے تہمد کا ایک کونا کھینچ کر اُسے اتار لیا۔ اور تہہ کر کے آپؐ کے شانہ پر رکھنے لگے۔ تاکہ اینٹوں کی رگڑ سے شانہ مبارک چھل نہ جائے۔ اس عمر میں بچوں کی برہنگی عیب نہ سمجھی جاتی تھی لیکن آپؐ میں شرم و حیا کا مادہ اس کثرت سے تھا کہ آپ تہمد کے کھلنے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب یہ حقیقت عباس رضؓ پر منکشف ہوئی تو اس نے پھر آپؐ کے تہمد باندھ دیا۔ شرم و حیا کو آپ نے ایمان کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام کا بیان ہے۔ حضورؐ انور آخری عمر تک ایک دوشیزہ کی طرح باحیا رہے۔

اس چھوٹی سی عمر میں اجتماع کے کام میں ایسی دلچسپی لینا کہ اپنے جسم تک کو تکلیف دینے سے

دریغ نہ کرنا آپ کی بلند ہمتی اور علو طبعی پہ دال ہے۔ عوام الناس میں یہ زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے۔ زندگی کی سنگین ذمہ داریوں میں پھنسنے کا نہیں۔

امین و صادق کا خطاب:۔

آپ کی پاکیزگی، علو ہمتی اور راست کرداری کے بے شمار واقعات کتب تاریخ و سیر میں موجود ہیں۔ لیکن اس کتاب میں مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کثرت امثلہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ آپ کی صداقت پرستی اور امانت شعاری نے ایسا شہرہ پایا کہ مکہ کے لوگ بیش بہا زیورات اور بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی کپڑے آپ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے اور خوش ہوتے تھے کہ ہم نے اپنی امانت محفوظ ترین جگہ رکھی ہے۔

تجارتی معاملات میں آپ کی راست بازی اور صداقت شیوگی شہر کے لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ ان ہی اوصاف حسنہ سے متاثر ہو کر اس متمرد قوم نے بھی جس نے کبھی کسی کی سیادت تسلیم نہیں کی تھی۔ آپ کو الامین اور الصادق کا خطاب دے کر آپ کی مابہ الامتیاز خوبیوں کو اپنی عقیدت کا خراج ادا کیا۔

نکاح مبارک:۔

اب حضورؐ انور سفر ہستی منزلیں طے کر چکے تھے مگر فطری شرم و حیا کی وجہ سے رفیقہ حیات کے بارے میں کبھی ذکر نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کا انتظام فرما دیا۔ اور وہ بھی مکہ معظمہ کی ایک مشہور و معروف تاجرہ اور طاہرہ سے۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد مکہ معظمہ کی ایک مشہور و معروف تاجرہ تھیں۔ آپ چاندی سونے میں کھیلتی تھیں۔ روایات معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا مال تجارت تمام قریش کے مال تجارت کے برابر ہوتا ہے۔ اس ظاہری دولت مندی کے ساتھ آپ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھیں اپنی عصمت و عفت، پاکیزگی، اخلاق اور عشق خداوندی کی صفات حسنہ کی وجہ سے آپ لوگوں میں طاہرہ کے معزز لقب سے مشہور تھیں۔

پہلی دفعہ آپ کا دامن ایک شخص ابوہالہ بناش بن زرارہ تمیمی کے دامن سے باندھا گیا تھا اور آپ کی گود میں دو بچے "ہالہ" اور "ہند" کھیلے اس کے بعد موت کے ظالم ہاتھوں نے خدیجہ رضؓ سے "ابوہالہ بناش" بن زرارہ تمیمی کو چھین لیا تو آپ ایک دوسرے شخص عتیق بن عائذ مخزومی کے حبالہ عقد میں آئیں لیکن موت نے عتیق کو بھی جلد ہی آلیا اور اب خدیجہ رضؓ دنیا اور اس کے ساز و سامان عشرت سے دل برداشتہ ہو کر عبادت و ریاضت میں اپنے دن گذارنے لگی۔ اپنے باپ کی تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے سوا دنیا کے کاروبار سے اور کوئی علاقہ نہ رکھا۔ مکہ معظمہ کے رؤسائے نامدار اور امرائے گردوں وقار ایسی دولت مند اور طاہرہ عورت کو اپنے حبالہ عقد میں لینے کے لیے بیتاب تھے۔

کئی سرداروں نے درخواستیں کیں مگر خدیجہ رضؓ نے سب کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

روحانیت سے ایک گہرا لگاؤ ہونے کی وجہ سے خدیجہ اکثر زاہد و عابد لوگوں کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اپنے بالاخانہ پر بیٹھی ایک راہب کی باتوں سے لطف اٹھا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گذر ادھر سے ہوا۔

راہب نے خدیجہ رضؓ سے حضرت صاحب اشارہ کر کے کہا۔

یہ پاکباز نوجوان کسی دن آسمان عظمت پر ایک آفتاب درخشاں بن کر چمکے گا اور مشرق و مغرب اس کے جلوہ انوار افشاں سے منور ہو جائیں گے۔

خدیجہؓ نے ذوق و شوق سے اس خوش خرام حسین و جمیل نوجوان کی طرف دیکھا۔ اور ان کی ایک ایک ادا اس کے لوح دل پر نقش ہو گئی۔ چند روز اور گذرے تو خدیجہ رضؓ نے ایک خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر ایسی لاجواب مسرتوں اور شادکامیوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھی کہ زبان قلم اس کی تشریح سے عاجز ہے۔ خدیجہ رضؓ نے دیکھا کہ "ماہتاب درخشاں اس کے آغوش میں ہے اور اس کی ضیا باریوں سے مشرق و مغرب کی دنیا کا ذرہ ذرہ تجلی زار صد طور بن رہا ہے۔ خدیجہ رضؓ نے یہ خواب راہب سے بیان کیا۔ اس نے اس کی یہ تعبیر کی کہ عنقریب تمہاری شادی خاتم الانبیاء سے ہوگی۔

دن گذرتے گئے اور وہ احساسات جن کو خدیجہ کبھی ذوق و شوق سے تعبیر کرتی تھی، اب محبت کے ایک بے پایاں سمندر معلوم ہوتے تھے جس کی تلاطم خیز امواج میں وہ بے اختیار بہے چلی جاتی

تھی۔ وہ چشم تصور سے ایک پاکباز دخوش خرام نوجوان کی سراپا شباب تصویر دیکھ رہی تھی جس کے جمالات ظاہری اور کمالات باطنی کے آگے کسی دن ایک دنیا سرنگوں ہو جانے والی تھی اور اس کے جہان ہستی کا ذرہ ذرہ جھوم جھوم کر گویا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

وَمَا اَحْسَنَتْ عَيْنِيْ مِنَ النَّاسِ غَيْرَكُمْ

تمہارے بغیر کوئی آدمی میری آنکھوں میں نہیں جچتا ہے۔

وَلَا لَذَّ قَلْبِيْ حَبِيْبٌ سِوَاكُمْ

اور تمہارے بغیر کوئی اور محبوب میرے دل میں نہیں اتر سکتا۔

وَمَا غَيْرُكُمْ فِي الْحُبِّ يَشْفِيْ مُهْجَتِيْ

تمہارے بغیر کوئی چیز میرے شوق کی آگ کو بجھا اور دل کو تسکین نہیں دے سکتی۔

وَاِنْ شِئْتُمْ تَفْتِيْشَ قَلْبِيْ فَهَاكُمْ

اگر تم چاہو تو میرے دل کی تلاشی لے لو اس میں تمہارے بغیر کوئی نہیں۔

خدیجہ رضہ کے مختار عام :۔

خدیجہ رضہ اپنا مال تجارت کی غرض سے قریش کے قافلے کے ہمراہ شام کو بھیجا کرتی تھی اس لیے اسے کسی ایسے مختار عام کی ضرورت رہتی تھی جو اس کے اموال تجارت میں جس طرح چاہے تصرف کرے مگر امانت و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

حضور انور کی امانت و دیانت کا شہرہ اس وقت تک عام ہو چکا تھا اس لیے جب آپ کے چچا حضرت ابو طالب اور عباس خدیجہ رضہ کے پاس اس غرض سے آئے کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شریک تجارت کرے تو خدیجہ رضہ کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ اس نے بصد شوق اسے منظور کیا اور حضور انور اس کا مال تجارت لے کر قریش کے قافلہ کے ہمراہ ملک شام کو چلے گئے۔

خدیجہ رضہ کے دو غلام میسرہ اور ناصح بھی حضور کے شریک سفر تھے۔ انہیں خدیجہ رضہ کی طرف سے ہدایات مل چکی تھیں کہ حضور انور کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے اور نیز ان کی حرکات و سکنات کا خوب غور سے مطالعہ کیا جائے۔

حضور انور نے اپنے کام کی بوجہ احسن تکمیل کی۔ اور غلاموں نے بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

شام میں مال فروخت کرنے کے بعد قافلہ مکہ کو واپس ہوا۔ اور حضور انور اتنا کثیر منافع لے کر آئے جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ خدیجہ رض نے خوش ہو کر دو اونٹ بمعہ ان کے مال محولہ کے سوا اشرفی اور سو درہم حضور انور کی نذر کیا۔

اشہب شوق پر ایک اور تازیانہ:۔

خدیجہ رض نے میسرہ اور ناصح کو جس خدمت کے لیے مامور کیا تھا اس کے سرانجام دینے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے حضور انور کے اخلاق کی پاکیزگی، راست بازی، نیک کرداری اور کمالات حسنہ کی تعریف میں بجا طور پر اس رطب اللسانی سے کام لیا کہ یہ باتیں خدیجہ رض کے اشہب شوق پر ایک اور تازیانہ ہوئیں۔ اس نے میسرہ کو تو انعام اکرام سے مالا مال کر کے آزاد کیا اور خود براہ راست یا بالواسطہ حضور اقدس کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضور انور نے اس خیال سے کہ خدیجہ دولت دنیا سے مالا مال ہے اور دن رات سونے چاندی میں کھیلتی ہے اور میں ابھی دولت دنیا کے اعتبار سے مفلس ہوں۔ ہمارا اتصال شائد عمدہ نتائج کا حامل نہ ہو قدرے تامل کیا اور کہا "خدیجہ رض! تم ملکہ وقت ہو اور میں ایک مفلسی کی گود میں پلا ہوا غریب نوجوان جس کی ماں سوکھا ہوا گوشت کھاتی تھی۔ میرا اور تمہارا کیا ساتھ۔

یہ سن کر خدیجہ کے جذبات کی دنیا تہ و بالا ہو گئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ جس دولت کا یہ نوجوان تذکرہ کر رہا ہے وہ سچی محبت کے لیے سدراہ نہیں ہو سکتی اور دلوں کے وصال میں دیوار آہن نہیں بن سکتی۔ پھر جب میں اس کی ہوں تو میرا سارا مال، میری ساری دولت اس کے قدموں پر نثار ہے۔ اس نے کہا ؂

فلو اننی امسیت فی کل نعمۃ	اگر مجھ کو تمام دنیا کی نعمتیں اور ہمیشہ کے لیے
ودامت لی الدنیا وملک اکاسرہ	سلطنت کسریٰ و قیصر کی مل جائے اور تم بھی

فما سویت عندی جناح بعوضۃ — آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو پھر یہ تمام چیزیں میرے
اذا لم یکن عینی بعینیک ناظرۃ — نزدیک پر پشہ کی قدر بھی نہیں رکھتیں۔

حضورِ انور نے جب خدیجہ رضؓ کے ذوق و شوق محبت کو اس درجہ بڑھا ہوا دیکھا تو نکاح کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور خدیجہ کے دل کا شاد کام و آباد و جاوداں بنایا۔ امام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدیجہؓ کے باپ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ مہر خدیجہ نے اپنے مال سے مقرر کیا۔

ازدواجی زندگی کا مہکتا ہوا گلشن

مبارک نکاح کی مبارک رسوم اختتام کو پہنچیں۔ قدرت نے جس کا مقصد اولیں ہی انجذاب باہمی پر مسرت اندوز ہوتا ہے وہ الگ الگ دلوں کو ایک رشتہ محبت میں منسلک کر کے دونوں کو یک جان و دو قالب بنا دیا۔ ازدواجی زندگی کی رنگین وادیوں میں قدم رکھ لینا تو نہایت آسان ہے مگر ایک فرض شناس باغبان کی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ اسے مسرتوں اور شادمانیوں کا ایک مہکتا ہوا گلشن فردوس قطر بنا دینا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے ؎

لوگ کہتے ہیں چاہ مشکل ہے — سچ تو یہ ہے نباہ مشکل ہے

تاریخی واقعات اس شاندار حقیقت پر شاہد ہیں کہ سرور کائنات اور ام المومنین کی ازدواجی زندگی کا گلشن عدیم النظیر محبت کے سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے ہمیشہ طبلہ عطار بنا رہا۔

آپؐ نے ام المومنین کی حین حیات میں دوسرے نکاح کا نام تک نہیں لیا۔ اسی پیرانہ سال بڑھیا پر جس کا گلشن شباب پامال عمر ہو چکا تھا، ہزار جان سے فریفتہ رہے، روحانی محبت کا یہ وہ گلشن ہے جس کے پھولوں میں نفسانیت کی بو نہیں پائی جاتی۔ سن و سال کا تفاوت اسی وقت کوئی معنی رکھتا ہے جب طرفین ایک دوسرے سے نفسانی لطف و مسرت کے خواہاں ہوں جب ازدواجی زندگی کو عیش و نشاط کی طلسمی زندگی نہیں بلکہ فرائض کی ایک ناقابل شکست زنجیر تصور کر لیا جاتا ہے تو زوجین کی روحیں فرط محبت سے باہم مزدوج ہو جاتی ہیں اور یہ اتصال قلبی لافانی ہوتا ہے پینسٹھ سال کی عمر میں خدیجۃ الکبریٰ اپنے بہترین شوہر کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئیں

اور ایک گوشہ زمین میں ابدی نیند جا سوئیں۔ مگر ان کے دلنواز شوہر کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں جو جذبات محبت ان کے لیے موجود تھے وہ ان کے جسم کے ساتھ مدفون نہیں ہو گئے بلکہ انھوں نے ہمیشہ آپ کے دل کو محشرستان بنائے رکھا۔ ان کا فدا کار محبت اور شیریں کار عشق کے نقوش ہمیشہ آپ کے لوح دل پر مرتسم رہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انقلاب اور زمانے کی کوئی بڑی سے بڑی گردش ان کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ؎

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق

عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

رخصت محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر!
جوش الفت بھی دل عاشق سے کر جاتا سفر

عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے گر جاتا نہیں

ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے عدم نا آشنا محبوب کی!

رنگ و نور شباب اور طوفان جذبات جوانی کا شیریں کار اور ہنگامہ خیز زمانہ گذر چکنے کے بعد آپؐ کی زوجیت میں آنے والی خدیجۃ الکبریٰ کا قفس عنصری زیر زمین مدفون ہو چکا تھا۔ اب سرور کائنات کے پہلو کی زینت ایک نوجوان دوشیزہ تھی جس کا سینہ جذبات محبت کا محشرستان تھا۔

جس کا حسن و جمال غیرت حسن مہر و ماہ تھا۔ لیکن آپؐ کے وفا شناس دل میں اب بھی اپنی اولین ملکہ محبت کی شیریں یادگر وٹیں لیتی رہتی تھی۔ جب ان کا ذکر آتا تو آپ ان کے تصور میں اس طرح محو ہو جاتے تھے جیسے کوئی بہت دور کا رنگین خواب دیکھ رہا ہو جس کی سحر کاریاں اور طلسم آفرینیاں ہنوز اس کے دل و دماغ کے لیے کیف بخش ہوں۔ اس دلگداز یاد سے آپ کے گہوارہ چشم میں بے اختیار طفل اشک مچلنے لگ جاتے تھے۔ ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
خدا جانے ہمیں بیٹھے بیٹھے کیا یاد آیا

ایک دفعہ اس نوجوان بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ـــــــ جن کی طرف اوپر کا اشارہ ہو چکا ہے ایک بڑھیا کو آپ کے اس فرط محبت سے یاد کرنے پر بڑا ملال انگیز رشک ہوا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا:۔

"کیا آپ کو خدا نے ایک بہتر بیوی نہیں دی؟ پھر بھی آپؐ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں"

آپؐ نے بغیر ایک لمحہ تامل کے کہا:۔

"ہرگز نہیں جب میں افلاس کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ اس نے مجھ سے شادی کر کے مجھے دولت وثروت کی لالہ کار وادیوں میں محو گل گشت کیا۔ جب دنیا مجھ پر کذب و افترا کا الزام لگا رہی تھی۔ اس نے میری تصدیق کی۔ جب اور لوگ میرے بصیرت افروز پیغام کی دھجیاں اڑانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اس نے میرے پیغام کے سامنے سر تسلیم خم کیا"

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ جس محبت کا جزو اعظم نفسانیت کی بجائے روحانی جذب ہو وہ زندگی کے علاوہ موت کے بعد بھی کس ذوق وشوق سے اپنے محبوب کی وفا شعاریوں کو یاد کرتی رہتی ہے۔

اس قسم کی محبت انسان کو پابند دنیا نہیں کرتی بلکہ اس کی روح کی ترقی کے لیے ایک سنہری زینہ کا کام دیتی ہے۔

ترجمان فطرت ورڈزورتھ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

Learn by a mortal yearning.
To ascend seeking a higher object.
Love was given encouraged sanctioned

chiefly for that end.
For this the passion to excess was driven.
That self anaight be
Her lewdage prove. The father of
a dream, opposed to love."

سیکھنا اک جذبۂ فانی سے راہِ ارتقا
عشق کی اغراض میں مضمر تھا یہ سِرِّ بقا
عشق کی تخلیق، اس کی پرورش نشو و نما
بہرِ تمردِ بدیٔ انانیت تھی منظورِ خدا
بندگیٔ نفس گویا خواب کی زنجیر تھی
فوتِ مقصودِ محبت اس کی اک تعبیر تھی

اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ کی بے مثال شیفتگی

وہ عشق جنوں پیشہ ہمیشہ حسرت و یاس اور غم و اندوہ کی دلدوز داستانوں پر منتج ہوتا ہے جسے حسن تغافل شعار سراپائے استحقار سے ٹھکرا دے۔
دلی مسرت و شادمانی اور روحانی نشاط و انبساط کی کہانیوں کی حامل وہی محبت ہو سکتی ہے جو طرفین کے جذب باہمی کا نتیجہ ہو سے

الفت کا جب مزہ ہے ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ام المومنین کی محبت اس قسم کی عدیم النظیر اور فقید المثال محبت تھی جس کی وفا شعاریاں تاریخ حسن و عشق کے صفحات میں سنہری حروف میں ثبت ہونے کے قابل ہیں۔ اگر ایک طرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات میں آگ کے

شعلوں کی تپش موجود تھی تو دوسری طرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا دل بھی کوئی برف کی کاش یا سل نہ تھا۔ اس میں لاکھوں بجلیوں کی بے تابیاں موجود تھیں، یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ میرا ضمیر اسے تسلیم کرتا ہے کہ خدیجہ کی محبت حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ محبوبانہ نہیں بلکہ عاشقانہ تھی اس نے اپنے دل کے علاوہ اپنا تمام مال و دولت اور زر و جواہر سرور کائنات کے قدموں پہ نثار کر دیا تھا۔ آپ نے مکہ کی اس مشہور تاجرہ کے تمام مال و دولت و ثروت کو امداد غرباء اور دیگر اصلاحی کاموں کے لیے پانی کی طرح بہا دیا۔ مگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو کبھی یہ بات ناگوار نہ گذری، عورت اور سب کچھ خاموشی سے برداشت کر سکتی ہے مگر سوکناپے کی جلن ایک ایسی چیز ہے جس کی برداشت اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔

مگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ تو حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق میں کچھ اس طرح مبتلا ہوئی تھیں کہ وہ آپ کی محبت کے لیے اس جلن کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھیں بلکہ بے حد خوش تھیں۔ ایک دفعہ سرور کائنات نے آپ کو بتایا کہ جنت میں تمہارے سوا میری اور بیویاں فلاں فلاں بھی ہوں گی تو آپ نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ کونسی عجیب بات ہے۔ بادشاہوں کے کئی کئی بیگمیں ہوتی ہی ہیں۔

آپ سرور کائنات کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنے لیے شرف دنیا و دین سمجھتی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات آپ کے لیے باعث صد ہزار فخر تھی کہ آپ کو ایک ایسا شوہر نصیب ہوا ہے جس کے مقدس قدموں کی خاک میں دین اور دنیا کی برکتیں موجود ہیں اور جس کی ہستی باعث فخر کائنات ہے۔

وہ چمن جس کی بہاروں میں ہے منظر حسن کا
وہ چمن ہے ذرہ ذرہ جس کا مظہر حسن کا

جس کی زریں پتیوں پہ نقش ہیں رعنائیاں
جس کے رنگین طائروں کو گیت از بر حسن کا

کھیلتی ہیں جس میں دن بھر خوبیاں محبوبیاں
نور افگن ہے جہاں راتوں کو اختر حسن کا

مل گیا قسمت سے مجھ کو اس چمن کا ایک پھول
جس کی اک اک پنکھڑی دل کو ہے ساغر حسن کا

زندگانی اس کی خوشبو سے ہے نکہت سر بسر
اس کے جلووں سے ہے دنیا مجھ کو جنت سر بسر

کفر کی تاریکیوں میں ایمان کی روشنی

عقائد، عبادات، معاملات، آداب، معاشرت اور اصلاح نفس کے صحیح اور مکمل ترین قوانین و آئین کے داعی اعظم رسول مقبول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت باسعادت کے وقت جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین بت پرستی کا مرکز اعظم بنی ہوئی تھی۔ تہذیب و تمدن کی روشنی کی کوئی شعاع نہ تھی جو تاریک دلوں کو پیام ہدایت دے سکے۔

کوئی راہبر کامل نہ تھا جو زندگی کی راہ میں بھولے بھٹکے مسافروں کو صراط مستقیم دکھا سکے۔ صداقت و حقیقت کے شربت مفرح کے جرعہ شیریں اثر کی حلاوت اندوزیوں کے لیے کوئی تشنہ کام نہ تھا کفر و بطالت اور گمراہی و جہالت کی شراب خرد سوز سے ہر کوئی بدمست ہو رہا ہے۔ ایسے پرآشوب زمانہ کے طوفان بے تمیزی میں یہ داعی اخلاق، ہادی طریقت اور سرچشمہ و ہدایت سرور عالم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ایک فقید المثال اور عدیم النظیر کارنامہ تھا کہ "آدم از آدم رنگ می گیرد" کے مقولہ کی صداقت مشتبہ کر کے دکھلا دی۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و شرافت کے فقدان کے زمانہ میں بھی مکارم اخلاق کے ایک نیر رخشندہ بن کر آسمان عرب پر جلوہ گر ہوئے اور لطف اندوز نظارہ ہونے والے لوگوں کی نگاہیں اوصاف حمیدہ اور خصائل حسنہ کی تابانیوں اور درخشانیوں سے خیرہ کر دیں۔

جب آپ ایام طفولیت کی پُربہار اور رالہ کار وادیوں میں محوِ گل گشت تھے۔ اس وقت بھی آپ نے مکارم اخلاق کا جو لاثانی نمونہ پیش کیا تھا اس کا مختصر ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے آپ کا سینہ جواہر گنجینہ شرافت کے ان دربہائے شہوار کا خزینہ تھا جن کی چمک دمک صدیاں

گذرنے پر بھی کم نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوگی۔ آپ تکمیل انسانیت کے مظہر اتم بن کر عرب کے ریگستان بسیط کے کفرزار میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ آپ کے کمالات ظاہری اور باطنی وہ گلہائے رنگارنگ تھے جن کی روح پرور خوشبو نے اہل دنیا کا مشام جان معطر کر دیا۔ آپؐ کا وجود وہ آفتاب درخشاں تھا جس نے کفر و ابطالات کی تاریک راتوں میں روز روشن کی سی روشنی پیدا کر کے ایک دفعہ عرب تو کیا تمام جہان کو بقعہ نور بنا دیا۔ اب تک آپؐ کے افق دل پہ آفتاب رسالت اپنی تمام نور پاش جلوہ گریوں کے ساتھ جلوہ گر نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی آپؐ کا قلب مبارک انوار الٰہیہ اور تجلیات آسمانی کا وہ مسکن تھا جس کی روشنی سے آپ کے اردگرد کی فضا انوار ہو رہی تھی۔ تاریکیوں کی شب دراز میں سفر کرتے ہوئے بھی آپؐ صراط مستقیم سے نہیں بھٹکے۔ گمراہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی آپؐ نے اپنی پاکیزہ روح کی اجلی چادر پر کسی قسم کی گمراہی کا دھبہ نہیں پڑنے دیا۔

- یہ ایک ایسی صداقت ہے جس پر مخالفین اسلام بھی متفق ہیں۔ اور متعصب نکتہ چین بھی آپؐ کی جوانی روحانیت پرور اور صداقت پرست جوانی پر تعریف و تحسین کی شہادت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ آپ کے مقدس قدموں پر عقیدت کی نذر چڑھاتے ہیں۔ مخالف اسلام سات سمندر پار بسنے والا ایک مورخ بھوٹ انگریز مصنف بھی جو مخالفت اسلام پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ آپؐ کی پاکبازانہ اور زہد پرور جوانی پر داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں رقمطراز ہے:۔

"All the authorities agree in ascribing to the youth of Mohamat a correctness of department and purity of manners rare among the people of Mecca"

(مہرورعالم) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوانی کی عمر میں آپ کی پاکیزگی اخلاق اور مطہر عادت پر سب مصنف متفق ہیں۔ حالانکہ یہ جنس گراں مایہ مکہ کے لوگوں میں کمیاب تھی۔

دو برائے نام خیالی لغزشیں

عقل و اخلاق اور دانش و بینش کی ان تمام بلند پروازیوں کے باوجود بھی آنحضرت خدا کے ایک بندے ہی تھے۔ جن کے جلوہ گاہ سے لگا ہے نے اہل مکہ کو گم گشتہ تحیر کر کے ان سے آپؐ کی ایک طرح پرستش کروا لی تھی۔ اور انسانی حدود کے اندر زندگی بسر کرتے ہوئے انسانی اغلاط اور نقائص سے قطعی بلند و بالاتر ہو جانا غالباً "این خیال ست و محال است و جنون" کے مصداق تھا۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے بیشتر جب آپؐ کا سینہ جواہر گنجینۂ انوار الٰہیہ کے دُرہائے شہوار کا کامل و اکمل خزینہ نہیں بنا تھا آپؐ نے صرف دو دفعہ لغزش کھائی ہے (بشرطیکہ اسے صحیح معنوں میں لغزش کہا بھی جا سکے) اور وہ لغزش بھی صرف خیالی لغزش ہے رائیگانی تیں۔

جن ایام کا یہ ذکر ہے اس وقت داستان گوئی کا ذوق و شوق اہل عرب کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ دن کے کاروبار سے فارغ ہو کر تمام لوگ رات کو داستان گوئی کی محفلوں میں شریک ہوتے اور اس بیہودہ شغل میں اپنا وقت خراب کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں بھی تقاضائے بشریت سے اس خیال نے چٹکیاں لیں کہ آپؐ بھی داستان گو کے چٹکلوں سے لطف اندوز ہوں۔ مگر کارکنان قضا و قدر آپؐ کے نگراں تھے۔ کیونکہ قدرت خداوندی کو یہ منظور نہ تھا کہ سفر ہستی کی چند اور منزلیں اوسطے کر کے نبوت کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہونے والی ہستی ایسے بیہودہ مشاغل سے کوئی تعلق رکھے۔ آپ داستان گوئی کی مجلس میں شریک ہونے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ سر راہ آپؐ شادی کی تقریب پر منعقد ہونے والی ایک مجلس کے نظارہ میں منہمک ہو گئے اور وہیں خواب نوشین کے مزے لینے لگے۔ جب بیدار ہوئے تو صبح خنداں اپنے جلوے عالم میں چارسو بکھیر رہی تھی۔

ایک دفعہ ایسی ہی تمنا پھر آپؐ کے دل میں مچلی مگر امداد خداوندی ہر حال میں آپؐ کے ساتھ تھی۔ اس دفعہ بھی آپؐ پر خواب راحت طاری ہوا اور آپ منشاء ایزدی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے اور اپنے نفس کی خواہش میں ناکام۔

ان دونوں واقعات کے سوا اور کوئی واقعہ الیسا نہیں جو اس بات پر روشنی ڈال سکے کہ آپ کے دل میں کبھی دنیا کے راگ رنگ اور تان ترنگ کی طرف رغبت یا شوق کی کبھی آرزو بھی پیدا ہوئی ہو بیہودہ اور وقت کش مشاغل سے آپ ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

وعدے کی بے نظیر ایفاء :۔

ایسے طوفان بے تمیزی کے زمانہ میں جب وعدہ شکنی روزمرہ کی معمولی باتوں میں سے ایک بے حقیقت بات سمجھی جاتی تھی۔ آپ کے دل وعدہ شناس میں اپنے قول کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عدیم النظیر احساس موجود تھا۔

حضرت ابو طمامہ رض سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بازار میں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آپ سے عرض کیا کہ اگر حضور انور تھوڑی دیر کیلئے یہاں توقف کریں تو میں گھر ہو آؤں اور پھر آپ سے ایک ضروری معاملہ میں مشورہ لوں۔ آپ نے فرمایا بہتر! آپ کے آنے تک میں یہیں انتظار کروں گا۔

چنانچہ ابو طمامہ رض گھر کو چلے گئے اور بہترین اخلاق کے داعی اعظم وہیں ان کے منتظر رہے۔ ابو طمامہ نے اہل و عیال کے شور و شغب اور خانہ داری کی مصروفیتوں میں منہمک ہو کر اس بات کو گلدستہ طاق نسیان ہی بنا دیا کہ وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سر راہ منتظر رہنے کی التماس کر آئے ہیں۔ دن گذر گیا۔ شب آگئی۔ حضور انور اسی جگہ منتظر رہے مگر ابو طمامہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ لیلیٰ شب بھی اپنی تمام تاریکیوں کے ساتھ اپنا رخت سفر باندھ کر مغرب کی پہاڑیوں میں جا کر روپوش ہو گئی۔ اور سلطان خاوند دیار مشرق سے اپنی تمام نور پاشیوں کے ساتھ عالم پر جلوہ گر ہو گیا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ بیدار ہو گیا۔ اور تمام جانداروں نے اپنے اپنے فرائض کو محسوس کرنا شروع کر دیا۔ مگر حضرت ابو طمامہ رض کے نہاں خانہ دماغ میں اب بھی گذشتہ روز کے وعدہ کی یاد کی کوئی شعاع پیدا نہ ہوئی۔ صبح اپنی تمام بیداریوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ گذر گئی۔ آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔ وعدہ شناس اور صادق القول آمنہ کا لال اسی طرح سر راہ ابو طمامہ کا منتظر تھا۔ اب حضرت ابو طمامہ کو بھی یکایک اپنے وعدہ کا خیال آیا۔ وہ دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور ان کی حیرانی اور پشیمانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے اس حیرت انگیز اخلاق کے مالک انسان کو اسی جگہ اپنا منتظر پایا جس جگہ وہ اُسے ٹھیرنے کے لیے عرض کر گئے تھے۔ آپ ابوالطامہ کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوئے۔ آپ کے چہرہ پر غصہ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ ابوطامہ تم نے مجھے بہت تکلیف دی۔ ابوالطامہ اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوا اور بہت کچھ عذر و معذرت کی۔

دیانت :۔

صداقت و دیانت کا اس زمانہ میں کوئی پرستار نہ تھا۔ کذب و بددیانتی اہل عرب کی امتیازی صفت بنی ہوئی تھی۔ مگر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت و دیانت نے اہل مکہ کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ اس کا مفصل ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک اور واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے آپ کی دیانت پر باقی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات الم نشرح ہو جاتی ہے کہ آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پیشتر بھی آپ کا دل ان اوصاف حمیدہ اور خصائل حسنہ کے نور سے منور تھا جو کسی بلند پایہ سے بلند پایہ انسان کیلیے بھی فخر و نازش کا سرمایہ ہو سکتے ہیں۔

تجارت آپ کا محبوب پیشہ تھا۔ اوائل عمر سے آپ کو اسی پیشہ سے سابقہ پڑا تھا۔ قیس بن صائب کے ساتھ آپ نے شرکت فرمائی اور مال تجارت فروخت کرنے کیلیے یمن تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ کو اتنا کثیر منافع ہوا جس کا آپ کو شان و گمان بھی نہ تھا۔ واپسی پر آپ نے حساب کر کے تمام منافع کا نصف قیس بن صائب کو دے دیا۔

دوسری مرتبہ قیس بن صائب یمن میں مال تجارت فروخت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ نے حساب کر کے منافع کی رقم کا نصف حصہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بعد میں حضرت صاحب کو معلوم ہوا کہ قیس بن صائب نے حساب میں غلطی کھائی ہے اور آپ کے حصہ میں کچھ رقم زیادہ آگئی ہے۔ آپ بے چین ہو گئے اور جب تک اپنے شریک تجارت کو بلا کر زائد رقم واپس نہ کر دی آپ کو چین نہ آیا۔

خاندان سے محبت :-

مکہ میں ایک دفعہ قحط پڑا۔ بڑے بڑے خاندان عسرت سے زندگی بسر کرتے لگے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حضرت ابو طالب اگرچہ بہت بڑے رتبہ کے سردار تھے مگر کثیر العیال ہونے کی وجہ سے اس قحط سالی کے زمانہ میں آپ بھی عسرت سے دن گذارنے لگے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنے دوسرے چچا عباس رض کو مشورۃً ترغیب دی کہ چونکہ ابوطالب کثیر العیال ہیں اور اس قحط سالی کے زمانہ میں عسرت سے گذران کر رہے ہیں اس لیے رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے کہ اس مصیبت کے زمانہ میں ان کا بار ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) علی ابن ابی طالب کو اور عباس جعفر بن ابی طالب کو اپنے اپنے گھروں میں لے گئے اور اس طرح حضرت ابوطالب کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہو گیا۔ اس قسم کی شفقت و محبت کی مثال اس وقت کے عرب میں قطعی مفقود تھی۔ وہ نفسا نفسی کا زمانہ تھا۔ ایسا زمانہ جس کی نسبت ایک شاعر لکھتا ہے ؎

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر مے بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر مے بینم

ہیچ الفت نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر مے بینم

دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر مے بینم

خانہ خدا میں آتشزدگی :-

اس سجدہ گاہ عاشقان حقیقت میں کسی بد احتیاطی سے آتش سوزاں کے شعلے اس طرح بھڑک اٹھے جس طرح کسی بد قسمت دہقان کے خرمن پر بجلی لوٹ پڑنے سے بھڑک اٹھتے ہیں جس کی تاسیس و تعمیر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھوں ہوئی۔ اور جسے آفتاب کلدان کے غروب ہونے کے بعد جہالت کے مجہول اور باطل پرستوں نے پرستش گاہ بتاں بنا رکھا تھا۔

آتش زدگی کے صدمۂ عظیم سے دیواریں جابجا سے شق ہو گئیں اور سرداران قریش نے اس مقدس عمارت کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا۔ مگر عمارت کی عظمت و وقعت اور ہیبت و جلال کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے منہدم کرنے میں پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سرداران قریش ابھی کش مکش ہی کی حالت میں تھے کہ ولید بن مغیرہ آگے بڑھ کر یہ کہتے ہوئے شکستہ دیواروں کو منہدم کرنے لگے کہ

"جب ہمارے دلوں میں نیک جذبات ہوتے ہیں تو خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی" دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اور تھوڑی دیر میں سب عمارت مسمار کر دی گئی۔

ایک خونریز جنگ کے آثار۔

مسجد الحرام کی شکستہ عمارت کو مسمار کرنے کے بعد بڑی شان و شوکت سے اس کی از سر نو تعمیر شروع کرا دی گئی اور سب قریش خوشی خوشی بقدر ہمت و وسعت کام میں ہاتھ بٹاتے رہے مگر جب سنگ اسود کے لگانے کا وقت آیا تو نہ صرف یہ کہ ایک متنازع فیہ معاملہ پیش ہو جانے کی وجہ سے تعمیر کا سب کام بند ہو گیا۔ بلکہ ایک زبردست اور خون ریز جنگ کے آثار و علائم ظاہر ہونے لگ پڑے۔

سنگ اسود ایک سیاہ پتھر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے خانہ کعبہ میں نصب ہوا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے تمام قبائل اس کی تقدیس کے قائل تھے اب تک بھی یہ مقدس پتھر بوسہ گاہ فرزندان توحید بنا ہوا ہے۔ ہر ایک قبیلے کا سردار اس امر کو اپنے لیے باعث صد ہزار فخر و مباہات تصور کرتا تھا کہ وہ سنگ اسود کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دیوار میں نصب کرنے کا شرف حاصل کر سکے۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ شرف ایک ہی خوش نصیب شخص کو حاصل ہو سکتا تھا اور سرداران قریش میں سے کوئی سردار ایسا نہ تھا جو اس عزت کے حصول کے لیے کوشاں نہ ہو۔ ایسے حالات میں یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں۔

سرداران قریش کی مجلس مشورۃ :۔

ریگستان عرب کے ذرات خداجانے مادر گیتی کے کتنے فرزندوں کے خون سے لالہ فام بنتے مگر قدرت کو یہ خوں ریزی منظور نہ تھی۔

سرداران قریش نے ایک مجلس مشورت منعقد کی جس میں شرکائے مجلس میں سے ہر ایک نے اس متنازع فیہ معاملے کے تصفیہ کے لیے اپنی اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا لیکن ولید بن مغیرہ کی زریں رائے کے سوا کسی کی رائے کو شرف قبولیت عام حاصل نہ ہوا۔ اس کی اس صائب رائے پر سب نے اتفاق کیا کہ جو شخص حسن اتفاق سے کل صبح مسجد الحرام میں سب سے پیشتر آنکلے اسی کو حکم تسلیم کر لیا جاوے اور جو فیصلہ وہ کرے اسے بلا چون و چرا فیصلہ ناطق تصور کیا جاوے۔

حضور اقدس کا حکم بننا :۔

سرداران قریش کی خوش قسمتی سے خدا کی قدرت کاملہ نے سنگ اسود کے متنازع فیہ معاملہ کے تصفیہ کے لیے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو سب سے پیشتر حرام کعبہ میں بھیج دیا جس کے مکارم اخلاق نے انسانی قلوب کو مقناطیسی کشش کے زیر اثر اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ پیغامبر توحید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ صنم پرستی کے شدید ترین مخالف تھے۔ لیکن ابراہیمی تعلق کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عظمت و تقدیس کے قائل تھے اور سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لیے ایسے وقت جب کفار وہاں موجود نہ ہوں مسجد الحرام میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اب بھی آپ حسب معمول اپنے مقررہ وقت پر جلوہ فرما ہوئے تو سب اشخاص جو سر شام سے حکم مقرر کرنے کے بعد حرم کعبہ میں موجود تھے، "الامین تا الامین" پکار اٹھے۔

عدیم النظیر فیصلہ :۔

آپ حکم منظور ہو چکے تھے۔ آپ کا فیصلہ فیصلہ ناطق تھا جو کچھ آپ زبان مبارک سے فرما دیتے۔ سرداران قریش کو اس کے تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ آپ کے نہاں

خانۂ دل میں اگر رہتے۔ آپؐ اس شرف کو اپنے لیے مختص فرما لیتے اور جھٹ سے سنگِ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتے۔ مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس منصف مزاجی اور ذہانت و قابلیت دماغی سے فیصلہ صادر فرمایا کہ سرداران قریش عش عش کر اٹھے اور آپ کی صداقت پرستی اور حق پرستی کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو گئے۔ آپؐ نے اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا دی اور سنگ اسود کو دست مبارک سے اٹھا کر اس پر رکھ دیا۔ اب سرداران قریش کو حکم دیا کہ چادر کے کونوں کو تھام کر دیوار کے پاس لے چلیں۔ جب سنگ اسود دیوار کے پاس پہنچ گیا تو آپؐ نے چادر پر سے اٹھا کر اُسے دیوار میں نصب فرما دیا۔ آپؐ کے اس عدیم النظیر فیصلے کی برکت سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی۔ بادی النظر میں یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر تاریخ کے لحاظ سے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سب حالات و واقعات جو اس جگہ نہایت مختصر طور پر احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں، اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ کے قلب مبارک پر انوارِ الٰہی اچھی طرح پر تو فگن نہیں ہوئے تھے۔ اور ابھی قدرت کاملہ آپ کو رسالت کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔ عہدہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ کی حیات طیبہ کا نسبتاً زیادہ کامیاب و کامران اور روشن و درخشاں دور شروع ہوتا ہے۔ اور اس وقت جو کچھ آپ سے ظہور میں آیا وہ محیر العقول ہے۔

انقلاب کا پیش خیمہ:۔

اب وہ مبارک ساعت قریب آ رہی تھی جس کے لیے آسمان کے ستارے اور زمین کے پھول چشم براہ تھے۔

آپ کی ہستی کا وہ بہاریں انقلاب جس کے نتائج مابعد نے اک دنیا میں انقلاب کر دیا اور خزاں پر بہاروں کو مسلط کر دیا۔ اور جس کی ایک شاعر نے اپنی زبان میں یوں تشریح کرنے کی کوشش کی ہے ؎

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت — کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چھپکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت

یہ چالیسواں سال لطف خدا سے
کیا چاند نے کھیت غار حرا سے

خلوت گزینی کا ذوق و شوق :۔

رازِ ہستی کائنات اور اسرار طلسم آب و گل کے معلوم کرنے کے جذبات کا ایک سمندر تھا جو آپ کے دل میں موجزن ہو گیا۔ دل پر ذوق اور نگاہ پر شوق کو کامیاب تمنا ہونے تک کیا کیا مراحل طے کرنے پڑے۔ اس کا مفصل حال ایک علیحدہ ٹریکٹ میں "عابد شب زندہ دار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس مختصر سی کتاب کے صفحات طوالت بیان کے حامل نہیں ہو سکتے۔ البتہ حسن و عشق کی اس رنگین داستان کو صاحب دل لوگوں کے جذبہ شوق کو ابھارنے کے لیے نہایت اختصار کے ساتھ یہاں بھی بیان کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح اس عالم آب و گل کے افق پر آفتاب عالمتاب کی جلوہ گری سے کچھ دیر پیشتر ہی سپیدہ صبح نمودار ہو کر اس کائنات کے ذرے ذرے کو بیداری اور روشنی کا پیام مسرت انعام دینے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پیشتر ہی آپ کے دل کی دنیا کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ تجلی زار نور بننا شروع ہو گیا تھا۔

آپ کے قلب مبارک پر تجلیات آسمانی نور عرفانی اور جلوہ روحانی کے اسرار کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ ایک نور بیتاب تھا ایک تجلی زار طور تھا۔ جو آپ کی نگاہ پر شوق کو دعوت نظارہ دیتا تھا ایک ناقابل شرح خلش تھی جو آپ کی روح کی عمیق ترین گہرائیوں میں حجاب کائنات کو اٹھا دینے کے لیے محشر برپا کیے ہوئے تھی۔ ایک ناقابل بیان درد تھا جو آپ کے نہاں خانہ دل و دماغ میں ایک نیز و نشتر کی نوک کی طرح چبھ رہا تھا۔ لیکن یہ وفور سوزش نہانی جو آپ کے دل پر جراحت کے لیے سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے تھا کس قدر پر کیف، کس قدر روح پرور، کس قدر لذت بخش دل و دماغ تھا۔ اس کی پیاری کیفیات کو کچھ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی جانتے تھے جن کے لیے دنیا کی تمام سحر کار کشش سامانیوں سے زیادہ وجدانی جذبہ کشش سامان تھا۔

آہ جو اس چیز میں لذت ہے وہ کسی شے میں نہیں
حسن گل میں نہیں نغمہ میں نہیں مے میں نہیں!

دور اندیش دل اور دور بین نگاہیں:۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا آپ کا دل عبرت پذیر دنیا کے چند روزہ اور اس کے تمام ساز و سامان کی بے ثباتی، عدم استواری، اور ناپائداری کے روزمرہ کے مشاہدات سے متاثر ہو کر اس کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے نفور ہوتا جارہا تھا۔ فانی عیش و عشرت، دو روزہ نشاط و شادمانی کے رنگین نقاب کو الٹ کر آپ جاودانی نشاط و شادمانی کا جہان غیر فانی دیکھنے کے تمنائی تھے۔ ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں گل و یاسمن کی نکہت بیزیاں، حسیناں دل ربا کی رفتار حشر پرور کی قیامت خیزیاں آپ کی چشم تماشائی کے لیے عشرت نظارہ اور سامان صد بہار زیبائی ہوتیں تو کیونکر ہوتیں؟ جب آپ کی دور رس نگاہیں اس طلسم خروش آمد فصل بہار اور اس طوفان رنگ و بو کے دامان رنگین طراز کے اس پار عدم ثباتی اور ناپائداری کا ایک لق و دق صحرا دیکھ رہی تھیں ؎

میں گل کی ہر پنکھڑی میں چھپکر خزاں کا انجام دیکھتا ہوں
خراب رنگینی دو روزہ نگاہ فطرت شناس کیوں ہو

مکارم اخلاق کی لافانی دنیا:۔

اس تغیر و تبدل کی دنیا میں اس ظاہر پرست اور ظاہر بین دنیا میں اس ستمگر اور ستم کوش دنیا میں آپ کی صداقت کوش روح کو کیونکر تسکین حاصل ہو سکتی تھی۔ ایک صحیح الدماغ اور دور اندیش شخص کے لیے گذشتنی چیزوں میں مسرت جاودانی اور پائدار نشاط و شادمانی کی کشش سامانی نہیں ہو سکتی۔

آپ دنیا اور اس کے ساز و سامان کی بہار طلسم کار کی چند روزہ رنگینیوں اور رعنائیوں کو دیکھ کر مست رنگ و بو نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ ایک ایسی بہار مشکبار کے تمنائی تھے جس کے لیے کبھی خزاں نہ ہو۔ آپ ایک ایسے جہان جاوداں کے متلاشی تھے جہاں مکارم اخلاق کی حکمرانی ہو ؎

وہ سرزمیں جو پرے ہے آفت نصیب انساں کی سرزمیں سے
وہ سرزمیں جو پرے ہے رنج و ملال و عصیاں کی سرزمیں سے

وہ سرزمیں جو بہارِ جنتِ فردوس سے جگمگا رہی ہے!
وہ سرزمیں جو نجومِ سیماب پا کے غنچے کھلا رہی ہے

وہ سرزمیں جو فروغِ حسنِ ازل سے آباد و جاوداں ہے
وہ سرزمیں جو کہ قیدِ شام و سحر سے آزاد و جاوداں ہے

وہ سرزمیں جس کے مرغزاروں میں وسعتِ آسماں نہاں ہے
وہ سرزمیں جس کے راہ گزاروں میں شوکتِ کہکشاں نہاں ہے

وہ سرزمیں جس کے ذرے ذرے میں بیخودی سرسرا رہی ہے
وہ سرزمیں جس کے پتے پتے میں زندگی تھرتھرا رہی ہے

وہ سرزمیں جس میں کیفیت کے لطیف چشمے رواں دواں ہیں
وہ سرزمیں جس میں شعریت کے عفیف جلوے نہاں عیاں ہیں

وہ سرزمیں جس میں بندگی بیخودی میں تبدیل ہو رہی ہے
وہ سرزمیں جس میں بندگی چاشنی میں تحلیل ہو رہی ہے!

فضائے گل پوش رنگِ عرفانیت کی تصویر ہے سراسر
ہوائے مدہوش خوابِ روحانیت کی تعبیر ہے سراسر

شجر شجر کی نگوں سری سے عبودیت کا کمال پیدا
حجر حجر کی فسوں گری سے الوہیت کا جمال پیدا

حضور انور ﷺ کی ریاضت گاہ

کفرستان عرب کے کفر و بطالت کے مظاہرات سے دور جہالت و ضلالت کے گہوارہ اور بت پرستی کے مرکز اعظم سے دور، کنج گوشہ تنہائی میں کوہِ حرا کی ایک غار میں معتکف ہو کر آپ ﷺ کا تخیل بلند ہفت افلاک کی پہنائیوں کو طے کر کے عرش بریں کے تارے توڑتے اور اسرار طلسم

آپ دل کا انکشاف کرنے میں مصروف و منہمک رہتا تھا ۔

یہ فرش کیا ہے؟ یہ عرش کیا ہے؟ نشیب کیا ہے؟ فراز کیا ہے؟
یہ زندگی اور موت کی کش مکش کے پردے میں راز کیا ہے؟
یہ حلقہ صبح و شام کیسا! یہ رنج و راحت کا دام کیسا؟
یہ فطرت خوفناک کے دل میں جذبہ انتقام کیسا؟
یہ دامن آسمان پہ رنگ شفق کی خونیں بہار کیسی؟
یہ غنچہ زار نجوم بیں میں تابش بے قرار کیسی؟
یہ دہر ناپائدار کا ذرہ ذرہ مجبور کس لیے ہے؟
یہ بے نوا بے قرار انساں فغاں سے معمور کس لیے ہے؟

کارلائل کا خیال :۔

مشہور عالم مغربی فلسفی کارلائل نے اپنی عالی پایہ تصنیف " اکابر اور اکابر پرستی " میں آپ کے حالات پہ معجزات میں آپ کی اس ذہنی کیفیت کا تجزیہ یوں کیا ہے :۔

"سفر و حضر میں ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے ۔

میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ ـــــ کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا؟ ـــــ ہرگز نہیں، بلکہ گنبد گرداں گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا :۔

طائر وقت اپنے تیز رفتار پروں پر مائل بہ پرواز رہا، بہاریں آتی اور جاتی رہیں، زمین

اپنے تمام رنگین تخیلات کی انگلی رہی اور تماشائی آنکھیں اس بہاریں منظر سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ کفار و مشرکین کی باطل پرست پیشانیاں مخلوق خداوندوں کے آستان پر جھکتی رہیں۔ ستم کوش اور ستمگر حکمران اپنی ایک قہر آلود شکن جبین سے سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو خاک و خون میں تڑپاتے رہے۔

زبردست زیردستوں کو اپنی استبداد نوازیوں اور فتنہ انگیزیوں کے بے پناہ تیروں کی آماجگاہ بناتے رہے۔ اہل عرب کو طوفان در آغوش جوانیاں مستانیاں قدرت کے گلدستہ جمال عورت کے حقوق نسائیت غصب کرنے اور اپنی اپنی بدمستیوں کا سامان نشاط بنا کر ہوس کی بزم آرائیوں میں مصروف و مشغول رہیں مگر ایک حیرت انگیز انسان حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم جس کا سینہ کائنات انسانیت کو صراط مستقیم دکھانے کے جذبات کا سفینہ بنا ہوا تھا عین عالم شباب میں دنیا کی عام دنیاوی دلچسپیوں کو پائے تغافل سے ٹھکرا کر غار حرا کی تاریکیوں میں معتکف تھا۔ اور دکھی اور زخمی لوگوں کے دلوں کے لیے مرہم اعجاز کا نسخہ دریافت کرنے میں مصروف تخیل تھا۔

کتاب نبوت کا دیباچہ رنگیں :۔

وہ کامیاب و کامراں ہستیاں جو شہرت و عزت، عظمت و شوکت اور رشد و ہدایت کے آسمان پر نیر درخشاں بن کر نہایت آب و تاب سے چمکی ہیں۔ کوہ وقار استقلال اور سنگ خارا کی استقامت و پختگی کی مالک تھیں۔ استقلال و استقامت، جرات و بسالت، محنت و مشقت، نفس کشی اور عبادت ایسی پاکیزہ صفات ہیں جو کامیاب و کامران زندگی کا جزو اعظم ہیں سعی و کوشش کبھی بھی رائگاں نہیں جاتی۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفس کشی اور صبر و استقلال بھی آخر حنا سے بڑھ کر رنگ لائے۔ آپ کا قلب مبارک تجلیات نورانی کی آماجگاہ بنا شروع ہوا اور آپ رویائے صادقہ دیکھنے لگے۔ جو کچھ عالم خواب میں آپ کی نگاہیں غار حرا کی تاریکیوں میں دیکھتی تھیں وہی اس عالم آب و گل میں روز روشن کی روشنی میں ظہور پذیر ہوتا ہوا نظر آجاتا تھا۔

نبوت کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہونے کے لیے یہ ایک دیباچہ رنگین تھا۔ کچھ دیر راز و نیاز

حسن و عشق کے حالات کا یونہی سلسلہ جاری رہا۔

سرِ مبارک پر نبوت کا زرّیں تاج

آخر جب آپؐ سفرِ ہستی کی چالیس منزلیں طے کر چکے اور شب و روز زہد و تقدس اور تخیل و تصور سے آپؐ کا قلب انوارِ الٰہیہ کی ریزش کی برداشت کے لیے تیار ہو چکا تو ایک ساعت سعید میں ایک نورِ آسمانی حرا کی تاریکیوں میں چمکا۔ جس سے یہ مختصر سا غار تجلی زار صد طور بن گیا۔ آپؐ کی بند آنکھیں اس نور کی تاب نہ لا کر کھل گئیں تو ایک ذی جبروت فرشتہ کو سامنے حاضر پایا۔ اس نے آپ کی خدمت اقدس میں نہایت ادب سے التجا کی کہ خدا نے اپنی حجت آپ پر ختم کی اور آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ میں خدا کا فرشتہ جبرائیل ہوں۔ اور آپ کے پاس وحی لے کر حاضر ہوا ہوں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔	پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کی گوشت کے ایک لوتھڑے سے تخلیق کی۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں

یہ ایک عالم آشکارا حقیقت ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی مکتب میں داخل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا کہ اس لیے آپ فن تحریر و قرات سے قطعی ناواقف تھے۔

جبرائیلؑ کی درخواست پر آپؐ نے صاف کہہ دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ جبرائیلؑ نے آپؐ کو بغل میں لے کر خوب زور سے بھینچا۔ اور پھر کہا کہ اب پڑھو۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی پہلا جواب دہرایا۔ اب حضرت روح الامین نے پھر آپؐ کو آغوش میں لے کر زور سے بھینچا اور کہا کہ اب پڑھو۔ مگر حضور انور نے بدستور وہی پہلا جواب دیا۔

روح الامین نے ایک دفعہ آپ سے اور معانقہ کیا۔ اب انشراح صدر ہو جانے کی

وجہ سے آپؐ نے جبرئیلؑ کے ساتھ مل کر پڑھا پھر حضرت روح الامین آپ کو غار حرا سے باہر لے آئے اور دامن کہسار میں ایک چادر بچھا کر اس پر آپ کو جلوہ افروز کیا اور خود زمین پر زور سے پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا حضرت جبرئیلؑ نے خود وضو کیا اور آپ کو وضو کے قواعد سکھائے۔ پھر آپ کو اپنے اقتدا میں دو رکعت نماز پڑھائی اور آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے۔

جلالِ الٰہی کی لرزہ آفریں ہیبت:۔

ہرچند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلب مبارک انوار الٰہیہ کے پرتو کے لیے تیار ہو چکا تھا پھر بھی آپؐ آخر انسان ہی تھے۔ تقاضائے بشریت سے آپ کا قلب جلال الٰہی سے لبریز ہو گیا۔ آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

آپ کانپتے ہوئے گھر پہنچے اور اپنی فداکار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے چھپاؤ۔ وفا شعار بیوی آپ کو لرزہ بر اندام دیکھ کر گھبرا گئیں۔ انہوں نے جلدی سے آپ کو کمبل اوڑھایا۔ اور حقیقت حال دریافت فرمائی۔ آپ نے یہ استعجاب انگیز اور حیرت خیز واقعہ من وعن اپنی دلجو بیوی کے گوش گذار کیا۔ اور ہیبت و جلال الٰہی سے خوف زدہ ہو کر یہ بھی فرما دیا کہ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا تسلی بخش جواب:۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سنا اور پھر عرض کیا کہ:۔

" آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ آپ کا خدا آپ کے ساتھ ہے۔ وہ جو کچھ کرے گا بہتر ہی کرے گا۔ کیونکہ آپ مہمانوں کے خدمت گذار، راست گفتار، امانت گذار، مصائب میں لوگوں کے مددگار، یتیموں کے دوست و غمگسار، مسافروں کے یار اور مخلوق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے ہیں۔

آپؐ کی نبوت پر ورقہؓ کی شہادت :-

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل عبرانی زبان کا ایک جید عالم تھا اور تورات و انجیل کے مسائل پر پورا پورا عبور رکھتا تھا اس لیے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے پاس لے گئیں اور تمام واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان سے اس کی تشریح و تصریح کی طالب ہوئیں۔

ورقہ بن نوفل کی آنکھیں تو تمام حالات سن کر کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور عالم تحیر میں فرط انبساط سے پکار اٹھا۔

پاک ہے پاک ہے اللہ مجھے اس ذات والا صفات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ناتوان ہے۔

اے خدیجہ! اگر یہ واقعہ جو تو نے بیان کیا ہے درست ہے تو اس پر وہی ناموس اکبر نازل ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا اور وہ اس اُمت کا نبی ہے"

یہ الفاظ کہہ چکنے کے بعد پھر ورقہ کی زبان سے چند فی البدیہہ اشعار نکلے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے :-

"اے خدیجہ! جو بات مجھے تو کہتی ہے اگر یہ سچ ہے تو سمجھ لے کہ احمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ جبرائیل اور میکائیل دونوں خدا سے وحی لے کر اس کے پاس نزول کریں گے جو اس کے دین کی عزت حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور بہت سے بدبخت گمراہ اور شقی اس سے نیک بخت بن جائیں گے۔ لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔ کوئی تو خدا کی بہشت پالیں گے اور کوئی دوزخ کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ان فی البدیہہ اشعار سے تسلی و تشفی کر دینے کے بعد ورقہ بن نوفل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور آپ کی خدمت اقدس میں نہایت

عقیدت مندانہ طرز گفتگو میں عرض کیا کہ:۔

یہ وہی ناموس اکبر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش! کہ میں اس وقت عالم شباب کی منزل بہار میں ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کر دے گی تو اس وقت میں آپ کی مدد کرتا۔

عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کی اس گفتگو کے آخری فقرے کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت حیرت واستعجاب سے سنا اور دریافت کیا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی۔؟

ورقہ بن نوفل نے جواب دیا:۔

"ہاں! آپ کی قوم آپ کو ضرور نکال دے گی۔ آپ سے پیشتر بھی جس کسی نے ایسی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی ہے جیسی کہ آپ کرنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ دنیا نے کچھ اسی قسم کا سلوک روا رکھا ہے۔ اگر مجھے اس دن تک زندگی نصیب ہوئی جب آپ ہجرت پر مجبور ہوں گے۔ تو میں آپ کی مدد کروں گا۔"

توریت اور انجیل کے عالم ورقہ بن نوفل کی زبان سے اپنے پیغمبر ہونے کی شہادت سن کر حضور پرنور اپنے مکان پر تشریف لائے۔ سب سے پہلے جس خوش نصیب ہستی کے قلب پر اسلام کے ازلی اور ابدی نور کا پرتو پڑا وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چہیتی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جن کے صداقت کوش اور بے تاب و بے قرار دل کی روحانی تشنگی انہیں آج سے پندرہ برس پہلے کشاں کشاں اس چشمہ فیض کے پاس لے آئی تھی۔

صداقت رسولؐ کی بیّن دلیل:۔

انسان اپنے خیالات و جذبات تمام دنیا سے چھپا کر رکھ سکتا ہے مگر بیوی کو دھوکا دینا کسی طرح ممکن نہیں۔ بیوی سے زیادہ میاں کا اور کون آشنائے راز ہو سکتا ہے۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے پوشیدہ ترین پہلوؤں سے بھی واقف تھیں۔ جب آپؐ نے انہیں دعوت اعتقاد صالح دی تو انہوں نے بلا تامل اسے قبول کیا اور بصد مسرت آپؐ کی رسالت پر ایمان لائیں اور کہا لاریب آپؐ

وہی نبی ہیں جس کا طالبان حق کو ایک مدت مدید سے انتظار تھا۔ میں بصد خوشی مشرف بہ اسلام ہوتی ہوں۔

آپؐ نے انہیں وضو کرنا سکھایا اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس وقت تک مسلمانوں پر دو رکعت نماز ہی فرض تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو پانچ وقت کی نماز فریضہ مذہب قرار پائی۔

آپ کی دعوت حق پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا فی الفور ایمان لے آنا بلکہ اپنی دیرینہ آرزو کے بر آنے پر خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمانا اس بات کی بین شہادت ہے کہ آفتاب نبوت کے طلوع ہونے سے پیشتر بھی آپؐ کی زندگی دو رنگی سے جو آپ مفتری کا طغرائے امتیاز ہے قطعی پاک تھی، دنیا نے آپؐ کو دیانت و امانت، راست گفتاری و نیک کرداری کے اوصاف حسنہ سے متصف دیکھ کر اگر "الامین الصادق" کا معزز و ممتاز خطاب دیا تھا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پندرہ برس آپؐ کی زندگی کی شریک رہ کر کسی ایک موقعہ پر بھی لوگوں کی خوش اعتقادی کی تکذیب ہوتی نہیں دیکھی تھی۔ ایک صادق شخص کی درخشاں نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس سے جتنا زیادہ نزدیک ہوتا ہے اتنا ہی اس کے اخلاق فاضلہ اور شمائل مبارکہ کی سحر کارکشش اس کے دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ کیونکہ اس کو بہ نسبت دور رہنے والوں کے اس کے حالات و خیالات سے زیادہ باخبر رہنے کا موقعہ ملتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوبکر رسول برحق کے بچپن کے رفیق اور مخلص دوست تھے۔ آپ کی تمام زندگی آئینہ کی طرح ان کے سامنے تھی۔ جب انھوں نے آپ کے دعوائے رسالت کا ذکر سنا۔ فوراً کاشانہ نبوی میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ دنیا حضور اقدسؐ کی نسبت جو کچھ کہتی ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت موجود ہے؟ حضور انورؐ نے جواب میں فرمایا کہ اگر دنیا یہ کہتی ہے کہ میں نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ تو یہ حرف بحرف درست ہے حضرت ابوبکرؓ

نے کہا تو اچھا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کروں۔ اسی فی الفور ایمان لانے کی وجہ سے آپ صدیق کہلائے۔

حضرت ابوبکر صدیق ایک دولتمند، صائب الرائے اور عقیل و فہیم شخص تھے۔ نزود بازی کو آپ کی طبیعت میں بالکل دخل نہیں تھا۔ جو کام اختیار کرتے پہلے ہی اس کی جزئیات و تفصیلات پر پورا غور و خوض کر چکے ہوتے تھے۔ آپ کے اخلاق نہایت پسندیدہ اور قابل تعریف تھے آپ کی تقریر بھی بڑی دلپذیر اور دل کش ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کی وجہ سے مکہ میں آپ اس قدر بارسوخ اور ہر دل عزیز تھے کہ بڑے بڑے اہم معاملوں میں اہالیان شہر آپ کی رائے پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ ایسے مقتدر، واقف کار اور عاقل شخص کا ایمان لانا بھی پیغامبر اسلام کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا اثر و رسوخ اور بہت سی سعید روحوں کو جن کے قلوب صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، حلقۂ اسلام میں کھینچ لایا۔ جن میں جوان، بچے، بوڑھے، مرد، عورت ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ اس طرح فرزندان توحید کی ایک چھوٹی سی جماعت کفرستان عرب میں خدائے وحدہ لاشریک کی شان معبودیت کا اقرار کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ حضورؐ اقدس کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث بھی روز اول ہی آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے اور اپنے دل کو نور اسلام سے منور کیا۔

صداقتِ رسولؐ کی ایک اور درخشاں مثال:۔

ابھی تک نور اسلام سے نبی برحق حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریبی دوست اور پھر آگے ان کے دوستوں کے حلقۂ اثر کے لوگ ہی فیض یاب ہو رہے تھے۔ اب تک تبلیغ و اشاعت بھی اندر ہی اندر رازدارانہ طریقے پر ہوتی تھی۔ کیونکہ وقت کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ جب خدائے برتر و توانا کے حضور میں سر بسجود ہونے کا وقت آتا حضور اقدس سب فرزندان توحید کو ہمراہ لے کر کسی پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے اور وہاں یہ لوگ آپؐ کے اقتدا میں نماز ادا کرتے۔

ایک دن جب سرشاران بادہ توحید کی گردنیں خداوند قدوس کی شان معبودیت کا اقرار کرنے میں مصروف تھیں حسن اتفاق سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابی طالب تشریف لے آئے، جب حضور انور اور آپ کے متبعین مخلصین نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت ابی طالب نے حضور اقدس سے دریافت فرمایا:-

"اے میرے بھائی کے نور نظر! تم کس مذہب کے پیروکار ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ:-

میں اُس روشن و درخشاں اور شاندار مذہب کا پیروکار ہوں جو خدا کے نزدیک مقبول ترین ہے۔ جو اس کے فرشتوں کا مذہب ہے اور جو تمام انبیائے سابق کا مذہب تھا۔ آپ کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لیے مناسب ہوگا اگر آپ بھی اس دین ہُدیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوں"

حضرت ابوطالب نے اپنے برگزیدہ بھتیجے کا جواب بڑے غور سے سنا اور پھر فرمایا:-

"جس مذہب پر میرے آباؤ اجداد عمل پیرا رہے ہیں اُسے ترک کرنا میرے لیے انگشت نمائی کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں"

پھر اپنے لخت جگر حضرت علی رضؓ کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا

"بیٹا! تم نے اپنے لیے کونسا مذہب پسند کیا ہے؟

حضرت علی رضؓ نے جواب میں عرض کیا۔ کہ "میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں اور میرا مذہب اسلام ہے"

حضرت ابوطالب نے یہ جواب سن کر اپنے بیٹے کی طرف نہایت اطمینان کی نگاہ سے دیکھا۔ اور کہا:-

"بیشک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روگرداں نہ ہونا۔ یہ تمہیں جس راستے پہ چلائیں وہ تمہارے حق میں مفید ہی ثابت ہوگا"

کیا حضرت ابی طالب کے یہ الفاظ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاکیزہ و شاندار اور بے داغ زندگی کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ہیں؟ اور صداقت رسول کی ایک

واضح اور بین دلیل نہیں ہیں؟ حضرت ابی طالب سے حضورؐ انور کی زندگی کا کوئی پہلو محجوب نہ تھا۔ اگر ان کو آپؐ میں ذرا بھی نقص نظر آتا تو وہ اتنے دیوانے نہیں تھے کہ اپنے لخت جگر کا مستقبل آپؐ کے ہاتھ میں دے دیتے اور اسے اس آسانی سے آپؐ کے مذہب کا پابند رہنے کی اجازت دے دیتے۔ یہ آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ ہی کی برکت تھی جو آپ کے تعلق میں آنے والے ہر شخص کا دل ایک مقناطیسی کشش کے زیر اثر اپنی طرف کھینچ لیتی تھی آپ کی گذشتہ زندگی راست گفتاری اور نیک کرداری کے عدیم النظیر مظاہرات کی حامل تھی یہی وجہ تھی۔ کہ وہ لوگ جو آپؐ کی خلوت و جلوت سے پورے طور سے واقف تھے آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات کی تعریف و توصیف میں اس شدومد سے رطب اللسان تھے۔

توحید کی دعوت عامہ کا ظہور

کفر و شرک کی آندھیوں کے خوف سے پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نمازیں ادا ہوتی رہیں۔ تہذیب و تمدن کی روشنی نے چپکے چپکے بد تہذیبی اور جہالت کی تاریکیوں پر غلبہ پانا شروع کر دیا۔ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے والے عربوں کے ملک میں خدائے وحدہٗ لاشریک کے آستانہ عالیہ پر جھکنے والی گردنوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ مخفی سے مخفی چیزوں کے ظہور کے لیے بھی وقت مقرر ہے۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ توحید کی دعوت عامہ ظہور میں آجائے۔ چنانچہ داعئ حق نبی اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ آپؐ اپنے رشتہ داروں اور تعلق میں آنے والے لوگوں کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں، اور جو حکم آپؐ کو بارگاہ عالیہ سے ملا ہے اُسے صراحت اور وضاحت سے لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اس لیے اب آپ نے علی الاعلان اسلام کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی۔ اس کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ ؎

وہ مخز عرب زیب محراب و منبر ‏ ‏ تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمان داور ‏ ‏ سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالبؔ
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا ۔۔۔ کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا! ۔۔۔ تو باور کرو گے؟ اگر میں کہوں گا

کہ فوجِ گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے ۔۔۔ کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر میری بات یہ دلنشیں ہے ۔۔۔ تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں! ۔۔۔ بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دورِ صہبائے بطلاں ۔۔۔ مےِ حق سے محروم تھی بزمِ دوراں!

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا مونھ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا و جزا سے ۔۔۔ نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے!!
لگائی تھی اک اک نے لو ماسوا سے ۔۔۔ پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق ۔۔۔ زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق ۔۔۔ اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم!   اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم   اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم!

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں!   مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں   نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں!

رسول خدا پیشوائے عالم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ دعوت برحق تھی۔ آپ کا پیغام صداقت سے لبریز تھا بگر سامعین کے دل حق و باطل کی تمیز کا احساس کھو چکے تھے۔ دلوں پر صداقت کا رنگ بھی تب ہی چڑھتا ہے جب باطل کا زنگ دور ہو چکا ہو۔ کفار عرب مدت سے معبودان باطل کی پرستش کرتے چلے آئے تھے ان کے دلوں پر وساوس شیطانی اور اوہام باطلہ کی حکمرانی تھی۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے وقت سے لے کر جس بھول بھلیاں میں پڑے ہوئے چکر کھا رہے تھے عادت کی پختگی کے باعث اپنی دانست میں اسے شاہراہ حقیقی تصور کرنے لگے تھے۔ ان کے دلوں میں اعتقاد باطلہ پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط ہو چکے تھے۔ اور اب ان سے گریز کرنا انہیں اپنے حیطہ اختیار سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس دعوت حقہ پر بہت ناک بھوں چڑھائی۔ ابولہب ایسے شقی ازلی اشخاص تو نہایت دلخراش الفاظ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ باقی تمام مجمع بھی تھوڑی دیر میں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برا بھلا کہتا ہوا منتشر ہو گیا۔ صداقت کی اس اولیں صلائے عام کا نتیجہ سوائے مضحکہ اڑانے کے اور کچھ نہ ہوا۔ قریش کے دل سے آپ کی خوش اعتقادی کے تمام خیالات نکل گئے۔ وہی زبانیں جو کبھی آپ کو "الامین والصادق" کا قابل رشک خطاب دے چکی تھیں اب آپ کے خلاف زہر اگلنے لگیں۔ جن کے دلوں پر آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کا سکہ رواں تھا ان ہی کے مونھ سے اب آپ کے لیے ساحر،

مجنون اور دیوانہ کے الفاظ نکلنے لگے۔

آہ دنیا! شیطان کی مرید دنیا! تو نے ہمیشہ اپنے روحانی پیشواؤں کے خلاف اسی طرح علم بغاوت بلند کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

بے نظیر جوش تبلیغ :۔

صد آفریں ہے اس مصلح اعظم کی عدیم النظیر ہمت اور بے نظیر جوش تبلیغ پر کہ اس حوصلہ فرسا اور عزم شکن واقعہ سے بھی آپ کے استقلال میں اضمحلال نہ آیا۔

آپ نے اپنا کوہ وقار قدم صداقت کی جس سرزمین پر جما لیا تھا اس سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس قسم کی ناکامیابی آتش شوق کو اور بھی بھڑکا دیتی ہیں۔ اور کہ دنیا کے کامیاب ترین اشخاص ناکامیوں کے فرش خاک سے اٹھ کر ہی کامیابیوں کے عرش اعظم تک پہنچے ہیں ؎

سبق آموز ہیں ناکامیاں بیکار ہستی کی\
شکستہ دل سی آبادی ہو اس ویرانہ بستی کی

قریش کو دعوتِ طعام :۔

ابھی اس مایوس کن واقعہ کی یاد دلوں میں تازہ ہی تھی کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق اپنے ہاں قریش کو دعوت طعام دی۔ اس میں قریش کے تمام مشہور اور سرکردہ لوگ شامل تھے۔

جب مہمان کھانے سے فارغ ہوئے تو ابولہب نے انہیں ادھر ادھر کی باتوں میں لگایا اور جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر حضورؐ نے یہ دعوت کرائی تھی وہ مقصد فوت ہو گیا۔ اس لیے دوسرے دن پھر دعوت کا انتظام کیا گیا۔

دعوتِ اسلام:۔

جب سرداران قریش کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:۔

"اے لوگو! تمہاری عاقبت اور دنیا کی بہتری کے لیے کوئی شخص مجھ سے بہتر چیز لے کر نہ آیا ہوگا۔ میں تمہارے لیے دین اور دنیا کی سعادتیں لے کر آیا ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تمہاری پیشانیوں کو اس کے آستانہ عالیہ پر سجدہ ریز ہونے کی دعوت دوں۔ اور تمہارے دلوں سے ماسوا کی پرستش کا خیال باطل نکال دوں۔ پس تم سب لوگ بت پرستی اور شرک سے باز آجاؤ۔ خالص خدا پرستی کو اپنا شعار زندگی قرار دو۔ اپنے خیالات اور افعال کی اصلاح کرو۔ کون ہے جو میری اس دعوت حقہ پر لبیک کہے اور مجھے اس کی نشر و اشاعت میں مدد دے؟"

صدائے برنخاست! تمام مجمع پر ایک سناٹا طاری ہوگیا۔ مگر ایک سولہ سالہ نوجوان شیر کی طرح گرج اٹھا اور کہا:۔

اے رسول خدا! میں اگرچہ ان لوگوں میں سب سے کم عمر اور ناتجربہ کار ہوں مگر جب تک زندہ ہوں آپ کے دین کی اشاعت میں پوری سرگرمی سے کام لوں گا اور آپ کے لیے اپنی جان تک دے دینے سے دریغ نہ کروں گا۔

یہ اولوالعزم نوجوان ابوطالب کا نورِ نظر حضرت علی تھا۔ اگرچہ اس وقت اس نے پیغمبر اسلام کی حمایت کا بیڑا اٹھا کر اپنے تئیں اضحوکۂ قریش بنایا۔ مگر آنے والے زمانے نے ثابت کر دیا کہ اس نے اسلام کے قصرِ عالی شان کی تعمیر میں ایک مستحکم ستون کا کام دیا اور قریش کو دکھا دیا کہ مرد وعدے کا پاس اس طرح کیا کرتے ہیں۔

حضرت علی کا دل تو پہلے ہی نورِ اسلام سے منور ہو چکا تھا۔ پس حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ اسلام کی دوسری کوششوں سے بھی سوائے ناکامی کے اور کوئی شاندار نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ تمام مجمع قہقہے لگاتا ہوا منتشر ہوگیا۔

آنحضرتؐ کعبۃ اللہ میں:۔

یہ ناکامی حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آتش شوق کو اک اور تازیانہ ہوئی۔ آپ کعبۃ اللہ میں تشریف لے گئے اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کے نصب کردہ پتھر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے صدائے توحید بلند کی۔ بتوں کی سخت مذمت کی اور دین ہدیٰ کی دعوت دی خالص کعبۃ اللہ میں جسے بت پرستوں نے بیت الاصنام بنا لیا تھا۔

کفار اپنے بتوں کی کھلی ہوئی توہین کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ ان کے جذبات غیض وغضب برانگیختہ ہو گئے۔ اور فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

ایمان وکفر کی جنگ میں خون کا پہلا قطرہ

شمع توحید کے پروانوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محافظت میں جانیں لڑا دینے سے دریغ نہ کیا۔ اسی مدافعت میں حارث بن ابالہ جو ایک جان نثار مسلمان تھے جام شہادت نوش کر گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ خون کا پہلا قطرہ تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔ متعصب معترضین جو اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس کی نشر واشاعت تلوار کے زور سے ہوئی ہے، یہ ملال انگیز واقعہ یاد نہیں کریں گے جس میں ایک بے گناہ کا خون مخالفان اسلام نے پانی کی طرح بہا دیا؟ مجھے اعتراف ہے کہ بیشک ؎

آزادیٔ اسلام کا افسانہ رنگین
لکھا ہوا ہے سرخیٔ خون شہدا سے

مگر کفار کے ساتھ مسلمانوں کی صف آرائی جارحانہ نہ تھی۔ بلکہ مدافعانہ تھی۔ ایمان وکفر کی جنگ میں سب سے پہلی خون آشام تلوار جو نیام سے باہر ہوئی وہ کفار کی تھی اور وہ پہلا خون کا قطرہ جس سے زمین رنگین ہوئی ایک مسلمان کے خون کا قطرہ تھا جو کہ اشاعت اسلام نہیں بلکہ مدافعت اسلام میں بہا تھا۔

کفار کے غیظ و غضب کے شرارے

تمام کفار میں اسلام اور مسلمانوں کی روز افزوں ترقی کے خلاف غیظ و غضب کی ایک زبردست لہر دوڑ چکی تھی اور ان کی آتش حسد و عداوت کی چنگاریاں خرمن اسلام کو پھونک دینے کے لیے آمادہ تھیں۔ فرزندان توحید کو تباہ و برباد کرنے کی منحوس تجاویز ہر وقت سوچتے رہنا ان باطل پرستوں کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ ان کی آنکھوں اور دلوں پر جہالت کے تاریک پردے پڑ چکے تھے۔ ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ ان کے دل سیاہ تھے۔ وہ حق و باطل میں کوئی تمیز نہ کر سکتے تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کے خود تراشیدہ عقائد اور اپنے خود ساختہ مسائل کو ہی اصل دین حقیقی تصور کرتے تھے۔ اور اس خود ساختہ دین کی صداقت پر اس استواری اور عزم بالجزم کے ساتھ اڑ بیٹھے تھے کہ ان کی غیور سرکش اور ضدی طبائع کوئی دوسرا رنگ قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھیں۔ وہ کسی صورت میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص ان کے معبود خداوندوں کو باطل ٹھہرائے اور ان کی صنم پرستی کو حماقت کا ایک عظیم ترین مظاہرہ قرار دے۔

پتھر کے بے جان اور بے زبان بتوں کی حفاظت کے لیے خون آشام تلواریں لے کر زندگی اور موت کے میدان میں کھیل کر انسانی ہستیوں کو خاک و خون میں تڑپا دینے کے لیے وہ ہر وقت آمادہ تھے۔

حضرت ابو طالب کے پاس شکایت :۔

داعی توحید حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حق سرائی نے کفار کو چراغ پا کر دیا تو ان کے بہت سے سردار آپ کے حقیقی چچا ابو طالب کے پاس آپ کی شکایت لے کر پہنچے اور کہا :۔

"تم اپنے بھتیجے کو کیوں نہیں سمجھاتے ؟ وہ ہمارے عقائد کو حماقت اور ہمارے معبودوں کو باطل ٹھہراتا ہے۔ اور سر بازار ان کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ ہم اپنی اور

اپنے معبودوں کی توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ہمیں تمہارا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو اب تک کبھی کا اس سے نمٹ چکے ہوتے

ابوطالب نے اپنی دانش وعقل سے کفار کو تسلی وتشفی دے کر ان کے غیض وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ ان کو رخصت کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور یہ تمام باتیں آپ کے گوش گذار کیں۔

کفار کا آخری فیصلہ:۔

کفار کی ان دھمکیوں اور دھنالفتوں کا خوف آپ کے کوہ شکن عزم میں کوئی فرق نہ ڈال سکا آپ نے اپنی تحریک بدستور پورے جوش وخروش اور سرگرمی کے ساتھ جاری رکھی۔ اب کفار نے اس صدائے توحید کو ہر جائز وناجائز طریقے سے دبانے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور ان کے بڑے بڑے مقتدر اور جیدہ سردار ابوطالب کے پاس پہنچے اور فیصلہ کن لہجہ میں ان کو بتا دیا کہ:۔

"یا تو اپنے بھتیجے کو سمجھا لو کہ ہماری بت پرستی اور ہمارے عقائد کی مخالفت سے باز آجائے۔ ورنہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ اور ہم خود اس سے سمجھ لیں گے۔

ابوطالب نے سرداروں کو رخصت کیا اور خود اپنے حق پرست بھتیجے کے پاس آئے کفار کا آخری فیصلہ آپ کے گوش گذار کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ:۔

"لوگوں کے اشتعال کی آگ اب پورے طور پر بھڑک اٹھی ہے اور وہ سب مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اس لیے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اب تم اپنے عقائد کی تبلیغ اور بت پرستی کی تردید سے باز آجاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں نہ اُٹھا سکوں۔"

داعی حق کا سرفروشانہ جواب:۔

ابوطالب کے یہ الفاظ سن کر پیکر صفت روحانی کے ساتھ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے حاشیہ خیال میں یہ بات گذری کہ اب چچا آپ کی رفاقت سے دست بردار ہوتے والے ہیں۔ ان کی زبان سے یہ حوصلہ فرسا اور دل شکن الفاظ سن کر دل شکستہ ہونے کی بجائے آپ کے قلب مبارک میں استقلال واستقامت کی ایک بجلی سی کوند گئی۔ وفور جوش سے آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ آپ نے جذبات سے لبریز آواز میں کہا۔

"میری پرورش اور تربیت کا بار اٹھانے والے شفیق چچا ؎

میرے پہلو میں دل مضطر نہیں سیماب ہے

ارتکاب جرم الفت کے لیے بیتاب ہے

کیا بنی نوع انسان سے بے غرض محبت کرنا اور کفر سے تاریک دلوں کی ظلمت کدوں کو ایمان کی روشنی سے تجلی زار نور بنانے کی کوشش کرنا آپ لوگوں کی شریعت میں جرم ہے ؟ اگر یہ واقعی جرم ہے تو مجھے یہ کہنے کی اجازت بھی دیجیے کہ ؎

خدا گواہ اگر جرم ما ہمیں عشق است

گناہ کبر دسماں بجرم ما بخشند

کائنات انسانیت کو راہ راست پر لانے کی مساعی جمیلہ اگر راہ راست سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگوں کی نظر میں فہرست جرائم میں شامل ہیں تو مجھے افسوس ہے کہ اس دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت کے لیے بھی میں اس جرم سے باز نہیں رہ سکتا۔ صداقت کے لیے سرفروشی کا وہ جذبہ جو میرے دل میں کروٹیں لے رہا ہے مجھے یہ کہنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ میں اس وقت تک اسی طرح مجرم رہوں گا۔ جب تک میرے جسم میں خون کی آخری بوند بھی باقی ہے۔ یا تو اس دین ہدیٰ کے آفتاب درخشاں کی شعاعیں شرک وعرب کو روشن کر کے ہی رہیں گی یا پھر کفر کی تاریکیوں کے خلاف جدوجہد کرتا ہوا میں اپنی جان ناتوان کو حقانیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دوں گا میرا ارادہ سنگ خارا کی چٹان کی طرح مضبوط ہے اور اس فانی دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مخالفت بھی مجھے اس وقت تک اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی جب تک میرے جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے۔

راہ حق میں جو قدم اٹھ چکا ہے وہ اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹ سکتا جب تک میرے

شانوں پر سر موجود ہے۔ اگر باطل پرست دنیا میرے دائیں ہاتھ پہ آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب لاکر رکھ دے تو بھی میں تبلیغ حق سے باز نہ آؤں گا ۔

آں کس کہ اسپ ہمت در راہ خیر راند
یا بامراد گردد یا بے مراد ماند!

(۲)

یا بد عروج و رفعت مانند ماہ کنعاں
یا جاں دہد چوں عیسیٰ اودست مرد میداں

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد ۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سیماب صفت دل سے تڑپ کر نکلے ہوئے الفاظ نے ابوطالب کے دل میں بھی عزم واستقلال کا ایک شعلہ سا پھونک دیا۔ اس سرفروشانہ جواب سے متاثر ہو کر ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو امنڈ آئے ۔

وہ دل پکڑ کے بیٹھ گئے خواب گاہ میں
کیا چیز بھر نہ کمانے نے بھر دی تھی آہ میں

اس وقت جب ابوطالب کی آنکھوں کے گہوارہ میں رقت سے طفل اشک مچل رہے تھے اس نے اپنے کوہ وقار استقلال کے مالک بھتیجے سے کہا ۔

"اے بھتیجے! جا۔ جو بات تجھے منظور ہے وہ کہہ، خدا کی قسم میں تجھے دشمنوں کے حوالے کبھی نہ کروں گا۔"

سمجھے نہ وہ باتوں سے تو دامن پہ بڑھے ہاتھ

جب اس قسم کی افہام وتفہیم سے قریش کا مطلب حل نہ ہوا اور ایمان کی روشنی کفر کی تاریکیوں کو کافور کردینے پہ تلی ہوئی نظر آئی تو وہ ظلم وتشدد پہ اتر آئے اور پیغمبر حقانیت کے ساتھ نہایت سنگ دلانہ اور ظالمانہ سلوک روا رکھنا شروع کر دیا۔ آپ کی دو صاحبزادیاں

اپنے نورِ عصمت سے آپ کے چچا ابولہب کے دو بیٹوں کے کاشانوں کو منور کر رہی تھیں۔ ابولہب نے اپنے بیٹوں کو مجبور کر کے صاحبزادیاں رسولؐ کو طلاق دلا دی۔ اس طرح اس ناآشنائے مرتبہ رسول کافر نے نہ فقط رسول اللہؐ کی شان مبارک میں گستاخی ہی کی بلکہ اپنے بیٹوں کے کاشانوں کو جو غنچہائے لبستان رسول کی عطر آفریں بیٹیوں سے کاشانہ چمن بنے ہوئے تھے یکسر بیابان بنا دیا۔

اس شقی ازل کی ظالم بیوی حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستہ کو (جس کی خاک کحل البصر بنانے کے لائق تھی) یکسر خارستان بنا دیتی۔ اسی طرح وہ کف پا جن کی صفائی مہر و ماہ کی تابانی پر خندہ زن تھی بیابان کے خلش دار کانٹوں سے زخمی ہوتے رہتے باطل پرست ابولہب اس پیغمبر حقانیت کی اس پشت مبارک پر جسے چومنے کی سعادت بھی کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہو سکتی تھی پتھر مارتا اور آپؐ کے ٹخنوں کو لہولہان کر دیتا۔ نعلین مبارک خون سے بھر جاتیں۔

قارئین کرام اس بات سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب نہایت قریبی رشتہ دار ہی آپ کو اس طرح تختہ مشق جور و جفا بنانے پر تل گئے تھے تو اغیار جو کچھ بھی کر گذرتے تھوڑا تھا۔ ؎

دوست ہی دشمن جاں ہو گیا حافظ
نوشدارو نے کیا کیا اثر سم پیدا

قصۂ دار و رسن کا اعادہ :-

ایک دن حضور سرورِ عالم حرم محترم میں نماز ادا فرما رہے تھے جب خداوند تعالےٰ کے آستانہ عالیہ پر سجدہ ریز ہوئے تو عقبہ بن ابی معیط نے جو آپ کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھا اپنی چادر کو رسی کی طرح لپیٹا۔ اور حضور انور کی گردن میں پھندے کی طرح ڈال کر زور سے مروڑا رسیاں تک کہ گردن کے گھٹنے سے آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں آپ کے مخلص دوست حضرت ابوبکر صدیق آ گئے۔ ان کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہو چکا تھا۔

اپنے دوست اور مذہبی پیشوا کو اس حالت میں دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھے۔ فوراً عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ کر الگ کیا اور کفار سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"کیا تم لوگ اس شخص کو اس بنا پر گردن زدنی قرار دیتے ہو کہ وہ اپنے پروردگار کی وحدانیت کا قائل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے جو کچھ وہ تمہارے پاس لے کر آیا ہے وہ اس کے خداوندی وحدانیت پر کف دست سے زیادہ واضح دلیل اور آفتاب درخشاں سے زیادہ روشن ثبوت ہے۔

صداقت کی قیمت :۔

جونہی ایک سرشار وحدت کی زبان سے یہ الفاظ نکلے، کفار کے غصہ کا پارہ کھولاؤ کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ کر اس بے دردی سے زدوکوب کیا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔

آہ صداقت! تیری قیمت کس قدر گراں ہے۔

پاک پشت پہ ناپاک اوجھڑی :۔

ایک دن حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبۃ اللہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کے اشارہ پہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک نجاست آلود اوجھڑی آپؐ کی گردن مبارک پہ لا رکھی۔ آپ اسی طرح سجدے میں پڑے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی نور نظر فاطمۃ الزہراؓ آئیں اور انہوں نے وہ اوجھڑی آپ کی پشت مبارک سے اتار کر پھینکی اور پھر گردن اور پشت کو صاف کیا۔

باطل پرست صیادوں کا دام :۔

دنیا کی آبادی کی اکثریت سامان اقتدار و افتخار اور تعیشات کی ہمیشہ سے پرستار چلی آ رہی ہے اور آج بھی اس سامان سحر کار کی کشش سامانیوں سے اسی طرح آزاد نہیں جس

طرح آج سے تیرہ سو برس پہلے نہ تھی۔

کفار مکہ نے حضور انور کی تکالیف و مصائب کی برداشت اور اپنے اصول کے لیے جاں نثاری کے مظاہروں کو مال و دولت، نام و نمود، عزت و اقتدار اور عیش و عشرت کے حصول کی خواہش پر محمول کیا اور باہم فیصلہ کیا کہ آپؐ کی یہ سب خواہشات پوری کر دی جائیں۔ تاکہ آپ کی زبان حقیقت ترجمان ان کے مخلوق خداوندوں کے خلاف حقیقت سرائی کرنے سے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔ اور اس طرح ان کا آبائی دین جسے وہ صداقت کے موتیوں کا ایک شاندار خزانہ سمجھتے تھے، دست برد سے محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ کفار کے سربرآوردہ سرداروں کے متفقہ فیصلہ کے مطابق عتبہ ابن ربیعہ سرور عالمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کو مال و دولت کی تمنا ہے تو ہم اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تمام عرب میں کسی کے پاس نہ ہو۔ اگر آپ کو عزت و اقتدار کی خواہش ہے تو ہم آپؐ کو اپنا سردار اور بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر دنیاوی تعیشات کی آرزو ہے تو آپؐ کے ادنیٰ اشارے پر عرب کی حسین سے حسین عورتوں سے آپؐ کا حرم بھر دیتے ہیں اور اس تمام خدمت کے عوض میں آپؐ سے فقط یہ صلہ چاہتے ہیں کہ آپؐ ہمارے بتوں کی مخالفت چھوڑ دیں۔ ہمارے دین کو جھٹلانے کی کوشش سے باز آجائیں اور بس۔ پھر ہم آپ کے غلام ہیں آپؐ کا ہر حکم ہمارے سر اور آنکھوں پر۔"

امتحان کی کسوٹی پر :-

قارئین کرام! آپ نے کفار کی پیش کش کا حال پڑھ لیا۔ اب اس پیغامبر حقانیت کا جواب سننے سے پیشتر روزمرہ کی زندگی کے مشاہدات اور تجربات پر بھی ذرا غور فرمائیے اور دیکھیے کہ ان تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی ایسے شخص کے لیے غارت گر دین و ایمان ہے جو مامور من اللہ نہ ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کا قلب انوار الٰہیہ کے پرتو سے یکسر تجلی زار نور بنا ہوا نہ ہو اس قسم کے سامان عیش و عشرت کی سحرکار کشش کی طلائی زنجیر سے کیونکر آزاد رہ سکتا ہے۔ چاندی کی ان چمکتی ہوئی ٹکلیوں کی چکا چوند نے کتنے خدایان ملک و ملت کی

آنکھوں پر ٹھیکری باندھ دی ہے۔ عزت و اقتدار کے حصول کی محض تمناہی نے کتنے "بزرگوں" کو ضمیر فروشی پر مجبور کر دیا ہے۔

عورت!! اس گلدستہ جمال، اس پیکرِ ناز و ادا کی سحر کار نگاہوں نے کتنے عابدان شب زندہ دار اور کتنے زاہدان ایمان پرست کے جامہ پارسائی کی دھجیاں اُڑا کر رکھدی ہیں۔ ان تجربات و مشاہدات کی روشنی میں جب ہم مجسم استقلال و استقامت داعی حق نبی اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) روحی فداک کو دیکھتے ہیں تو حق پسندی کا تقاضا ہمیں یہ کہنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ لاریب آپ مامور من اللہ تھے۔ آپ کا سینہ نور الٰہی سے مطلع انوار بنا ہوا تھا اس عقل انسانی کی بلند پروازیوں اور ادراک کی فلک پیمائیوں سے بھی بلند و بالا قوت نے جس نے آپ کو اپنا پیغام بصیرت افروز سنانے کے لیے نبوت کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز فرمایا تھا آپ کے قلب مبارک کو خواہشات سفلیہ اور جذبات نفسانیہ سے بھی پاک و صاف کر دیا تھا۔ ؎

کہیں مست شراب عیش بد نامی نہ ہو جانا — غرور حسن سے شہرت کے شیدائی نہ ہو جانا
تماشا ہائے غفلت کے تماشائی نہ ہو جانا — کہ خود رائی سے تم محو خود آرائی نہ ہو جانا

خریدار مصائب بن کے دل میں جنس غم رکھو
جو سودائے وطن ہے قول کر اپنے قدم رکھو

حضور اقدس کا جواب :-

داعی حق سرور کائنات فخر موجودات نبی کریم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے بیان کو غور سے سنا اور بلا تامل فیصلہ کن لہجہ میں جواب دیا کہ میں تو حق اور صداقت کا داعی ہوں خدا کی طرف باطل پرست دنیا کو بلاتا ہوں۔ میرا دل تو اسی آرزو کا اسیر ہے نہ کوئی تمنا، نہ میرے سینے میں اور کوئی ارمان ہے نہ میرے دل میں اور کوئی خواہش۔ نہ میں عیش و عشرت کا دلدادہ ہوں نہ مجھے بزرگی اور اقتدار کی خواہش ہے۔ نہ تمہارا بادشاہ بننے کا تمنائی ہوں اور نہ تمہارے زر و مال کا حاجتمند۔ اس کے بعد آپ نے اس کلام بلاغت التیام سے جو آپ پر نازل ہوتا تھا چند آیتیں پڑھ کر عتبہ کو سنائیں۔

عتبہ بھی مسحور ہو گیا ہے :۔

حضور انور ابھی قراءت میں مصروف ہی تھے کہ عتبہ کو اور زیادہ سننے کی تاب نہ رہی وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور کفار قریش کے پاس آکر ہی دم لیا اور کہنے لگا کہ میں ایسا کلام بلاغت نظام سن کر آیا ہوں جو نہ جادو ہے اور نہ کہانت۔ (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ مجنون ہے نہ شاعر اور نہ ساحر۔ وہ اپنے قول کا سچا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، قریش نے نہایت افسوس کیا۔ کہ عتبہ پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو چل گیا ہے۔

فرزندانِ توحید ظلم و ستم کا تختۂ مشق

جب کفار قریش کے اس دام تزویر سے بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلند پرواز رہے تو ان کے غیض وغضب کے بارود میں یہ ناکامی چنگاری کا کام کر گئی۔ ان کے دل کینہ و عناد، فتنہ و فساد اور ظلم و ستم کی آگ سے اس طرح بھڑک اٹھے کہ ایران کے آتشکدے بھی ان کے آگے ماند پڑ گئے۔ انہوں نے عزم بالجزم کر لیا کہ مسلمانوں کو ہم انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز مصائب کا تختۂ مشق بنائیں گے اور بتوں کی مذمت کرنے کا مزا اچھی طرح سے چکھائیں گے۔

ہجرت حبش

خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

اب کفار و مشرکین کا ظلم و ستم اور جبر و تشدد برداشت کی حد سے بڑھ چکا تھا۔ فرزندان توحید کے لیے مکہ معظمہ میں ارکان اسلام کی بجا آوری نے بھی ایک امر دشوار کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ابوبکرؓ ایسے صاحب جاہ و اعزاز بزرگ بھی بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کر سکتے تھے ایک دن عبداللہ ابن مسعود حرم محترم میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے منع کیا۔ مگر اس فرزند توحید نے ان کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور تلاوت قرآن برابر جاری رکھی۔ اب تو کفار مشتعل ہو گئے اور اس سرشار نشۂ اسلام کو سرمستی کلام اللہ کے "جرم عظیم" کی پاداش میں اس زور سے طمانچے مارے کہ ان کے رخساروں پر انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے۔ مسلمان ہر طرح کے جور و جفا کا تختۂ مشق بننا گوارا کر لیتے اور کرتے آئے تھے۔ مگر اپنے مذہبی احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کی مداخلت ان کے حیطہ برداشت سے باہر تھی۔ مشرکین و کفار کو ایذا رسانی میں اس قدر بے باک دیکھ کر انھوں نے ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا۔ بارگاہ رسالت سے بھی اس خواہش پر منظوری کی مہر ثبت ہو گئی۔ کیونکہ نبی اکرمؐ تو مظلوم فرزندان توحید کو کفار کے ظلم و تعدی کے چنگل سے نکالنے کی تدابیر پہلے ہی سے سوچ رہے تھے۔ اب مسلمانوں کی طرف سے ایک معقول تجویز کو سن کر کیوں منظور نہ فرما لیتے۔ آپ نے ان کو حبش کے حکمران نجاشی کے رحم و کرم اور عدل و انصاف کے زیر سایہ پناہ گزین ہونے کی اجازت دی۔ اول اول پندرہ فرزندان توحید نے نشۂ بادۂ اسلام میں سرشار ہو کر گھربار اور وطن کی محبت کو حقانیت اسلام کے مذبح پر قربان کیا۔

یہ للہ لوردان منزل صداقت بندرگاہ تک پیدل گئے۔ پھر کشتی میں سوار ہو کر حبش پہنچ گئے۔

حبش ایک مسیحی سلطنت تھی اور اس کا فرمانروا نجاشی اپنی معدلت پروری اور عدل گستری، رحم دلی اور راست کرداری کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس نے ہر طرح فرزندان اسلام کے آرام و آسائش کیلیے ضروری سامان مہیا کیے۔ اور اس طرح یہ پندرہ فرزندان توحید دشمنوں کے نرغے سے نکل کر نجاشی کے ملک میں امن وچین سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اب ان کو ارکان اسلام کی بجا آوری کے سلسلہ میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ ان پندرہ مہاجرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ ابن عفان۔
(۲) حضرت ابوحذیفہؓ ابن عتبہ۔
(۳) حضرت عثمانؓ ابن مظعون۔
(۴) حضرت عبداللہ رضؓ ابن مسعود۔
(۵) حضرت زبیر رضؓ ابن العوام۔
(۶) حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف۔
(۷) حضرت مصعبؓ ابن عمیر۔
(۸) حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ۔
(۹) حضرت سہیل رضؓ ابن بیضا۔
(۱۰) حضرت جعفر بن ابی طالب رضؓ۔
(۱۱) حضرت حاطب بن عمر رضؓ۔
(۱۲) حضرت ام سلمہ رضؓ۔
(۱۳) حضرت سہلہ رضؓ۔
(۱۴) حضرت لیلیٰ عامرہ۔
(۱۵) حضرت رقیہ بنت رسولؐ زوجہ عثمان ابن عفان رضؓ۔

جب کفار پر اس راز کا انکشاف ہوا کہ کچھ سرشاران توحید مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے ہیں اور وہاں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا۔ وہ غصہ سے پیچ وتاب کھانے لگے اور حبش سے مسلمانوں کے اخراج کے لیے تجاویز سوچنے لگے۔ آخر سب کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ حبش کو ایک سفارت بھیجی جاوے جو نجاشی کے کان بھرے کہ جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں وہ باغی اور مجرم ہیں تم ان کو ملک بدر کر دو۔

نجاشی کے دربار میں کفار کی سفارۃ

عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو ابن العاص جو تھوڑے عرصہ بعد اسلام لائے اور بعد میں فاتح مصر بنے اس سفارت کے نمائندے منتخب ہوئے۔ انھوں نے حبش پہنچ کر پہلے درباریوں

اور پادریوں کو تحفے تحائف اور نذر نذرانے دے کر اپنی حمایت پر تیار کیا۔ پھر نجاشی کے دربار میں باریاب ہوئے اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد حرف مطلب زبان پر لائے کہ "ہم شہر مکہ کے باشندے ہیں اور وہاں کے سربر آوردہ اور چیدہ چیدہ سرداروں کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے شہر کے چند سر پھرے لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو بت پرستی کی شدید مخالفت کرتا ہے۔ اور نصرانیت کی بھی دھجیاں اُڑاتا ہے۔ ہم نے ان کو سمجھایا تو انھوں نے بغاوت کی۔ اور اب وہ آپ کے شہر میں سکونت پذیر ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان مجرم اور باغی لوگوں کو آپ اپنے ملک میں نہ رہنے دیں بلکہ ہمارے حوالے کر دیں۔"

نجاشی نے یہ سن کر مسلمانوں کو طلب کیا۔ اور دریافت کیا کہ تم نے کون سا مذہب ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے؟ اور کیا تم نے علم بغاوت بھی بلند کیا ہے؟

مسلمانوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے پیش کیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر مندرجہ ذیل تقریر کی جس سے پیغمبر اسلام کی ابتدائی تعلیمات کا خلاصہ بھی ہمارے ہاتھ آتا ہے۔

نجاشی کے دربار میں ایک فرزندِ اسلام کی تقریر:۔

اے حبش کے عادل حکمران! ہمارے ملک میں علم کی شمع بجھ چکی تھی۔ ہم راہ راست سے بھٹک کر جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ بت پرستی ہماری محبوب ترین پرستش تھی۔ مردار خواری سے ہمیں دریغ نہ تھا۔ سیاہ کاریاں ہماری گھٹی میں پڑی تھیں۔ ہمسایوں سے بدسلوکی ہمارے لیے ایک نہایت معمولی بات تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج تھا۔ ہم کو ایسی تباہ حالی میں دیکھ کر رحمت حق کو جوش آیا۔ اس نے ہمارے پاس اپنا برگزیدہ رسول بھیجا۔ جو ہماری قوم میں سے ہے۔ اور جس کے حسب و نسب، نیکی و صداقت، امانت و دیانت اور عصمت و عفت سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ اُس نے ہمیں خدائے وحدہ لاشریک

کی طرف بلایا اور اس کی وحدانیت کے قائل ہونے کا حکم دیا۔ شرک کو گناہ کبیرہ بتایا۔ بت پرستی کو حماقت کا ایک عظیم ترین مظاہرہ قرار دیا۔ ہم کو صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ (اور تمام فضائل اسلام بادشاہ کو گن دیے) کا حکم دیا۔ اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ کو زندگی کی بہترین برکت اور زینت قرار دیا گیا اور ہمیں بتلایا گیا کہ ہم صداقت، امانت، دیانت، عصمت اور عفت کی زندگی بسر کریں۔ سیاہ کاریوں سے باز آ جائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں بیواؤں سے نیک سلوک کریں خونریزیوں سے دور رہیں۔ اب ہم خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس کے احکام کی متابعت اور اس کے رسول کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کو اصل ایمان سمجھتے ہیں جن چیزوں کو خدا نے ہمارے لیے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ ان کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور جنہیں حلال قرار دے دیا ہے انہیں حلال سمجھتے ہیں۔ اپنے سے زیر دستوں پر ظلم نہیں کرتے فتنہ و فساد کر کے خدا کی زمین کو خون سے نہیں رنگتے۔ شرافت اور اخلاق کو زندگی کا زیور سمجھتے ہیں۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ جس کے احکام کی متابعت کے جرم میں ہماری قوم کے لوگوں نے ہمیں اپنے ظلم و ستم کے تیروں کی آماجگاہ بنایا۔ جب ہمارے لیے سوائے ہجرت کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا تو ہم نے صداقت کے مذبح پر اپنے گھر بار اور اپنے وطن کی محبت کو قربان کیا اور ہجرت کر کے تیری پناہ میں آ گئے۔ ہماری قوم کے لوگ تو ہمارے پیچھے کچھ اس طرح پیچھے جھاڑ کر پڑ گئے ہیں کہ کہیں پیچھا ہی نہیں چھوڑتے ہمیں یہاں امن و چین سے بستے سن کر یہاں بھی تختہ مشق جفا بنانے کے لیے آ گئے ہیں۔ ہم نے اور تاجداروں کو چھوڑ کر تیرے عدل و انصاف کے زیر سایہ پناہ لینے کو ترجیح دی ہے۔ امید ہے کہ تیری مملکت میں ہم پر ظلم و ستم نہ ڈھایا جائے گا۔

نجاشی مسحور ہو گیا۔

صداقت کے رنگ میں رنگی ہوئی اس تقریر نے نجاشی کے راستی پسند دل پر بہت اچھا اثر کیا۔ تقریر سننے کے بعد اس نے جعفر بن ابی طالبؓ سے کہا کہ اب مجھے اس کلام کا کچھ حصہ بھی سناؤ جو تمہارے رسول پر نازل ہوا ہے۔

جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے حکم کی تعمیل کی اور سورہ مریم کی چند آیتیں سنائیں ۔ کلام الٰہی کے دلگداز اثر سے نجاشی پر رقت کا عالم طاری ہوگیا ۔ گہوارہ چشم میں طفل اشک مچلنے لگے بے اختیار اس کی زبان پکار اٹھی ۔ خدا کی قسم یہ کلام بلاغت نظام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں ۔ بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی رفیع المنزلت پیغمبر ہیں جن کی آمد کی بشارت انجیل میں موجود ہے ۔ اگر مجھے امور سلطنت سے فرصت ملتی ۔ تو میں خود آپ کی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ۔ اور آپ کی فیض آثار تعلیم سے مستفید ہوتا ۔"

پھر کفار کی سفارت کے نمائندوں سے مخاطب ہو کر کہا ۔

"مسلمانوں سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا ہے ۔ وہ نہایت نیک منش اور راہ راست کے متلاشی لوگوں کا گروہ ہے ۔ تم نے ان کی اصلاحی تحریک کی ترقی کی رفتار میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی ۔ ان کو ان کی راست پسندی اور حق طلبی کے جرم میں جور و جفا اور جبر و تشدد کے شکنجہ میں جکڑا وہ ہجرت پر مجبور ہوئے ۔ اب وہ میری پناہ میں ہیں ۔ میں انہیں تیرے ظلم و ستم کی کند چھری سے ذبح ہونے کے لیے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا ۔

قریش کے دل میں مسلمانوں کی ذلیل کرنے کی کیا کیا تمنائیں نہ تھیں ۔ مگر نجاشی کے جواب نے ان سب پہ پانی پھیر دیا ۔ ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کفار کی عیّارانہ چال :۔

کفار کی سفارت کے نمائندے مایوس و دل شکستہ ہو کر نجاشی کے دربار سے اپنی اقامت گاہ کو لوٹے ۔ وہ تمام رات انہوں نے عروس کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لیے دوبارہ کوشش کرنے کی تجاویز سوچنے کے لیے آنکھوں میں کاٹی ۔ آخر دماغ لڑ گیا ۔ دوسرے دن عمرو بن العاص پھر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ "میں نے اس لیے دوبارہ حضور کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ہے کہ آپ کو اس بات سے آگاہ کر دوں کہ ان مہاجرین کا عقیدہ حضرت مسیحؑ کے خلاف ہے اور وہ اس جلیل القدر پیغمبر کو

ہانت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"
مسلمانوں کو پھر دوبارہ طلبی ہوئی۔ نجاشی نے سوال کیا۔
"تمہارا حضرت مسیح ابن مریم کی نسبت کیا خیال ہے؟"
فرزندان توحید نے جواب دیا "کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔ ان کی پیغمبری پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔"
نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا لیا۔ اور کہا "بخدا کی قسم تمہارے اس بیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں۔"
نجاشی کی معاملہ فہم نگاہیں پہلے ہی تاڑ گئی تھیں کہ ہو نہ ہو اس سفارت کی تہہ میں کچھ شرارت موجود ہے۔ اب اس عیارانہ چال نے رہی سہی پول بھی کھول دی۔ اس کے دل میں قریش کے لیے ہمدردی کا ایک شمہ بھی نہ رہ گیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر سفارت کے نمائندوں سے کہا:-
"جاؤ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور پھر کبھی مجھے منہ نہ دکھاؤ ؎
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

امیر حمزہ کا مشرف بہ اسلام ہونا

خدا شرے برانگیزد — کہ خیرے مادران باشد

امیر حمزہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے واقعہ کو سرسری نظر سے دیکھنے سے بھی ایک نہایت درخشاں مثال ہمارے ہاتھ آتی ہے جو اس بات کو واضح اور روشن کر دیتی ہے کہ کفار کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد نے اسلام کی نشر و اشاعت میں ایک بہت بڑا حصہ لیا ہے مگر یہ کس قدر کور ذوقی اور بے انصافی ہے کہ کفار کے ظلم و تشدد کو مظلوم فرزندان توحید کے سر تھوپا جاتا ہے۔ ظالم کو مظلوم بنانا خود اپنی ظالمانہ فطرت کو بے نقاب کرنا ہے۔ روز روشن کی طرح صاف اور روشن واقعات کو اپنے تعصب اور جہالت کی

تاریکیوں میں چھپانے کی کوشش کرنا انصاف اور عقل سلیم کا خون کرنا ہے۔

اسلام کے دشمن ازلی کا بکواس:۔

حضرت امیر حمزہ پیغمبر اسلام کے چچا تھے۔ ایک دن جب آپ سیر و شکار کے لیے باہر گئے ہوئے تھے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوہ صفا کی طرف تشریف لے گئے۔ راستہ میں شپرہ چشم ابوجہل سے ملاقات ہوئی۔ ابوجہل اسلام کا دشمن ازلی تھا۔ اس کی ساری زندگی اسلام کی اشاعت کی رفتار میں رکاوٹیں ڈالنے اور داعی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے گذری۔ وہ حضور انور کو دیکھتے ہی جا بلانہ باتیں بکنے لگ گیا۔ اور آپ کی شان اقدس میں گستاخی کر کے اپنی جہالت کا عملی ثبوت دینا شروع کر دیا۔ مگر صد آفرین ہے آپ کی قوۃ صبر و ضبط پر۔ آپ کی زبان فیض ترجمان اس تمام یاوہ گوئی کو سن کر خاموش ہی رہی اور آپ کا دل اس دشمن ازل کی دشمنی پر نہیں بلکہ اس کی جہالت پر کڑھتا رہا۔ جب ابوجہل نے اچھی طرح بک جھک کر اپنے دل کا بخار نکال لیا تو وہ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف کو چل دیا اور حضور رسول اکرم نے بھی خاموشی کے عالم میں سر جھکائے ہوئے اپنی راہ لی۔

امیر حمزہ کا خون جوش میں آگیا:۔

امیر حمزہ کی ایک کنیز تشدد اور عدم تشدد کے اس عدیم النظیر واقعہ کو غور سے دیکھ رہی تھی اس نے ابوجہل کی زیادتیاں بھی دیکھیں اور حضور انور کا صبر و ضبط بھی ملاحظہ کیا۔ جب امیر سیر و تفریح سے لوٹے اور گھر میں قدم رکھا تو کنیز نے کسی اور بات سے پہلے یہی دل گداز واقعہ ان کے گوش گذار کیا۔ امیر حمزہ کا دل اگرچہ ابھی تک نور اسلام سے منور نہ ہوا تھا مگر وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کی نور پاشیوں سے تجلی زار بنا ہوا تھا۔ حضور انور کی شان میں یہ گستاخیاں سن کر آپ کو برداشت کی تاب نہ رہی۔ غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے اس ظالم کی تلاش میں نکلے۔ آخر وہ گستاخ و بے باک کافر حرم محترم میں مشرکین کے گروہ میں بیٹھا ہوا مل گیا۔

ابوجہل کی عبرت انگیز سزا:۔

امیر حمزہ رضؓ نے جاتے ہی اس کے مونھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ رخسار پر پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ پھر بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور کہا:۔

"ناہنجار کیا تو اپنی طاقت پر مغرور ہے؟ کیا تیرے دماغ پر اس خیال باطل نے تسلط جما لیا ہے کہ اور کوئی تیرا مقابلہ کرنے والا ہی نہیں ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میرا خون کا رشتہ تو پہلے ہی تھا، اب روحانی رشتہ بھی ہو گیا ہے؟ اس بات کو نقش فی الحجر بنا لے کہ اگر پھر کبھی میرے کانوں نے اس قسم کی ہزیان سرائی سنی تو تجھے زندہ دفن کرا دوں گا۔"

ابوجہل کی فطری جہالت اب بھی اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہوئے بغیر نہ رہی اور وہ سوقیانہ مغلظات پر اتر آیا۔ اس دشنام طرازی نے آپ کے غصہ کی جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ آپ نے اپنی زبردست کمان اس کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔

امیر حمزہ رضؓ بارگاہ رسالت میں:۔

اب امیر حمزہ اپنے دل میں ابوجہل کو اس کی گستاخیوں کا مزا چکھا چکنے کی خوشی لیے ہوئے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت اقدس میں اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لیے حاضر ہوئے اور فرط محبت سے کہا:۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج میں ایک ایسا شاندار کارنامہ سرانجام دے کر آیا ہوں جسے سن کر آپ کا دل مسرت سے لبریز ہو جائے گا۔"

آپؐ نے متبسم ہو کر فرمایا: "ذرا میں بھی تو سنوں کہ آپ کا وہ شاندار کارنامہ کیا ہے؟"

امیر نے نہایت اطمینان و مسرت سے کہا: "میں ابوجہل کو اس کی گستاخیوں کی کماحقہ سزا دے آیا ہوں۔"

رحمۃ للعالمین کے دل میں کسی متنفس کے لیے بھی ذاتی عناد نہ تھا۔ کسی ظالم کے ظلم و ستم کے

کے انتقام کا خیال آپ کے خواب میں بھی نہ آیا تھا۔ آپؐ کی تمام خوشیاں، آپ کی تمام مسرتیں اشاعت اسلام کے ساتھ وابستہ تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "بے شک مجھے آپ کی اس ارادت اور محبت کا جو کہ آپ کے دل میں میرے لیے موجود ہے، اعتراف ہے۔ مگر چچا! میں تو خوش اس دن ہوں گا جب آپ مشرف بہ اسلام ہوں گے اور یہی آپ کا حقیقی شاندار کارنامہ ہوگا۔

امیر حمزہ حرم محترم میں اپنے اسلام لانے کا ذکر تو پہلے ہی کر آئے تھے۔ اور اب آپ کے سامنے سچے دل سے کلمہ شہادت :۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

پڑھا۔ اور وعدہ کیا کہ جیتے جی اس پاک مذہب سے انحراف نہ کروں گا۔ آپ اس شان و شوکت و جاہ و حشمت اور رعب و داب کے بزرگ تھے کہ آپ کے اسلام لانے کی خبریں سن کر مشرکین و کفار کے سیاہ کار دل سینوں کے اندر لرز کر رہ گئے۔

کیا یہ رسول اکرمؐ کی شان اقدس میں ابوجہل کی گستاخانہ زیادتی ہی نہ تھی جس نے امیر حمزہؓ کا ہاتھ پکڑ کر اسے مسلمانوں کی مختصر سی جماعت میں لا کھڑا کیا؟

تشدد کی کالی گھٹاؤں سے باران رحمت :۔

کفار کی سفارت کا نجاشی کے دربار سے اپنے ناپاک مقصد میں نامراد واپس لوٹنا کیا تھا ان کے غیظ و غضب کی شعلہ زن آگ پر تیل کی ایک دھار تھی۔ انھوں نے اسلام کی ترقی کا سدباب کرنے کے لیے اس بات کا اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر قلم کر کے لائے گا اُسے سو اونٹ کا گراں قدر انعام دیا جائے گا۔ اس ظالمانہ کارروائی کا بیڑا عمر ابن خطاب نے اٹھایا۔ اس عمر نے جس کی شجاعت اور دانش مندی کے کارنامے آج تک ضرب المثل بنے ہوئے ہیں۔ وہ ایک بارسوخ اور باثر آدمی تھا۔ اس اکیلے کی مخالفت اشاعت اسلام کی رفتار میں روڑا اٹکانے میں ہزار کفار سے کم نہ تھی۔ اس کا حلقہ بگوش اسلام ہونا بھی کفار کے اس جبر و تشدد کی ایک درخشاں مثال ہے جو انسانی قلوب کی کشت زار میں اسلام کی تخم ریزی کے لیے ان کی کوششوں اور تمناؤں کے خلاف ہمیشہ باران رحمت

ثابت ہوا ہے۔

داعیٔ حق اور پیشوائے عالم کے قتل کا بیڑا اٹھانے کے بعد عمرؓ اپنی خون آشام تلوار کو برہنہ کر کے ہوا میں گھماتا ہوا نہایت جوش و خروش اور غیض و غضب کی حالت میں مکہ کے بازاروں میں آپؐ کی تلاش میں نکلا۔ اور ادھر کارکنان قضاؤ قدر نے اپنے مقصد کی تکمیل شروع کر دی۔ عمرؓ کا دل خون کا پیاسا تھا۔ مگر اس کی تلوار کے جوہر زنگ آلودہ ہونے شروع ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ راستے میں نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی جو رسول اکرمؐ کی شمع رسالت کے پروانے تھے۔ انہوں نے دریافت فرمایا۔

"عمرؓ! کہاں جاتے ہو"؟

عمرؓ نے نہایت جوش سے جواب دیا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر تن سے جدا کرنے"!

نعیم نے کہا "پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمانوں کی مختصر سی جماعت میں دو فرزندان توحید کا اضافہ کر چکے ہیں"!

یہ سن کر عمرؓ کا چہرہ مارے غصہ کے لال بھبوکا ہو گیا۔ وہ کچلے ہوئے ناگ کی طرح غصہ سے پیچ و تاب کھاتا ہوا بہن اور بہنوئی کی طرف پلٹا۔ وہ شمع توحید کے پروانے خباب بن الارت سے قرآن شریف سن رہے تھے۔ غیض و غضب کی حالت میں عمر نے زور سے دروازہ پر دستک دی۔ اہل خانہ نے سمجھا معاملہ بے ڈھب ہے۔ جلدی جلدی قرآن شریف کے اجزاء کو چھپایا اور خباب بن الارت نے کسی کونے میں پناہ لی۔ بہن نے پھر ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ عمرؓ نے اندر آتے ہی ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ بہنوئی سے دست و گریباں ہو پڑا اور بہن بیچ بچاؤ کرنے آئی تو اس غریب پر بھی برس پڑا۔ اور مار مار کر زخمی کر دیا تو غیرت نسوانی جوش میں آئی۔ اسلامی استقلال میں اہرام کی سی استواری پیدا ہو گئی۔ مظلوم بہن نے ظالم بھائی سے صاف صاف کہہ دیا۔ ؎

خوف بندوں کا نہیں خوف خدا رکھتے ہیں

پاس حریت و احساس وفا رکھتے ہیں!

دل کو آمادہ تسلیم و رضا رکھتے ہیں
جان کو مورد اندوہ و بلا رکھتے ہیں!

کنز ایمان کو سینوں میں چھپا رکھا ہے
نور اسلام کو آنکھوں سے لگا رکھا ہے

حق باطل پر غالب آگیا:۔

ایک شجاع کا دل بھی شجاعت پسند ہوتا ہے۔ عمر اس دلیرانہ جواب سے بہت متاثر ہوا۔ اس کے دل میں اس تعلیم کو سننے کی خواہش پیدا ہو گئی جس نے بہن اور بہنوئی کو اس قدر دلیر اور مستقل مزاج بنا دیا تھا کہ ننگ جل کو سامنے دیکھ کر بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتے تھے۔ اس نے کہا "جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ"۔ انھوں نے خباب بن الارت کو اس کی جائے پناہ سے باہر نکالا۔ سرشار وحدت صحابی نے قرآن شریف کی قرات شروع کی۔ عمرؓ نے بہت چاہا کہ اس تعلیم کا اس کے دل پر اثر نہ ہو۔ مگر یہ اس کی طاقت وہمت سے بالاتر تھا۔ کلام حق کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں تیر و نشتر کی طرح اتر گیا۔ جب قاری کی زبان نے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے الفاظ ادا کیے تو حق باطل پر غالب آگیا۔ اور عمرؓ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

عاشق اسلام عمرؓ بارگاہِ رسالتؐ میں:۔

اب عمرؓ دل میں اسلام کا نور اور قلب میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کا سرور لیے ہوئے حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے چلے۔ آپ ان دنوں ارقم بن مخزومی نامی ایک صحابی کے ہاں تشریف رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا مکان بہت وسیع تھا۔ وہاں فرزندان اسلام اکٹھے ہو کر آپ کی تعلیم و ہدایت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ اس وقت بھی آپ تعلیم و ہدایت کا مقدس فرض سرانجام دے رہے تھے۔ عمرؓ نے دروازہ

پر دستک دی۔ جب سے عمر ایسے خون آشام بہادر نے حضور انور کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ صحابیوں کے دل سینوں کے اندر لرز رہے تھے سا۔ اب اس دستک کو سن کر جو دریافت کیا گیا کون ہے"؟ اور جواب ملا عمر بن الخطاب" تو صحابی خوف سے رعشہ بر اندام ہو گئے۔ مگر امیر حمزہ رض نے سب کو تسکین دی اور کہا کہ "اگر عمر مخلصوں کی طرح آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

دروازہ خود حضور انور نے کھولا اور نہایت اطمینان اور شفقت سے دریافت فرمایا "اے خطاب کے بیٹے! کونسی غرض تجھے میرے پاس لائی ہے؟

عمر رض کی خون آشام تلوار اب عریاں نہ تھی وہ اسلامی تہذیب کا جامہ نیام پہن چکی تھی۔ وہ اب خون کا پیاسا عمر رہا نہ تھا۔ کلام حق کے دل گداز اثر سے اس پر رقت کا عالم طاری تھا۔ اب وہ عاشق اسلام اور عاشق رسول تھا۔ فرط محبت سے اس کے گہوارہ چشم میں طفل اشک مچل رہے تھے۔ اس نے دفور جذبات سے لبریز آواز میں کہا کہ "مجھے اس لیے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی جسارت ہوئی ہے کہ میرا کفر صداقت اسلام کی طاقت سے ہزیمت خوردہ ہو گیا ہے۔"

حضور انور نے آگے بڑھ کر حقیقی بھائیوں کی طرح اس سے معانقہ کیا۔

حضور انور کی دعا مقبول ہوئی :۔

اسلام کی نشر و اشاعت کی ترقی کے لیے آنحضرت نے دعا فرمائی تھی کہ مخالفان دین ہر سلے کے سرغنہ دو عمروں (ابوجہل اور عمر بن الخطاب) میں سے ایک کا دل نور اسلام سے منور ہو۔ محبوب خدا کی وہ دعا در حق سے اجابت کا جامہ پہن کر آ گئی تھی وہ سب تمنائیں جو کسی ایک عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس کے دامن اثر و اقتدار سے وابستہ تھیں مجسم ہو کر حضور انور کی آنکھوں کے سامنے آ گئیں۔ اس خوش آئند واقعہ کے اثر فرحت انجام سے متاثر ہو کر آپ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ تمام صحابیوں نے بھی مسرت کے عالم میں ہم آہنگی سے یہ پر جلال صدا بلند کی جس سے مکہ معظمہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں

اور مخالفین اسلام کے دل لرز اُٹھے

تاریخ تبلیغ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ

حضرت محمد رسول اللہ کی تمنائیں بر آئیں۔ عمر بن الخطاب کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے تاریخ تبلیغ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ ہوا مسلمان کفار کی مخالفت کے خوف کی وجہ سے ارکان اسلام کی علانیہ بجا آوری سے معذور تھے۔ مگر آپ نے مشرف بہ اسلام ہوتے ہی کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے کی تحریک شروع کی۔ کفار اور مشرکین نے بہت سر اٹھایا اور ہنگامہ عظیم برپا کیا۔ مگر اس تحریک نے ایک بے پناہ سیلاب بن کر ان کی تمام مخالفانہ کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اور فرزندان اسلام حرم محترم میں علی الاعلان نماز ادا کرنے لگے۔

کفار کی مجلس مغالطہ

جب کفار کی سفارت حبش کے حاکم نجاشی کے انصاف پسند دربار سے ناکام و نامراد اپنا سا موہنہ لے کر واپس لوٹی تو اُن کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ بڑے بڑے سرداروں کی کوششوں کے باوجود بنو ہاشم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں تو ان کو بڑی سخت تشویش ہوئی کہ باوجود ہماری شبانہ روز کی مخالفتوں کے اسلام ایک بے پناہ سیلاب کی طرح بڑھتا چلا آتا ہے ایسا نہ ہو کہ کسی دن ہمارا آبائی دین ہی اس کی طوفان خیز موجوں میں غرقاب ہو جائے۔ امیر حمزہ اور عمر بن الخطاب ایسے صاحب اثر و اقتدار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ اگر اس نئے دین کی روز افزوں ترقی کا یہی حال رہا تو پھر ہمارے آبائی دین کے صفحہ دنیا سے مٹ جانے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ ان تمام باتوں پر غور کر کے اشاعت اسلام کے راستہ میں مزید روڑے اٹکا کر حق کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے باطل پرستوں نے ایک مجلس قائم کی۔ عقل کے اندھوں کو کیا خبر تھی کہ حق، باطل سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ کفار کے سرداروں نے جو اسلام کی

مخالفت پہ اُدھار کھائے بیٹھے تھے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تقریریں کیں۔ آخر کامل اتفاق رائے سے فیصلہ یہ ہوا کہ بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا جائے۔ اس مضمون کا ایک عہد نامہ مرتب کیا گیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم سے قرابت نہ کرے گا۔ نہ کوئی ان کے ہاتھ خرید و فروخت کر سکے گا۔ ماکولات اور مشروبات سے ان کو قطعی محروم رکھا جائے گا۔ سلام و کلام قطعی بند کر دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ یہ لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تیغ کے گھاٹ اتار دینے کے لیے) ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ کفار کے تمام سربرآوردہ سرداروں نے اس معاہدہ پر مہریں ثبت کیں پھر اس معاہدہ کو خانہ کعبہ پہ آویزاں کر دیا گیا۔

قید و بند کے مصائب :-

بنو ہاشم کو اس سوشل بائیکاٹ سے سخت تکالیف کا سامنا ہوا۔ مگر انہوں نے لوہے کے کلیجے اور پتھر کے دل کر کے ان تمام مصائب و شدائد کو برداشت کیا کفار نے ایک دن ابو طالب کو ملا کر اسے فیصلہ کن لہجہ میں بتایا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ پھر ہمارا تمہارا فیصلہ نیزوں کی نوک پہ ہی ہوگا۔ جب سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلتا تو ٹیڑھی کر کے نکالا جاتا ہے۔ افہام و تفہیم کی حدود سے اب معاملہ گذر چکا ہے۔ تم کسی طرح نہیں مانتے اب بھی ضد کرو گے تو فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔

ابو طالب کو یہ کسی طرح گوارا نہ ہوا کہ اپنے عزیز بھتیجے کو دیدہ و دانستہ موت کے مونہہ میں بھیج دے۔ پھر وہ نادم واپسیں اس کی رفاقت اور حفاظت کا وعدہ بھی کر چکا تھا اور یہ اب وہ وعدہ شکن نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے کفار کو کورا جواب دے دیا کہ ہم جیتے جی حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس پر کفار نے پیغمبر حقانیت کو معہ خاندان کے شعب ابو طالب میں محصور کر دیا۔

شعب ابو طالب مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پہ ایک احاطہ تھا اور بنو ہاشم کی موروثی ملکیت تھا۔ اس گھاٹی میں اس مظلوم خاندان کے تین سال جس طرح گذرے وہ مصیبتوں اور تکلیفوں کی ایک دلدوز داستان ہے۔ فاقہ کشی تک نوبت پہنچ گئی۔

معصوم بچے بھوک کی شدت سے تڑپتے تھے، درختوں کے پتے جنگلی گھاس پھوس کی جڑیں کھا کر آدھے پیٹ سو رہتے تھے۔ غریب عورتیں بچوں کی حالت زار پر گریہ وزاری کرتی تھیں۔ آہ باطل پرست دنیا! شیطان کی مرید دنیا! تو نے اپنے علم برداران حقانیت ووحدانیت اور برگزیدہ بندوں پر کیسے کیسے زہرہ گداز ستم توڑے ہیں!!

قدرداں نہیں ہیں دنیا میں صاحب کمال کے

اس ناقدر شناس دنیا میں انسان کا کمال ہی اس کے لیے بلائے جان ثابت ہوتا ہے پھولوں کی لطافت ونزاکت ہی ان کو دست گلچیں میں پہنچاتی ہے۔ بلبل کی نغمہ سرائیاں ہی اس کے لیے دام صیاد بنتی ہیں ؎

گل دگلچیں کا شکوہ بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

قابل صد مبارک باد اسیری:۔

دنیا کے بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبروں اور ریفارمروں کو دنیا نے اس قسم کی جیلوں میں ٹھونسا ہے۔ مگر کتنی مقدس ہیں اس جیل کی دیواریں جس میں کوئی مقدس ہستی بنی نوع انسان کی خدمت کے "جرم" میں گرفتار ہو کر جائے۔ کتنی قابل رشک ہیں اس قید وبند کی سختیاں اور صعوبتیں جو اصلاح قوم کی وجہ سے کسی نیک بخت انسان کے حصہ میں آئیں پنجروں میں گدھ اور کوے نہیں ڈالے جاتے۔ یہ سعادت بلبلوں اور طوطیوں ہی کے لیے مخصوص ہے ؎

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرہ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک آخر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند!

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

شپرہ زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند!

ایامِ حج میں زائرین کو دعوت اسلام

دور دراز اور قرب و جوار سے زائرین ہر سال کعبہ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ ان ایام میں قتل و خون حرام سمجھا جاتا تھا۔ داعی حق بھی ان ایام میں شعب ابی طالب سے باہر آتے اور زائرین کو دعوت اسلام دیتے تھے۔ مگر شقی ازل ابولہب آپؐ کے ساتھ ساتھ پھرتا اور لوگوں کو بتاتا کہ "یہ مجنون ہیں ان کی بات پر کان نہ دھرو"۔ لوگ آپؐ کی طرف سے مونھ پھیر لیتے اور آپؐ کی تمام کوششیں بیکار جاتیں۔

آنحضرتؐ کی رہائی میں قدرت کا ہاتھ

شعب ابی طالب میں محصور ہوئے آپؐ کو تین سال گذر گئے۔ ایام حج میں آپؐ نے دیکھا کہ باب کعبہ پر آویزاں کیے ہوئے معاہدہ کو دیمک نے کھالیا ہے۔ صرف وہ جگہیں جہاں کہیں کہیں اللہ کا مقدس لفظ لکھا ہوا تھا محفوظ ہیں۔ آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے اس بات کا ذکر کیا۔ ابوطالب نے کفار کو سمجھایا کہ اس صداقت کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ اگر اللہ کے نام میں اتنی طاقت موجود ہے کہ جہاں وہ لکھا گیا ہے وہ جگہ دیمک سے محفوظ رہ گئی ہے تو تم نے اسی اللہ کا پرستار ہونے کے "جرم" میں کیوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسیر شعب کر رکھا ہے؟ کفار نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بہت متاثر ہوئے اور حضور انورؐ کے خاندان کو شہر میں آنے کی اجازت دے دی۔

ایک دوسری روایت:۔

ایک دوسری روایت اس طرح پر ہے کہ جب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعب ابی طالب میں محصور ہوئے تین سال گذر گئے تو چند لوگوں کے دلوں میں از خود یہ بات پیدا ہو گئی کہ ہم تو عیش و عشرت میں اپنے دن بسر کر رہے ہیں اور بنی ہاشم کے لوگ آب و دانہ کو بھی محتاج ہیں۔ چند لوگوں نے ایک مجلس مشورت منعقد کی اور اس معاملہ پر خوب غور و خوض کیا گیا۔ سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اس ظالمانہ معاہدہ کی دھجیاں اڑا دی جائیں۔ مگر اسلام کا دشمن ازلی ابو جہل یہ سن کر کب خاموش رہ سکتا تھا تڑپ کر اٹھا اور کہا کہ میں ہرگز اس معاہدہ کو چاک نہ کرنے دوں گا۔ زمعہ بن اسود نے کہا ہمیں تیری یہ ظالمانہ گفتگو پسند نہیں۔ ہم اس غیر منصفانہ معاہدہ کو ضرور چاک کر کے رہیں گے۔ جس وقت یہ معاہدہ مرتب کیا گیا تھا ہم اس وقت بھی دل سے اس کے حق میں نہ تھے۔ ابو جہل نے بہت شور مچایا۔ مگر اس کی سفاکانہ کارروائی بے فائدہ ثابت ہوئی۔ مطعم بن عدی نے باب کعبہ سے معاہدہ کو اتارا اور چاک کر ڈالا۔

اب اس مجلسی مقاطعہ کو ختم کر دیا گیا اور بنو ہاشم نے شعب ابی طالب میں تین سال تک نہایت عسرت اور مصیبت کی زندگی بسر کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر آرام اور چین کی صورت دیکھی۔

اتنی تکالیف اور مصائب کے بعد بھی:۔

اتنی تکالیف اور مصائب کے بعد بھی داعی حق کے عزم اور ارادہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپؐ نے شہر میں تشریف لاتے ہی اسی سرگرمی اور جوش سے دعوت حق شروع کر دی۔ کفار نے بھی اپنی عادت کے موافق مخالفت کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔

ظالم موت کے دو جاں گدازِ واقعات

آفتاب نبوت کو طلوع ہوئے دس سال گذرے تھے کہ ماہ شوال میں آپؐ کو دو ایسے جاں گداز واقعات پیش آئے جنہوں نے ایک دفعہ تو آپؐ کو بحر غم والم کی امواج لہروں کے حوالے کر دیا۔ آپ کے دو مخلص اور جاں نثار رفیق جو ہر وقت آپؐ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے، آپؐ کو داغ جدائی دے گئے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب کو موت کے چنگل نے آدبایا۔ اس آخری وقت میں آپؐ ان کے پاس تھے۔ آپؐ نے ان سے کہا۔

"اے میرے شفیق چچا! آپ نے جس شفقت، محبت اور جاں نثاری سے اب تک میرا ساتھ دیا ہے اس کا صلہ تو میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں۔ اس وقت میری دلی منشا یہی ہے کہ آپ اس وقت تو کلمہ طیبہ پڑھ لیجیے تاکہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے آپ کے ایمان کی شہادت دے سکوں۔"

ابو طالب نے کہا "مجھے کلمہ پڑھ لینے میں تو کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ بے حد خوشی ہوتی۔ مگر قریش کا ڈر ہے۔ وہ کہیں گے کہ ابو طالب نے موت سے خائف ہو کر کلمہ پڑھ لیا۔"

تھوڑی دیر بعد عباس رضؓ نے ابو طالب کے لب ہلتے دیکھ کر کان لگا کر سنا اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہنے لگے۔ "جو آپ نے فرمایا تھا وہی ابو طالب کہہ رہے ہیں۔"

اس شفیق چچا کے داغ جدائی دے جانے کے تین روز بعد ہی آپؐ کی عاشق نثار بیوی خدیجہؓ الکبریٰ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان دو غمگسار رفیقوں کے اس طرح جدا ہو جانے سے آپؐ کو جو صدمہ ہوا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ مگر آپ نے ایسے نازک وقت میں بھی اپنے استقلال میں اضمحلال نہیں آنے دیا۔ بلکہ تھوڑے دنوں بعد ہی پھر اسی قوت اور سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

مصیبتوں کا ایک نیا دور

حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کفار کی سختیاں اب حضرت ابو طالب کی حمایت کا سایہ اُٹھ جانے کی وجہ سے بہت بڑھ گئیں۔ ہر طرف سے استہزاء اور توہین ہونے لگی۔ ایک دن آپؐ بازار میں سے چلے آرہے تھے کہ کسی بدمعاش نے آپؐ کے سر مبارک پہ خاک ڈال دی۔ آپؐ اسی طرح کاشانہ نبوی میں تشریف لائے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا نے جو آپ کی مونس وہمراز بیوی خدیجہ کی یادگار تھیں، آپ کو اس حالت میں دیکھا تو فرط محبت سے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سر مبارک دھوتی جاتی تھیں اور روئے جاتی تھیں۔

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

جب کفار کے ترکش کا خدنگ آخری بھی نشانہ سے خطا گیا۔ تو وہ اپنے تمام غیظ وغضب کے ساتھ جور وتشدد پہ اتر آئے۔ پیشوائے عالم کی توہین کو انہوں نے اپنے لیے اک مشغلہ تفریح اور سامان نشاط بنا لیا۔ حلقہ بگوشان اسلام کو ایسے ایسے انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز شدائد کا تختہ مشق بنایا گیا جن کی مثال ظلم وعدوان کے صفحات میں نہیں ملتی مگر باطل پرستی کی کوئی طاقت حق کی آواز کو نہ دبا سکی اور ظلم وستم کی تمام ترشیاں اسلام کے روحانی نشہ کو اتارنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔

حضرت بلال رضؓ پر کفار کا ظلم وستم:۔

حضرت بلال حبشی شمع رسالت کے ایک پروانے تھے۔ آپ عاشق رسول اور محبوب رسول صحابی تھے اور مشہور کافر اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب سیاہ باطن اُمیہ نے بلال رضؓ کا سینہ نور اسلام سے روشن دیکھا تو اس جرم میں کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کیوں کرتے ہیں اور اس کے رسول پر کیوں ایمان رکھتے ہیں۔ آپ پر ظلم وستم توڑتے شروع کر دیئے۔ دوپہر کے وقت ریگستان عرب کی تپتی ہوئی ریت پر آپ ایسے عاشق رسول

کو لٹاتا اور آپ کے سینہ پر پتھر کی چٹان رکھ کر کہتا کہ اسلام کے عقیدہ سے باز آ۔ لیکن اس کے جواب میں عاشق رسول اور عاشق اسلام کی زبان سے احد کا نعرہ نکلتا۔ اس پر آپ نہایت بے دردی سے زدوکوب کیے جاتے مگر اسلام کی محبت ان تمام مصائب و تکالیف سے وسیع تر تھی۔ آپ تشدد سہتے تھے، سختیاں اٹھاتے تھے مگر اپنے عقیدہ سے کسی صورت منحرف ہونا پسند نہ فرماتے تھے۔ کفار کی ستم ایجادیوں کی اگر کوئی حد نہ تھی تو آپ کے عزم واستقلال کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ امیہ بن خلف نے آپ کے گلے میں رسی ڈال کر آپ کو شریر لڑکوں کے حوالے کیا وہ نہایت بے دردی سے آپ کو گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرے لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

حضرت خبابؓ ابن الارت جلتے ہوئے کوئلوں پر:۔

خبابؓ بن الارت جو قبیلہ تمیم سے تھے، اُم انمار کے ملازم تھے جب آپ کے قلب پر اسلام کے ازلی اور ابدی نور کا پرتو پڑا تو آپ کو قریش کے ظلم وستم کے تیروں کی آماج گاہ بننا پڑا۔ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کفار آپ کو گرم گرم ریت پر لٹا دیتے تھے۔ اس سینہ پر جس میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت بس رہی تھی، پتھر کی گرم کی ہوئی سل رکھ دی جاتی تھی۔ مگر اس سے اسلام کی گہری محبت اور بھی بڑھ جاتی تھی اور آپ کی آتش شوق اور بھی بھڑک اٹھتی تھی۔

ایک دن آپ کو جلتے ہوئے کوئلوں پر پشت کی جانب سے لٹا دیا گیا اور سینہ پر ایک آدمی کھڑا کر دیا گیا تاکہ آپ کو دبائے رکھے۔ حرکت نہ کر سکیں۔ آپ کی پشت کا جو دردناک حال ہوا ہوگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ وہ تمام شعلہ زن انگارے آپ کی پشت کے نیچے ہی ٹھنڈے ہو گئے۔ مگر آپ کی شیفتگی اسلام کا جوش ٹھنڈا نہ ہوا۔

عمار بن یاسرؓ پر جبر و تشدد:۔

عمار بن یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ

کو بھی دیگر ستم کش مسلمانوں کی طرح کفار قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا۔ خدا کی توحید کے قائل ہونے کے "جرم" میں آپ کو جلتی ہوئی ریت پہ لٹا کر اس قدر زدوکوب کیا جاتا تھا کہ آپ کے ہوش و حواس بجا نہ رہتے تھے اور چوٹوں کی وجہ سے ناک اور مونھ سے خون بہنے لگ جاتا تھا۔ مگر اتنی سختیاں برداشت کرنے کے باوجود بھی جب ہوش میں آتے تو اسلام کی صداقت کا اقرار کرتے۔ رتبوں کی پرستش کو حماقت بتاتے تھے۔ قریش کی زدوکوب سے آپ کے عقیدے میں کوئی فرق نہ آنا تھا نہ آیا۔

حضرت یاسرؓ کے زخموں پہ نمک پاشی:۔

حضرت یاسر کو بھی اسی "جرم محبت" میں اسلام کے دشمن ازلی ابوجہل نے نہایت ظالمانہ طور پہ کلہاڑی سے مجروح کیا۔ اس کی ستم کوش طبیعت نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے زخموں پر نمک پاشی بھی کی اور کہا کہ اسلام کو ترک کر دے اور اپنے آبائی دین کو اختیار کر۔ آپ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے رہے مگر زبان سے یہی کہتے رہے کہ اب تو اسلام کی محبت میری روح میں بس چکی ہے۔ کلہاڑی کی زخم کاریاں اور تیری نمک پاشیاں اسے نہیں نکال سکتیں

حضرت صہیبؓ رومی اذیت کی قربان گاہ پر:۔

صہیب رومی مومنین اولین میں سے تھے اور عمار کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ آپ رسول عربی کے عاشق صادق تھے۔ اس جرم محبت میں دشمنان اسلام آپ کو اس قدر اذیت دیتے تھے۔ کہ دیکھنے والے بھی اس کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ بارہا انھوں نے آپ کے دونوں پاؤں رسی سے کس کر باندھے اور آپ کو صحرائے عرب کے شعلے اگلتی ہوئی ریت پر گھسیٹا۔ اتنا زدوکوب کیا کہ آپ کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ ان روح فرسا اذیتوں سے آپ کے حواس بجا نہ رہتے تھے اور آپ مختل الحواس ہو جاتے تھے۔ مگر اسلام کی محبت جو آپ کے دل میں گھر کر گئی تھی اسے مخالفوں کی کوئی طاقت اور کوئی تشدد

نکال نہ سکا آپ برابر یہی کہتے رہے کہ اسلام ایک دینِ حقیقی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق ہیں۔

افلحہؓ پر جور و ستم:۔

حضرت ابوفکیہ جن کا لقب افلح تھا صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ آپ حضرت بلال حبشی کے ساتھ سعادت اسلام سے فیض یاب ہوئے تھے۔ جب صفوان بن اُمیہ پر اس راز کا انکشاف ہوا تو اس کے تن بدن میں غصہ سے آگ لگ اٹھی۔ اس ظالم نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو رسی سے کس کر باندھا اور آپ کو پتھریلی زمین پر گھسیٹا۔ جس سے آپ کا تمام بدن زخمی ہو گیا۔ پھر کہا کہ "اب بھی عقل کے ناخن لیتے ہو یا نہیں؟ بتاؤ اسلام کی نسبت اب کیا خیال ہے؟"

آپ نے کہا "اسلام دینِ الٰہی ہے۔ اس کی تعلیمات مبنی بر صداقت ہیں" اس دلیرانہ اور صداقت آمیز جواب کو سن کر صفوان بن اُمیہ کے جذبات غیظ و غضب پھر برانگیختہ ہو گئے۔ اس نے آپ کا گلا اس زور سے گھونٹا کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ آپ نے ان شدائد کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کیا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔

حضرت ابوذرؓ پر بے جا سختی:۔

حضرت ابوذرؓ کا شمع رسالت سے پروانہ صفت عشق تھا۔ آپ زندگی کے آخری لمحہ تک خدا اور اس کے رسول کے عشق میں سرشار رہے ہیں۔ اور پھر آپ کا یہ عشق بھی جنون کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔

شروع شروع میں جب آپ کا دل اسلام کے نور سے منور ہوا تو دوسرے سرفروشان اسلام کی طرح آپ کو بھی ظلم و ستم کی آندھیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ظلم و تشدد کی کوئی طاقت آپ کو دینِ ہدیٰ سے برگشتہ نہ کر سکی۔ آپ قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتے تھے اور یثرب کے

نواحی علاقہ میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کے کانوں میں پیغمبر توحید اور اس کی تبلیغ اسلام کی خبر مدینہ سے ہو کر پہنچی۔ تو اس صداقت کے شیدائی نے اپنے بھائی انیس کو جو شعر و سخن کا شغف بھی رکھتا تھا، سرور کائنات کی خدمت اقدس میں تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہ مکہ میں آیا اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان حقیقت ترجمان کے کلمات مقدس سن کر واپس چلا گیا۔ حضرت ابوذر رضؓ نے تمام حال دریافت کیا۔ مگر اس شیدائے حقیقت کو اس لاپرواہ شاعر کے مختصر جوابوں سے کچھ تسکین نہ ہوئی۔ آپ ذوق و شوق کے عالم میں جھومتے ہوئے پیدل سفر کر کے بارگاہ رسالت میں باریاب ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ مسجد الحرام میں آئے اور بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا۔ اور قرآن حکیم کی جو آیتیں تھوڑی دیر میں ازبر کر لی تھیں وہ بھی سب کفار کے سامنے ذوق و شوق سے پڑھیں۔ یہ دیکھ کر کفار کو تاب شکیبائی نہ رہی۔ وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے حضرت ابوذر کو پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا اور اس بری طرح سے زدوکوب کیا کہ چہرے پر داغ پڑ گئے اور سر سے خون بہنے لگا۔ آخر بے ہوش ہو گئے۔ کفار نے تو آپ کو قطعی مار ڈالنے ہی کی ٹھان لی تھی اور قریب تھا کہ وہ ظالم اس فرزند توحید کو ہمیشہ کی میٹھی نیند سلا دیتے۔ اگر حضرت عباس جو ابھی تک گروہ کفار ہی میں تھے، اتفاق سے وہاں نہ آ گئے ہوتے۔ انہوں نے کفار سے کہا یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جہاں سے تم تجارت کے لیے کھجوریں لایا کرتے ہو۔ یہ سن کر خود غرضی کا جذبہ ان کے غیظ و غضب پر غالب آ گیا۔ انہوں نے حضرت ابوذر کو اس قبیلہ کا آدمی سمجھ کر چھوڑ دیا جس قبیلے سے ان کی تجارتی اغراض وابستہ تھیں۔ جب ہوش و حواس بجا ہوئے تو یہ شیدائے رسول اس وقت تو اٹھ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا آیا مگر دوسرے دن ہی پھر نشہ بادہ وحدت میں سرشار ہو کر خانہ کعبہ میں آ دھمکا اور اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ کفار کو برداشت کی تاب نہ رہی، وہ چاروں طرف سے اس سرشار حق پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بے دردی سے زدوکوب کیا یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش بجا ہوئے تو اس شیر دل نے کفار کو مخاطب کر کے کہا:

"اگر تم نے مجھے اس لیے زدوکوب کیا ہے کہ میں کیوں اسلام لایا، تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اب بھی مسلم ہوں اور مرتے دم تک مسلم ہی رہوں گا۔ تمہارا جور و ستم مجھے اس

پاکیزہ اور درخشاں مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتا۔ جو پتھر کے بے جان بتوں کی پرستش اور شرمناک رسوم کی زنجیر سے نجات دلا کر صرف ایک ذات واجب الوجود کی پرستش اور اس کے رسول کے اسوہ حسنہ کی تقلید کی تلقین کرتا ہے۔ مورخین اسلام رقمطراز ہیں کہ اس محب اسلام کے تڑپتے ہوئے دل سے نکلے ہوئے فقرات نے اپنا اثر نمایاں دکھایا۔ کفار میں سے چند ایک مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ضعیف العمر عامر پر داد شجاعت :۔

حضرت عامر بن فہیرا ایک ضعیف العمر شخص تھے۔ اس آخری عمر میں جب آپ نے بت پرستی سے تائب ہو کر نور اسلام کو آنکھوں سے لگایا تو بے رحم قریش نے آپ ایسے عمر رسیدہ اور ضعیف شخص کو بھی نہایت بے دردی سے پیٹا۔ آپ کو کانٹوں کے بستر پر لٹایا گیا لیکن آپ نے صاف کہہ دیا کہ جب تک میرے جسم میں خون کی آخری بوند بھی باقی ہے میں اسلام ایسے پاکیزہ مذہب سے برگشتہ نہ ہوں گا خواہ تم مجھے کتنی ہی اذیت کیوں نہ دو۔

کفار کا یہ ظلم وستم اور جور وتشدد اسلام کے خلاف تھا۔ امیر، غریب، بچے، بوڑھے کی اس میں کوئی تخصیص نہ تھی جو اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتا خواہ اپنا ہو خواہ بیگانہ کفار کے نزدیک یکساں طور پر لائق سرزنش اور گردن زدنی تھا۔

حضرت مصعب رضؓ بن عمیر رضؓ پر دست تعدی :۔

صاحب جاہ وحشم حضرت مصعب رضؓ بن عمیر رضؓ نے جب اپنے دل کو نور اسلام سے منور کیا تو آپ کی والدہ نے آپ کو قید میں ڈالا۔ آپ کے بعض سرکش اور معزز رشتہ داروں نے آپ کو اس قدر مارا پیٹا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش وحواس بجا ہوئے تو کہا کہ مجھے اب بھی اسلام کی صداقت کا اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ پہلے تھا بت پرستی میرے نزدیک حماقت ہے۔ صرف ایک اللہ ہی کی پرستش تحقیقی پرستش ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بھیجے ہوئے ہمارے نبی ہیں۔

عثمانؓ بن عفان نشانہ ستم:۔

حضرت عثمان ابن عفان جو ایک نہایت متمول اور عظیم المرتبت شخص تھے۔ جب حلقہ اسلام میں آئے تو آپ کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں اشتعال کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر کیا تھا۔ سب بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایک نہتے شخص پر ٹوٹ پڑے اور اس جرم میں کہ کیوں آپ کا سینہ خدائے واحد کی محبت کے نور سے روشن ہے۔ آپ کو زدوکوب کرنے لگے۔ ظالموں نے آپ ایسے فرزند توحید کو اس بیرحمی سے مارا کہ آپ کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن آپ نے اپنے استقلال میں اضمحلال نہ آنے دیا۔ آپ کی آتش شوق میں کوئی کمی واقعہ نہ ہوئی آپ اسی سرگرمی سے اسلام اور داعی اسلام کی صداقت کے حامی رہے۔

زبیرؓ بن العوام کو شعلوں کی نذر کرنے کی دھمکی:۔

حضرت زبیر ابن العوام ایک مشہور تاجر اور معزز شخص تھے۔ جب آپ نے اپنے آبائی دین کو خیرباد کہہ کر اپنی دنیا و عاقبت کی بہتری کے لیے اسلام کا گوشہ دامن پکڑا۔ تو آپ کے چچا عاکف آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو رسی سے باندھ کر مارا۔ پھر آپ کے جسم کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر کہا کہ ابھی تمہیں آگ کے شعلوں کی نذر کر دوں گا ورنہ اس نئے مذہب کو ترک کر دو۔ مگر جس کے دل کو اسلام کی آتش شوق گرمائے ہوئے ہو وہ آگ کے شعلوں کی کب پرواہ کرتا ہے۔ آپ نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ چچا تجھے اختیار ہے کہ جو دل چاہے کر۔ نذر آتش کر یا غرق دریا کر مگر میں جیتے جی اسلام سے منہ نہ موڑوں گا۔

صنفِ نازک پر کفار کی ستم کوشیاں

کفار اور مشرکین کی ستم کوشیوں نے صنف قوی کے لیے تو جبر و تشدد کا کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہی نہ تھا۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ ان ظالموں کا دست جور و تعدی صنف نازک کے

دامن پر بھی دراز ہونے سے نہ رکا ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

بے شمار دختران توحید کے نازک جسموں کو صحرائے عرب کی اس زمین پر گھسیٹا گیا جو گرمی کی تمازت سے آتش خانہ ایران کی ہمسر بن جاتی ہے اور وہ صرف اس جرم عظیم کی پاداش میں کہ وہ کیوں خدائے وحدہ لاشریک کی پرستار ہیں۔ مگر مخالفین اسلام کی کوئی وحشیانہ اور متشددانہ طاقت ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی۔ سرفروشی کے میدان میں مسلمان عورتوں کے کارنامے سرشار حق مردوں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔

قربان گاہ صداقت پر پہلی مسلم خاتون:۔

انہی نیک بخت عورتوں میں جنہوں نے صداقت کی قربانگاہ پر اپنی جانیں بھینٹ چڑھائیں ایک بلند ہمت عورت سلمیٰ بھی تھیں۔ آپؓ ایک پرجوش صحابیہ تھیں۔ جب آپ کا سینہ نور اسلام سے منور ہوا اور آپ نے اس کا اعلان کیا تو آپ کے شوہر عاصم بن صفوان اور آپ کے بھائی عاص بن رافع کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ ان ظالموں نے آپ کو اس قدر مارا کہ چہرہ پر داغ پڑ گئے اور پیشانی سے خون بہنے لگا۔ پھر اسی حالت میں آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر تپتی ہوئی ریت پر پڑے رہنے کے باوجود بھی آپ کے جوش ایمان میں کوئی فرق نہ آیا تو عاصم بن صفوان نے اپنا خنجر نکالا اور آپ کے سینہ پر چڑھ کر کہا "بول اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کیا کہتی ہے؟ اور اسلام سے باز آتی ہے یا نہیں؟"

موت کو سامنے دیکھ کر بھی اس پُرجوش صحابیہ کو لغزش نہیں ہوئی۔ آپ نے نہایت دلیری سے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے برگزیدہ نبی ہیں اور اسلام ایک درخشاں مذہب ہے جو دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی فلاح و بہبود کا کفیل ہے۔ میرا یہی ایمان ہے اگر اسی ایمان پر مجھے موت بھی آ جائے تو میرے لیے پیام حیات جاودانی بن کر آئے گی۔"

جب عاصم بن عفوان نے سرشار توحید سلمی کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو وہ فرط غضب سے بیتاب ہو گیا۔ اس نے اپنا خون آشام خنجر اس دختر توحید کے مقدس سینہ میں پیوست کر دیا۔ آپ کے موتھ سے اللہ اکبر کا ایک ہلکا سا نعرہ بلند ہوا۔ اور خدا کی ایک سچی پرستار باطل پرست انسانوں کی خونخواری کا شکار ہو کر ابدالاباد تک کے لیے میٹھی نیند سو گئی۔ ایسی میٹھی نیند جو کسی خوش نصیب ہی کو نصیب ہو سکتی ہے۔

یہ پہلی دختر توحید تھی جس کے مقدس خون کے قطروں نے اسلام کی راہ میں صحرائے عرب کی ریت کو لالہ فام بنایا۔ یہاں صرف ایک سرفروش خاتون کی مثال دی گئی ہے۔ بہت سی دختران اسلام شیفتگی اسلام کے جرم میں کفار کی اذیت کوشیوں کی آماجگاہ بنیں۔ چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

حضرت سمیہ، حضرت لبینہ، حضرت نہدیہ، حضرت ام عبیس، حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالے عنہن کفار کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کی کوئی طاقت ان دختران توحید کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی۔

اسلام کی اشاعت اور تشدد

میرے دل کے آتش کدے میں ان شپرہ چشم اور متعصب مصنفوں کی تنگ نظری اور تعصب کو جلا کر خاک سیاہ کر دینے کے لیے بے پناہ شعلے بھڑکنے لگتے ہیں جو کفار کے اس جبر وتشدد اور زہرہ گداز ستم کے روح فرسا مناظر کو دیکھتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار اور تشدد کے زور سے ہوئی ہے۔ ان کے اس غلط نظریے کو تھوڑے سے الٹ پھیر کے بعد صحیح بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ تشدد جس نے اسلام کی اشاعت میں غیر معمولی مدد دی مسلمانوں کی طرف سے نہیں تھا بلکہ کفار کی طرف سے تھا۔ کفار ظالم تھے، مسلمان مظلوم۔ کفار کی خون آشام تلواریں نیام سے باہر تھیں، مسلمانوں نے ان کو زنگ آلود ہوتے کے لیے کسی کونے میں پھینک رکھا تھا۔ ان کے پاس اگر کوئی تلوار تھی تو وہ صداقت کی تلوار تھی۔ وہ اسلام کی حریت نواز اور عدم تشدد کی تلوار تھی۔ جو اسلام کے اصول کی اشاعت

کے لیے ظالم کے ظلم کی پوری طاقت سے مدافعت کرتی تھی۔ اور خود وار نہ کرتی تھی مگر جس نے کفار کی فولادی تلواروں کے موتھ پھیر دیے تھے۔

اسلام اور داعی اسلام

وہ تعلیم کتنی شاندار کتنی دقیع اور کتنی حیات افروز تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں میں صداقت وایمان کا وہ شعلہ پھونک دیا تھا کہ اُسے کفار کے ظلم وستم کی کوئی آندھی نہ بجھا سکی۔ بلکہ ان کے جور وتشدد کی ہر کوشش اسلامی حلقہ میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کر دیتے کا باعث بنتی رہی۔

میں اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ دنیا میں دروغ کو بھی اس درجہ فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ کونسی خفیہ طاقت تھی اور وہ کونسی طلسمی قوت تھی جس سے مسحور ہو کر مسلمانوں نے جلتی ہوئی ریت اور شعلہ زن انگروں کو اپنا بستر بنایا مگر موتھ سے اُف تک نہ کی؟ تمام واقعات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی دانش مند یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ طلسمی طاقت اسلام کی فقید النظیر صداقت اور داعی اسلام کی عدیم النظیر شخصیت تھی جس نے دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا تھا اور خون آشام تلواروں کو مرہم بنا دیا تھا جس سے متاثر ہونے والے موت سے کھیلتے رہے۔ مگر اس سے برگشتہ نہ ہوئے۔

مصلح اعظم کا سفر طائف:۔

جب پیغمبر توحید نے دیکھا کہ اہل مکہ کے دلوں پہ کفر وشرک کا زنگ چڑھ چکا ہے۔ اور ان کی سیاہ کاریوں نے ان کے دلوں میں کسی اور رنگ کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں چھوڑی تو ان کی طرف سے مایوس وناکام ہو کر آپؐ نے پاپیادہ طائف کا رخ کیا۔ طائف مکہ کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلہ پہ ایک بارونق شہر تھا جس میں بڑے بڑے امراء اور رئیس سکونت پذیر تھے۔ سب سے مشہور قبیلہ عمیر کا تھا۔ جس میں سے تین اشخاص عبد مسعود حبیب یار سوخ اور ممتاز تھے۔ آپؐ سب سے پہلے اُن کے

پاس تشریف لے گئے اور ان پر اسلام کے محاسن اور شرک اور بت پرستی کے معائب ظاہر فرمائے اور ان بھولے بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم بتایا۔ مگر جہالت و ضلالت کی تاریکیوں نے ان پر اتنا غلبہ پا لیا تھا کہ ان کو اپنی جہالت کا احساس ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کے کاذب دلوں نے بھی اہلِ مکہ کی طرح اسلام کی صداقت کو محسوس نہ کیا۔ ان کو نور بھی نار اور روشنی بھی تاریکی نظر آئی۔

مشرکین طائف کی گستاخیاں:۔

طائف کے اصنام پرست اور اوہام پرست لوگوں نے پیغمبر عالم کے دعوائے نبوت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آپ کے ساتھ جگر خراش یاوہ گوئی اور تہذیب سوز گستاخی سے پیش آنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ شہر کے اوباش، بدمعاش اور شریر النفس لوگوں کو اکسایا تاکہ رحمۃ للعالمین ﷺ پر پتھروں کا مینہ برسائیں۔ شہر کے کتے آپ کے عقب میں چھوڑ دیے گئے اور شریر بچوں کو آوازے کسنے کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا گیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ پر ظلم و ستم:۔

طائف کے کافر اور جاہل بازار کے دورویہ قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور جب رحمۃ للعالمین بازار میں سے گذرے تو آپ کے پاؤں پر اُن مقدس پاؤں پر جن پر دو جہاں کی عظمتیں نثار ہوتی تھیں سنگ باری شروع کر دی۔ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو گئے نعلین مبارک سرخ اور مقدس خون سے بھر گئیں۔ زخموں کی تکلیف سے چور ہو کر آپ بیٹھ جاتے تو ظالم اور سنگدل کفار بازوؤں سے پکڑ کر آپ ﷺ کو کھڑا کر دیتے۔ جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، تالیاں بجاتے، مغلظات بکتے، پھبتیاں کستے۔ اس طرح تاریکی اور جہالت کے طوفان نے روشنی اور علم کے مینار کو گرانے کی نامعقول اور ظالمانہ کوشش پر کمر باندھ لی۔

عدم تشدد کا عملی مظاہرہ:۔

کیا ان واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام نے عدم تشدد کو عملی طور پر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

غیر متعصب اور غیر جانب دار ارباب بصیرت کے لیے میرا یہ فیصلہ کس قدر صحیح ہے کہ اسلام نے مصائب کی گود میں آنکھ کھولی، شدائد کے گہوارہ میں پرورش پائی اور مخالفین کی تلوار کے سایہ میں بڑھ کر جوان ہوا۔

بارگاہ ذوالجلال میں دعا:۔

کفار طائف کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بن چکنے کے بعد اس طوفان بے تمیزی سے مخلصی پاکر رحمۃ للعالمین ایک انگورستان میں تشریف فرما تھے کہ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھے اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ ادا ہوئے جو آج تک اسلامی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں:۔

"اے رب جلیل! یہ بندہ مسکین و عبد ذلیل تیری بارگاہ عزت و جلال میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتوان کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے۔ اے خدائے لایزال! تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کیا ایک ایسے دوست کے جو مجھے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے۔ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے۔ لیکن اگر یہ تیری بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری قدرت و رحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کرنے والا اور دنیا و آخرت کا سنوارنے والا ہے۔ تیرے غیظ و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں۔ لیکن اگر تیری خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہاں تک اختیار ہے

کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کیونکہ بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی کی طاقت و قدرت ہی رکھتا ہوں۔ ۵

تا ابد یارب ز تو من لطف با دارم امید
از تو گر امید بہ برم از کجا دارم اُمید

زیستم عمرے بسے چوں دشمناں دشمن مگیر
بے وفائی کردہ ام از تو وفا دارم اُمید

ہم فقیرم ہم غریبم بے کس و بیمار و زار
یک قدح زاں شربت دارالشفا دارم اُمید

نا امید از خود و از جملہ خلق جہاں
از ہمہ نومیدم اما از شما دارم اُمید

منتہائے کار تو دائم کہ آمرزیدن ست
زانکہ من از رحمت بے منتہا دارم اُمید

ہر کسے اُمید دارد از خدا او جز خدا
لیک عمرے شد کہ از من ترا دارم اُمید

ہم تو دیدی من چہا کردم تو پوشیدی ز لطف
ہم تو مے دانی کہ از تو من چہا دارم اُمید

روشنی چشم من از گرید کم شد ائے حبیب
ایں زماں از خاک کویت توتیا دارم اُمید

عدیم المثال صبر وضبط کا مجسمہ:۔

باوجود کفار کی اس شدید مخالفت کے آپ نے اس کفرستان میں آکر جس استقامت و استقلال کا ثبوت دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ سخت سے سخت اذیت پر بھی آپ کی زبان رحمت ترجمان سے بددعا نہ نکلی۔ آپؒ کے دل میں ظالم اور ستمگر کفار کے لیے بھی رحم و کرم

کا سمندر ہی ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ آپؐ طائف سے مایوس و ناکام لوٹے مگر آپؐ کے عزم و استقلال میں اضمحلال نہ آیا۔

مکہ میں آپؐ مطعم کی پناہ میں

طائف سے ناکام ہو کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے وطن مکہ کی طرف واپس تشریف لے آئے جب کفار مکہ کو آپؐ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آپؐ کو شہر میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ چنانچہ جب آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو کفار نے آپؐ کو روکا مگر ایک شخص مطعم نامی کی عربی حمیت جوش میں آگئی۔ اس نے للکار کر کہا:۔

"حیف ہے کہ وہ عرب جو روئے زمین پر مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، آج اپنے ایک وطنی بھائی کو ٹھکرا رہے ہیں۔ یہ بات عربی اخلاق کے منافی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اب جو شخص ان سے دشمنی کرے گا وہ سمجھ لے کہ میں اس کا دشمن ہوں۔" یہ سن کر کفار نے غصہ سے کہا "تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"؟ مطعم نے کہا "نہیں میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر میں ایک برادرِ وطن کو نہیں ٹھکرا سکتا۔

حضور صلعم رب العزت کی پناہ میں

مطعم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد بھی آپؐ آوازِ حق بلند کرتے رہے۔ کفار کی سختیاں بڑھیں تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسنے لگا۔ مطعم بھی کفار کی سختیوں کا ہدف بن گئے۔ رحمۃ للعالمین خود سب رنج و الم گوارا کر سکتے تھے مگر اس بات کو وہ اپنی ناقابلِ رشک شرافت اور قابلِ تقلید اخلاق کے منافی سمجھتے تھے کہ مطعم بھی آپؐ کی پناہ دہی کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ اس لیے جب دشمنانِ اسلام کی سختیاں بڑھ گئیں تو آپؐ نے اعلان کر دیا کہ اب میں کسی شخص کی پناہ میں نہیں۔ میں اپنے رب العزت کی پناہ میں ہوں۔ لہٰذا مطعم کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ دے۔

عرب کے میلوں اور جلسوں میں دعوتِ اسلام

زمانہ جاہلیت میں عرب میں ایسے میلوں اور جلسوں کی گرم بازاری تھی جن میں جہاں شہسواری تیغ زنی اور پہلوانی کے جوان مردانہ اور شجاعانہ کرتب دکھلا کر اولوالعزم شخص لوگوں سے خراج تحسین و آفرین وصول کرتے تھے وہاں فحش گو شاعر اپنا ایسا عشقیہ کلام سنا کر ملک الشعرا بنتے تھے جس میں نوجوان اور شریف لڑکیوں کے نام درج کر کے ان سے اپنے عاشقانہ تعلقات جتائے جاتے تھے۔ شرم و حیا کے دامن کی دھجیاں ان جلسوں میں نہایت بے باکانہ اور فخریہ طور پر اڑائی جاتی تھیں۔ آپ گمراہ اور جاہل لوگوں کی اصلاح اخلاق اور کفر و شرک کے مجسموں میں اشاعت اسلام کی غرض سے ان جلسوں اور میلوں میں تشریف لے جاتے تھے اور اصلاح نفس اور ترقی تہذیب کے لیے تجاویز پیش کرتے تھے۔ بت پرستی اور شرک کی لعنت کو دور کرنے کے لیے اپنی قادر الکلامی کا تمام زور صرف کرتے۔ اور ایک خدائے بزرگ و برتر کی طرف سب کو بلاتے۔ مگر مخالف اسلام ہر وقت سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ لگے رہتے۔ آپؐ معائب اخلاق کے خلاف زبان فیض ترجمان سے کچھ گل افشانی کرنے لگتے تو یہ کفر و جہالت کے مجسمے اپنی ناپاک زبان کے خاروں سے آپ کے دل کو زخمی کرتے۔ آپؐ کی مذمت کرتے اور مخالفت کا طوفان اٹھاتے ہوئے حاضرین سے کہتے یہ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھر گئے ہیں۔ لات و منات اور اساف و نائلہ کی پرستش کو حماقت بتاتے ہیں۔ تم ان کی بات مت سنو۔

لوگ آپؐ کی طرف سے مونھ پھیر لیتے اور کوئی آپ کی بات کی طرف توجہ نہ کرتا۔

کامیاب ناکامی اور ناکام کامیابی:۔

ان دل شکن ناکامیوں سے آپؐ مایوس نہ تھے۔ آپؐ خوب سمجھتے تھے کہ انسان سچے دل سے صرف کوشش کا ذمہ دار ہے نتیجہ کا نہیں۔ کوشش انسان کے ہاتھ میں ہے نتیجہ خدا کے ہاتھ میں۔ داور محشر کی نظر میں ظاہری کامیابی قابل ستائش نہیں بلکہ لائق تعریف

تو صرف کوشش ہے۔

کتنے ہی ایسے رہبران عالم گذرے ہیں جنہوں نے اپنے اصلاحی پروگرام کے لیے سر توڑ کوششیں کیں مگر ان کی آواز بہرے کانوں سنی گئی۔ ان کی تمام ظاہری زندگی ناکامیوں کی ایک حسرت ناک داستان تھی مگر داور محشر نے ان کے سر پہ کامیابی کا تاج رکھا اور کتنے ہی ایسے قوم کی اصلاح کے دعوے دار گذرے ہیں جن کے قدموں پہ دنیا لوٹتی تھی جن کی کامیابی کے نعروں سے گنبد عالم میں غلغلہ سا پیدا تھا مگر خدائے حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کو لعنت کا طوق پہنایا اور ابدی ذلت کا سزاوار گردانا۔ فرق صرف نیت کا تھا۔ آپ کی نیت اصلاح اخلاق اور ترقی تہذیب کی تھی تو پھر آپ کی ظاہری ناکامی بھی کامیابی ہی تھی۔ آپؐ مایوس کیوں ہوتے۔

ایام حج میں دعوت اسلام:۔

آپ صدائے حق بلند کرتے تھے اس کے سننے والا کوئی نہ تھا۔ مخالفت کرنے والے ہزاروں تھے مگر پھر بھی آپ نے حوصلہ نہیں ہارا۔ آپ ایام حج میں بھی جب قرب و دور کے زائرین مکہ آتے تو ان کو پیغام حق سناتے۔ مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوتا۔ لوگوں کے قلوب پر سیاہ کاریوں کا زنگ چڑھ چکا تھا اب اعمال صالحہ کی رنگ آمیزی کیوں کر کامیاب ہوتی؟ ان کے دلوں میں اعتقاد باطلہ اور وساوس شیطانی جاگزیں تھے۔ اخلاق و روحانیت کے اعلیٰ اصول ان میں کیونکر مروج ہو سکتے تھے۔ تاہم تہذیب و اخلاق کی تعلیم کی یہ کوششیں بالکل رائگاں ہی نہ گئیں۔ انہوں نے عالم خارجی کے تخریبی عناصر سے زنگ آلود دلوں پر اگر رنگ آمیزی نہیں کی تو کسی قدر صیقل ضرور کر دیا جس سے ان میں آئندہ کسی وقت صداقت کا رنگ قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

خدا تعالیٰ سے بالمواجہ مکالمہ:۔

اب سردار کائنات فخر موجودات آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ پر

آفتابِ رسالت طلوع ہوئے دس سال گذر چکے تھے۔ اسی سال آپ کو معراج شریف ہوئی یعنی آپ کو خدائے قادر و کریم نے آسمانوں پہ بلا کر آپ سے بالمواجہ گفتگو کی بعض علماء کا خیال ہے کہ معراج شریف نبوت کے بارھویں سال ہوئی۔ اور بہت سے جید فاضل یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ معراج شریف ایک دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ ہوئی۔ اس لیے میں اس طویل داستان کے بیان سے اس جگہ گریز کرتا ہوں۔ البتہ اس مختصر سوانح کے بعد جو متوسط درجہ کی سیرت لکھنے کا بشرط زندگی ارادہ رکھتا ہوں۔ اس میں اس کا مفصل حال لکھا جائے گا۔ اسی سال حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضؓ اور حضرت سودہ بنت زمعہ آپ کے حبالہ عقد میں آئیں۔

ایک ملک گیری کا حریص عربی :۔

آپ کی صدائے حق فضائے عرب میں چاروں طرف گونج رہی تھی۔ اور ریگستان کے ذرہ ذرہ کو ہدایت دنور اور بیداری کا پیغام دے رہی تھی۔ جس وقت آپ نے بنو عامر کو دعوت اسلام دی۔ تو ایک ملک گیری کے حریص عربی فراس نامی نے دریافت کیا کہ اگر میں فرزندان توحید کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں اور اشاعت و تبلیغ اسلام کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف کر دوں۔ پھر اگر آپ مخالفین اسلام پر غلبہ حاصل کر لیں تو مجھے اپنا خلیفہ مقرر کریں گے؟

حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اسلام ایک علیحدہ چیز ہے اور ملک گیری کی ہوس ایک الگ شئے۔ اسلام کی محبت ہر قسم کی طمع و حرص کے خیالات سے بہت بلند تر ہے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کی خواہش ہے تو صداقت اسلام سے متاثر ہو کر اپنے دل کو نورِ ہدایت سے منور کرو۔ خلافت اور جہاں گیری کی حرص دل سے نکال دو۔ پھر خلافت بھی ایک خدائی عطیہ ہے وہ جس کو چاہے گا بخشش دے گا۔ کسی کو خلیفہ بنانا میرے قبضہ قدرت سے باہر ہے۔"

فراس نے یہ حقیقت نوازانہ جواب سن کر کہا یہ خوب! اشاعت اسلام کے لیے

جان پر ہم کھیلیں اور فتح و نصرت حاصل ہونے پر حکومت کا مزا اغیار اڑائیں ——
چاہیے اور ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریے۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے اسلام کی ضرورت نہیں ہے

میری حکمت سے یہ حکمت افضل ہے

اب باغ محمد میں نبوت کی گیارھویں بہار شروع ہو چکی تھی انہی نغمۂ گل کے ایام میں ایک شخص سوید بن صامت مدنی وارد مکہ ہوا۔ جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے اپنے لوگوں میں کامل کے لقب سے مشہور تھا حسن اتفاق سے یہ شخص بارگاہ رسالت میں باریاب ہو گیا۔ حضور اقدس نے دین متین کی دعوت دی۔ کامل نے عرض کیا کہ شاید آپ کے پاس بھی وہی گوہر نایاب ہے۔ جس کی درخشانی سے میرا خانہ دل منور ہے۔ حضور انورؐ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کونسا گوہر نایاب ہے؟ حضرت کامل نے جواب دیا کہ "حکمت لقمان"، خاتم النبیین نے فرمایا "میرے پاس جو حکمت ہے اس کے سامنے حکمت لقمان کی بلند پروازیاں پست ہو جائیں گی" پہلے کامل نے اپنی حکمت لقمان کے کچھ شعر سنائے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تعریف کی اور کہا۔ کہ یہ کلام اچھا ہے اب آپ اس سے بہتر کلام سنیں۔ اور آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں۔ کامل نے بلا جبل و حجت تسلیم کر لیا کہ واقعی حکمت کے اس گوہر نایاب کی درخشانی کے سامنے حکمت لقمان کی تابانی ماند پڑ گئی ہے۔

ایاس بن معاذ

مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے تعلقات باہمی کچھ دیر سے کشیدہ ہو رہے تھے اور ان کی خون آشام تلواریں مادر گیتی کے معصوم فرزندوں کا خون بہا کر ریگستان عرب کے ذروں کو لالہ فام بنانے کے لیے نیاموں سے نکلنے کو تڑپ رہی تھیں۔ اس لیے بنو عبدالاشہل کے چند لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر انس بن رافع قریش مکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے کے لیے آیا کہ وہ قوم خزرج کے خلاف بنو عبدالاشہل کا ساتھ دیں۔ اس وفد کی پیشوائی

بھی سرداران قریش تک نہیں ہوئی تھی کہ داعی حق پہنچے اور نہایت مشفقانہ طرز تخاطب میں ان لوگوں سے فرمایا کہ :-

"میرے پاس ایک ایسی نایاب اور بیش قیمت شے ہے جو تمہیں ایک طرف تو محفل دنیا میں ایک نہایت معزز و ممتاز جگہ دلاسکتی ہے اور دوسری طرف مجلس آخرت میں سرخروئی کے ساتھ جنت کی تمام نعمتوں کا مستحق بنا سکتی ہے۔"

سردار وفد نے کہا "بصد مسرت آپ ایسی چیز پیش کیجیے۔ ہم گوش بر آواز ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا "میں گم گشتگان بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم دکھانے کے لیے نبی مبعوث ہوا ہوں اور دنیا کی راہ نمائی کے لیے ہدایت و نور سے لبریز کتاب شریف قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔"

پھر آپ نے دین ہُدیٰ اسلام کے فضائل بیان فرمائے۔ قرآن کریم سے چند آیتیں سنائیں توحید باری تعالیٰ پر ایک فصیح و بلیغ اور جامع و مانع مختصر سا وعظ بھی فرمایا۔ اس وفد کے لوگوں میں ایک نوجوان شخص ایاس بن معاذ بھی تھا۔ وہ تو حضور انورؐ کے حق و صداقت سے لبریز کلام کی فصاحت و بلاغت سے کچھ ایسا مسحور ہوا کہ بیتاب ہوکر پکار اُٹھا۔

"اے میری قوم! جس مقصد عظیم کے لیے ہم قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کیلیے آئے ہیں، یہ نایاب اور بیش بہا حکمت اس سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ آؤ! ہم رشد و ہدایت کے اس نور عالمتاب سے اپنے تاریک دلوں کو منور کریں۔"

ناآشنائے رتبہ رسولؐ اور کج فہم انس بن رافع نے ایاس بن معاذ کو بہت سخت سست کہا، اور اس کے لبوں پر ڈانٹ کر خاموشی کی مہر لگا دی۔ وفد نور اسلام سے تو اپنے دلوں کو خالی لے کر گیا ہی تھا قریش کے ساتھ معاہدہ کرنے میں بھی کامیاب و کامراں نہ ہو سکا۔ ایاس بن معاذ تھوڑے سے عرصہ بعد راہی ملک عدم ہوا۔ اور پیشتر اس کے کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنے ساتھ ایک ایسی روشنی لے گیا جو اسے دوزخ کی تاریک راہوں سے بچا کر سیدھی جنت بریں میں لے گئی۔

افسوں گر پر افسوں چل گیا

جاہلیت کے عرب میں سحر و ساحری کا چرچا بہت عام تھا۔ چنانچہ اقطاع عرب کے گوشہ گوشہ میں بڑے بڑے ماہرین فن موجود تھے۔ ان میں سے ایک مشہور افسوں گر ضماد بن ازدی جو یمن کا باشندہ تھا۔ خوش قسمتی سے اس مقدس شہر میں آیا۔ جس کے گلی کوچوں سے حق و صداقت کی ایک انقلاب آفرین صدا اُٹھ رہی تھی۔ باطل پرست اور حق ناشناس لوگوں نے ضماد بن ازدی کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جنات کا اثر کارگر ہو گیا ہے اس لیے وہ موجودہ تہذیب و تمدن عرب کے خلاف ایک صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے اور صنم پرستی کو انسانیت کے لیے ایک بدترین لعنت بتاتا ہے۔ اور ہمارے آباؤ اجداد کے دین پر چلنے والے لوگوں کے رسم و رواج کو بھی کائنات انسانیت کے لیے ایک عذاب الیم قرار دیتا ہے۔ اس نے اپنا نیا دین بھی ایجاد کیا ہے۔ جس کی اشاعت و تبلیغ کا سودا شب و روز اس کے دماغ پر مسلط رہتا ہے۔

ضماد بن ازدی نے نہایت پر زور دعویٰ کیا اور کہا کہ "ذرا مجھے اس کے پاس تو لے چلو پھر دیکھو کہ میں اپنی عجیب و غریب افسوں گری کی طلسم کار قوتوں سے اس کا مزاج کتنی جلد درست کر دیتا ہوں۔"

کفار نے اس کو بارگاہ رسالت میں بھیج دیا۔ ضماد بن ازدی نے اپنی افسوں گری کی قوت کے زعم میں آپ سے کہا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا افسوں سننے کے لیے گوش بر آواز ہو تاکہ میں تیرے سر سے بھوتوں اور جنوں کا اثر اتار دوں۔" حضور اقدسؐ نے تبسم کناں ہو کر فرمایا۔ "کہ پہلے میرا افسوں سن لیجیے پھر اپنا سنانا۔" ضماد بن ازدی نے کہا "بہت اچھا پہلے آپ اپنا افسوں سنائیے۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

آپؐ نے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ کے ابتدائی کلمات اما بعد تک استعمال کیے تو ضماد بن ازدی کلام کی لطافت اور فصاحت سے مسحور ہو گیا۔ اور آپؐ کو روک کر عرض کیا کہ ایک دفعہ پھر اپنی بلاغت التیام کلام کو دوہرائیے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر اپنے جادو اثر الفاظ کو دُہرایا۔ ضماد بن ازدی نے کئی دفعہ ان دل میں اتر جانے والے الفاظ کو سنا اور ان

کی فصاحت اور بلاغت میں رطب اللسان ہو کر عرض کیا کہ میں نے بہت سے قیامت خیز ساحروں شیریں مقال شاعروں اور غیب دان کاہنوں کا کلام بلاغت نظام سنا ہے۔ مگر یہ دلآویزگی، یہ کشش، یہ بلند پروازی اور یہ فصاحت کسی کے کلام میں نہیں پائی جو آپ کے سحر کار کلام کا مابہ الامتیاز حصہ ہے۔ آپ کے الفاظ بحر فصاحت کے وہ درخشاں موتی ہیں جن کی چمک تا قیام قیامت کبھی کم نہ ہوگی،،

اس کے بعد حضور اقدسؐ سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ میں مشرف باسلام ہوتا ہوں۔ اس طرح ایک مشہور افسوں گر جو حضور انورؐ پر سے سحر کا اثر اتارنے آیا تھا خود مسحور ہو گیا اور روحانیت وحدانیت کے اس عدیم المثال جادوگر کے ایک منتر کی تاب بھی نہ لا سکا۔

مشرکین مکہ نے جب یہ استعجاب انگیز واقعہ سنا توان کی چھاتی پر سانپ لوٹ گیا۔ رنج و ناکامی اور ترقی اسلام کے حسد سے ان کے تن بدن میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے اپنے ظلم وستم کے ترکش میں حضور انورؐ کے سینہ کو چھلنی بنانے کے لیے کینہ وعناد کے چند اور تیروں کا اضافہ کر لیا۔

ایک شیریں مقال شاعر مسحور ہو گیا:۔

سردار کائنات، فخر موجودات، آقائے نامدار حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق وصداقت کے جادو سے بچنے کے لیے ان لوگوں کو کہیں پناہ نہ تھی۔ جن کے دماغوں میں اس سحر انقلاب آفریں کو سمجھنے کے لیے دانش و خرد اور علم و عقل کا کچھ حصہ بھی موجود ہوتا جب تبلیغ واشاعت اسلام کی صدائیں مکہ معظمہ کے ہر در و دیوار سے بلند ہو رہی تھیں۔ مگر ان صداؤں کو سن کر خانہ دل میں جگہ دینے والے کان بہرے ہو چکے تھے۔ انہی دنوں میں ایک شخص طفیل ابن عمرو مکہ میں وارد ہوا۔

وہ یمن کے نواح کا باشندہ اور قبیلہ دوس کا سردار تھا۔ وہ اپنے اثر و رسوخ، طاقت و اقتدار اور دولت و ثروت کی وجہ سے امراء و رؤسائے یمن کے زمرہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ دولت واقتدار کے علاوہ وہ علم و عقل اور دانش و خرد کی بے بہا دولت سے بھی مالا مال تھا۔

وہ ایک زبردست مقرر اور شیریں مقال شاعر تھا۔

جب سرداران قریش نے اس کی آمد کی خبر سنی تو اس رئیس گردوں وقار سے استقبال کو گئے اور نہایت عزت اور تپاک سے اپنے شہر میں لائے۔ تھوڑی دیر کی ادھر اُدھر کی گفتگو کے بعد اس کو یہ بات بھی ذہن نشین کرادی گئی کہ شہر مکہ میں ایک ایسا مشہور و معروف جادوگر پیدا ہوگیا ہے جس کے جادو سے نہ کہیں پناہ ہے اور نہ اس عجیب و غریب جادو کا کوئی اتار ہے۔ وہ ساحر دل کا ساحر ہے۔ ساحر بھی اس کے پاس جاکر مسحور ہو جاتے ہیں۔ اس کی فصیح البیانی اور قادر الکلامی نے بڑے بڑے علماء کرام اور شعرائے عظام کو اپنا مطیع و منقاد بنالیا ہے۔ اس لیے تم انتہائی حزم و احتیاط سے کام لینا۔ ورنہ اگر اس فسوں پیشہ شخص کی سحر کار آواز بھی تمہارے کانوں میں پڑ گئی پھر تم اس کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنے لیے باعث صد ناز و افتخار سمجھنے لگو گے

طفیل ابن عمرو دوسی نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لینے کا عزم بالجزم کرلیا۔ کفار قریش کی بار بار تاکید نے اسے اس قدر محتاط رہنے پر مجبور کیا کہ وہ گلی اور کوچوں میں بغیر روئی گوش ہوئے بغیر ایک قدم نہ رکھتا تھا۔ ایک دن خوش قسمتی سے کانوں میں روئی ٹھونسے مسجد الحرام میں جانکلا۔ حضور اقدس نماز فجر میں نہایت ذوق و شوق سے مصروف تھے۔ اور جبین مقدس خاک پر رکھے خداوند تعالےٰ کی شان معبودیت کا اقرار کر رہے تھے۔ طفیل نے کانوں میں تو روئی ٹھونس رکھی تھی مگر آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ سجدہ سجود اور قیام و قعود کا یہ طریقہ اس کے دل میں کھب گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آخر میں بھی تو ایک عالم و فاضل شخص ہوں میرے سحر کار طرز تکلم کا لوگوں میں چرچا ہے۔ اس شخص کی باتیں ایسی بھی کیا فسوں کار ہوں گی کہ میری تاب شکیبائی زائل کردیں گی اور اس شخص کی فرمانبرداری پر مجبور کردیں گی۔ مجھے دیکھ تو لینے دو آخر اس کی ترکش میں وہ کونسا تیر ہے جس سے قریش اس قدر خوف زدہ ہو رہے ہیں؟"

حضور انور نماز فجر ادا کرنے کے بعد کاشانہ نبوی کی طرف لے چلے۔ طفیل بھی جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا آپ کے تعاقب میں روانہ ہو پڑا۔ تھوڑی دور جاکر آپ سے کہنے لگا کہ مجھے اپنا کلام سنائیے۔ حضور نے فرمایا بہت اچھا۔ آپ کی حق و صداقت کے

جذبات سے لبریز لطافت بار فصیح الکلامی نے چند منٹوں میں ہی طفیل ابن عمر کو اپنا گرویدہ بنالیا آپ نے قرآن شریف کی چند آیتیں سنائیں۔ فضائل اسلام بیان کیے توحید پہ ایک مختصر مگر جامع و مانع وعظ فرمایا۔ آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ طفیل کے دل میں گھر کر گیا اور وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

قریش نے جب طفیل ایسے عقیل و فہیم شخص کا مشرف بہ اسلام ہونا سنا تو وہ حیرت و استعجاب سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے اپنے دلوں میں یقین واثق کر لیا کہ اس افسوں پیشہ شخص کے "موہنی منتر" سے پناہ مشکل ہے۔ اس بلائے بے درماں کا چارہ اگرچہ ایک ناممکن سی بات نظر آتا ہے لیکن اگر تھوڑا بہت علاج ہے بھی تو وہ یہی ہے کہ اشاعت و تبلیغ اسلام کے داعی اعظم کو تختہ مشق جور و جفا بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات اقدس ہی ہے جو ہماری تمام مصائب و نوائب کا منبع و مخزن ہے۔

اس طرح انھوں نے حضور انور کو انسانیت سوز مظالم کے تیروں کی آماج گاہ بنانے کا عزم بالجزم کر کے اس پہ عمل پیرا بھی ہونا شروع کر دیا۔

عداس نصرانی

صداقت کے لیے تڑپتی ہوئی رُوح

مشرکین طائف کی استبداد نوازیوں کا شکار ہونے کے بعد نبی اکرمؐ نے جس انگورستان میں پناہ لی تھی وہ عتبہ اور شیبہ دو سرداروں کی ملکیت تھا۔ جب آپؐ حالت مظلومی و بیچارگی میں وہاں جا کر بیٹھے تو ان سرداروں نے یہ آپ کی حالت نزار دیکھی تو ان کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنے غلام عداس نصرانی کے ہاتھ کچھ انگور ایک رکابی میں ڈال کر بھجوائے۔ عداس نے انگوروں کی رکابی مظلوم داعی حق کے حضور پیش کی اور خود پاس ادب سے چند قدم ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔

چند الفاظ کا انقلاب آفریں اثر :-

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر انگور نوش فرمانے شروع کیے۔ عداس کی صداقت طلب اور حق کوش روح پر ان الفاظ کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ ایک لمحہ بھر کے لیے کچھ بے خود سا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے ایسے سحر کار الفاظ کسی کی زبان سے نہیں سنے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عداس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ اور کس بستی کے رہنے والے ہو؟ عداس نے اپنا حسب و نسب بتلایا۔ اور کہنے لگا کہ میں نینوا بستی کے رہنے والا ہوں اور میرا آبائی دین نصرانیت ہے۔ حضرت صاحب نے کہا اچھا تم نینوا بستی یعنی یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا یونس میرا بھائی ہے۔ وہ بھی پیغمبر تھا۔ میں بھی پیغمبر ہوں۔ یہ سنتے ہی عداس فرط تحیر اور فراوانی مسرت سے اچھل پڑا۔ اس نے دریافت کیا آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ مجھے محمد بن عبداللہ کہتے ہیں۔

توریت اور انجیل کی پیشین گوئی :-

حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ الفاظ سن کر عداس کے چہرے پر مسرت کا رنگ آ گیا۔ اس کی روح وفور انبساط سے لبریز ہو گئی۔ اس نے جھومتے ہوئے کہا ٹھیک ہے۔ آپ وہی گرامی قدر اور برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کا ذکر توریت و انجیل میں آچکا ہے۔ آپ کی نسبت یہ پیشین گوئی بھی ان کتب میں موجود ہے کہ آپ عرب کی بستی مکہ معظمہ میں پیدا ہوں گے اور شروع شروع میں آپ کی قوم آپ کے پیغام کو ٹھکرا دے گی۔ اور آپ کو اس قدر جور و جفا کا ہدف بنائے گی کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی۔ مگر بعد میں تمام دنیا آپ کے پیغام بصیرت افروز سے تمتع اندوز ہو گی۔ آپ جو شمع روحانیت اور چراغ ہدایت روشن کریں گے۔ اس کی روشنی سے مشرق و مغرب روشن ہو جائے گا۔

عداس کا مشرف بہ اسلام ہونا:۔

داعی حق نے دریافت فرمایا عداس! کیا تم اس روحانی روشنی سے جو میں لایا ہوں، اپنا قلب منور کرنا چاہتے ہو؟ عداس نے فرط ادب سے جھک کر کہا گرامی قدر مصلح اعظم! ؎

دیر است کہ سودائے تو در سینہ ماست

میں تو بڑی دیر سے آپ کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کے لیے منتظر بلکہ بے تاب ہوں۔ زہے نصیب کہ آج خوبی قسمت سے آپؐ کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوا۔ اب آپؐ مجھے حلقہ بگوش دین ہدیٰ کریں۔ حضرت نے نور اسلام سے عداس کا سینہ منور کیا۔

قدم مبارک کو بوسہ:۔

آپ کی شیریں زبانی اور عذاب البیانی سے متاثر ہو کر وہ فرط ادب اور فراوانی عقیدت کے جذبہ سے جھک پڑا۔ اور آپ کے سر ہاتھ اور قدم مبارک کو پیہم بوسے دینے لگا۔ عتبہ اور شیبہ نے جب غلام کی اس حرکت کو دور سے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ غلام تو بس ہاتھ سے گیا۔ اس نووارد شخص نے اسے بگاڑ دیا۔

عداس جب حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رخصت لے کر واپس پھرا تو عتبہ اور شیبہ نے دریافت کیا۔ عداس! تجھے کیا سودا ہو گیا تھا۔ کہ تو اس نووارد شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگ گیا تھا؟

عداس نے فخریہ لہجہ سے کہا۔ ایسے برگزیدہ شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا بھی کسی خوش قسمت ہی کو نصیب ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے ایسی چیز بتائی ہے جس میں فلاح دارین کا راز مستور ہے اور جسے بغیر انبیاء کے اور کوئی نہیں بتلا سکتا۔ ایسے پاکیزہ لوگوں کا وجود دنیا کے لیے مبارک ہے۔ صفحۂ دنیا پر آج کوئی شخص نہیں ہے جو اس برگزیدہ شخص کی ہمسری کر سکے۔"

ان باطل پرستوں نے کہا۔ تو نے اپنا آبائی دین برباد کر دیا۔ تجھ سا کم بخت بھی کوئی ہو گا؟

عداس نے کہا یہ نہ کہو میں نے ایک ایسے شخص کا دامن ہدایت پکڑا ہے جس سے افضل آج پردہ عالم پر کوئی نہیں جس دین ہدیٰ کو میں نے اختیار کیا ہے اس پر سو آبائی دین نثار میں جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم کی روشنی میں آگیا ہوں۔ کفر کی تیرہ و تار رات سے نکل کر ایمان کے روز روشن میں آگیا۔

اس طرح ایک صداقت کے لیے تڑپتی ہوئی روح حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

نقش حق

مشرکین مکہ نے داعی حق، فخر کائنات، مجسمہ رحم وکرم نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کے "جرم" میں جو انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز ستم توڑے ظلم و عدوان اور جور و جفا کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ مگر مجسمہ صبر و برداشت اور پیکر استقامت و استقلال حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس عزم بالجزم اور ہمت وشجاعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے اپنے سینہ کو کفار کے جور و ستم کے تیروں کی آماجگاہ بنائے رکھا۔ وہ قوت و برداشت کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔ کفار نے صبر و برداشت کا ایسا فقید المثال مظاہرہ نہ کبھی آنکھوں دیکھا تھا نہ کبھی کانوں سنا تھا۔ کئی بلند خیال اور تعلیم یافتہ اشخاص حق و باطل کی اس حیرت انگیز کش مکش سے بہت متاثر ہوئے جن کے دلوں میں کبھی بھول کر بھی اسلام کی عزت و وقعت کا خیال پیدا نہ ہوا تھا۔ اب ان کے دل میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے تھوڑے سے بہت ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔

ظاہر احالات کو دیکھا جائے تو یہ سب کچھ ایک عارضی، وقتی اور ہنگامی جذبہ معلوم ہوتا ہے۔ آبائی دین سے منحرف ہونے پر برادران وطن لعنت و ملامت اور اپنے رشتہ داروں کی نظر میں سبک ہونے کے خوف نے اس ہلکی سی شعاع صداقت کو جو بعض مخالفین اسلام کے دلوں میں فخر کائنات کا عدیم النظیر استقلال اور مشرکین مکہ کی ستم کوشیوں کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی، علی الاعلان ظاہر نہ ہونے دیا مگر حق کا نقش اندرونی طور پر بہت سے دلوں پر ثبت ہو گیا۔ اور اکثر صورتوں میں اس

کا اثر پائیدار بھی ہوا۔

تبلیغ حق لافانی ہے

حق و صداقت کی تبلیغ کی کوششیں جو ضمیر کا ہمنوا ہو کر کی جائیں آج تک کبھی ناکام نہیں ہوئیں تاریخ شاہد ہے کہ اصلاح کے لیے اٹھایا ہوا کوئی قدم کبھی بے کار ثابت نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ نیک جذبات اور بلند خیالات ریفارمروں کی موت کے بعد بھی دنیا کے دلوں کو متاثر کرتے رہے جو ریفارمر اپنی زندگی میں قطعی ناکام رہے تھے۔ ان کا مشن ان کی موت کے بعد عروس کامرانی سے ہمکنار ہوا۔

حق کو کبھی فنا نہیں :۔

نیک اور بلند خیالات کبھی فنا نہیں ہو سکتے۔ ان کی اہمیت کی طرف سے اگر دنیا آج غافل ہے تو کل غافل نہیں رہے گی۔ جلد یا بدیر وہ اپنا اثر ضرور دکھائیں گے۔ یہی بات تبلیغ اسلام کے معاملہ میں بھی ہوئی جن لوگوں نے ابتداء میں اسلام کا مضحکہ اڑایا تھا۔ وہ بھی آخر کار اس کے جھنڈے تلے آئے اور جوں جوں دن مہینے اور سال گذرتے گئے۔ اسلامی تعلیمات اپنی بلند پروازی اہمیت اور ہمہ گیری کی بدولت عام ہوتی گئیں۔ اور اب بھی ان کے ماننے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار اس کے دعویٰ کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔

یثرب میں اسلام کا پہلا قدم

قبیلہ اوس اور خزرج کی اس مشہور جنگ میں مادر گیتی کے فرزند ایک دوسرے کے خون سے کھیل چکے تھے جس میں قریش کی شمولیت حاصل کرنے کے لیے بنو عبدالاشہل کا ایک وفد انس بن رافع کی قیادت میں مکہ آیا تھا۔ اور جو تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اب قرب و دور سے خانہ کعبہ کے حج کے لیے زائرین کے قافلوں کے قافلے آنے شروع ہو گئے تھے۔ وہ کوہ وقار استقلال کی مالک ہستی جو دنیا پر توحید کے عقیدہ کی حکمرانی

دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ اشاعت و تبلیغ اسلام کے ایسے سنہری موقعہ کو دیکھ کر کس طرح اس سے تمتع اندوز ہونے کی کوشش نہ کرتی۔ روز روشن میں تو ابوجہل ایسے اجہل اپنی جہالت کی طوفان بے تمیزی برپا کر کے آپؐ کی صدائے حق کو دبانے کی جدوجہد میں سرگرم عمل رہتے۔ اس لیے آپ نے شب تاریک کی تیرگیوں کو نور اسلام پھیلانے کا بہترین اور مناسب ترین موقعہ سمجھا۔ شام کے گہرے دھندلکوں میں آپؐ کاشانہ نبوی سے چپکے سے نکلتے۔ اور ان لوگوں کے دلوں کو جو اس شب تیرہ و تار ایسی جہالت کی تیرگیوں میں زندگی بسر کر رہے تھے اپنی بصیرت افروز تعلیم کی روشنی سے بقعہ نور بنانے کی کوشش کرتے۔

ایک رات آپؐ نے اسی سلسلہ تبلیغ و اشاعت میں گشت کرتے وقت مکہ معظمہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر عقبہ کے مقام پر چند لوگوں کو آپس میں گفتگو کرتے سنا تو آپ فوراً ان کے پاس پہنچے۔ اپنی فصیح البیانی اور قادرالکلامی کے سحر کار معجزے کی مدد سے حق و صداقت کی تعلیم ان کو ذہن نشین کرانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام سعید روحیں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان چھ خوش قسمت ہستیوں کے نام نامی اور اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ جو قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے اور حضورؐ کے رشتہ دار تھے

(۲) رافع بن مالک جن کو حضور اقدسؐ نے جس قدر قرآن شریف اب تک نازل ہو چکا تھا لکھا ہوا عنایت فرمایا۔

(۳) عوف بن حارث۔

(۴) قطبہ بن عامر۔

(۵) جابر بن عبداللہ۔

(۶) عقبہ بن عامر بن نابی۔

حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ان فرزندان توحید نے حضور اقدس کو یقین دلایا کہ ہم مدینہ کے لوگوں کے تاریک دلوں میں اسلامی خیالات کی شمع روشن کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے اور آئندہ ظہور پذیر ہونے والے واقعات اس حقیقت پر شاہد عادل ہیں کہ ان صادق الوعدہ ہستیوں نے اپنے وعدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا۔ اگرچہ اسلام کا تھوڑا بہت علم پہلے بھی مدینہ کے لوگوں کو ہو چکا تھا لیکن کامیابی اور مبارک باد کا سہرا ان چھ مبارک ہستیوں کے سر ہے جنہوں نے مدینہ کی گلی گلی میں اسلام کا چرچا پھیلا دیا۔

بیعت عقبۂ اولیٰ:۔

اس خوش قسمت بستی میں جس کا ذرہ ذرہ کسی آنے والے وقت میں اسلام کے سرمدی نور کی تابشوں سے رشک مہر و ماہ بن کر چمکنے کو تھا، اسلام کا مقدس قدم کئی ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں داعی دین ہدیٰ کو مدینہ میں اسلام کی کامیابی یا ناکامی کی نسبت کوئی پتہ نہیں لگ سکا۔ آپ ان چھ سعید روحوں کی کوششوں کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے نہایت بے تابی سے منتظر تھے جو عقبہ کے مقام پر آپ کی بصیرت افروز تعلیم سے ہدایت یاب ہو کر گئی تھیں، آخر حج کعبۃ اللہ کے ایام فرحت انجام آپہنچے۔ آپ حسب معمول ان دنوں میں اشاعت و تبلیغ اسلام کی مقدس سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ رات کے وقت دعوت اسلام دیتے جاتے تو آپ کی آنکھیں ان فرزندان کو ڈھونڈتی تھیں جو مدینہ میں اسلام کا پیغام اشاعت پذیر کرنے کا وعدہ کر گئے تھے۔

آخر ایک رات آپ کی نظر ان لوگوں پر عقبہ کے مقام پر پڑ ہی گئی۔ انہوں نے بھی آپ کو دیکھا اور جوش مسرت سے اچھلتے ہوئے حضور اقدس کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ سال بھر کی کارروائی عرض کی مدینہ کی ساتر گار آب و ہوا اور نم دار زمین میں اسلام کی تخم ریزی بار آور ہو رہی تھی۔ اس وقت ان فرزندان اسلام کے ساتھ سات شخص اور تھے جو تشنہ لب ہو کر رشد و ہدایت کے چشمہ سے اپنی پیاس بجھانے آئے تھے۔ آپ نے ان کے دلوں کو بھی نور اسلام سے منور کیا۔ ان کی بیعت لی اور اشاعت اسلام کی کوششوں میں سرگرم رہنے کی تاکید فرمائی۔ انہوں نے بصد عجز و نیاز عرض کیا کہ حضور اقدس ہمارے ساتھ اپنا ایک مبلغ بھیج دیں جو راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کرے۔ مدینہ میں آپ کے حق و صداقت سے لبریز خیالات بہت سرعت سے پھیلیں گے اور بہت جلد متلاشیان حق کی ایک فوج ظفر موج آپ کے اسلام کے جھنڈے تلے دیکھیں گے

آپؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو مدینہ کے فرزندان اسلام کے ساتھ تبلیغ اسلام کی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

مدینہ میں اسلام کی شاندار کامیابی

بیعت عقبہ اولیٰ اشاعت اسلام کی تاریخ میں ایک نہایت شاندار باب ہے بلکہ اسے اشاعت اسلام کی کتاب کا دیباچہ کہنا چاہیے۔ مدینہ کے پہلے چند شخصوں کا مشرف بہ اسلام ہونا اس کتاب کا رنگین عنوان تھا۔

مصعب بن عمیرؓ نے یثرب پہنچ کر سعید بن زرارہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ اور اسی مقام کو اشاعت اسلام کا مرکز قرار دے لیا۔ اسلام کی شاندار اور درخشاں تعلیم سے فیض یاب ہونے کے لیے جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی ہوئی بے شمار روحیں جوق در جوق آنے لگیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کے در و دیوار سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اوس اور خزرج کے قبائل کا تو تقریباً بچہ بچہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ مکہ معظمہ تو بیت الاصنام بنا ہوا تھا اور بت شکن پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حیات بخش حقائق و معارف کی بنا پر مشرکین مکہ آپ کے دشمن جان بنے ہوئے تھے۔ لیکن مدینہ منورہ میں اسلام بسرعت تمام پھیل رہا تھا اور مدینہ کے فرزندان توحید سرور کائنات کا رخ روشن دیکھنے کے لیے بیتاب ہو رہے تھے۔

ایام حج میں مصعب بن عمیر کی معیت میں بہتر مردوں اور عورتوں کا ایک قافلہ حضور انورؐ کے دیدار فیض آثار سے شرف یاب ہونے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوا۔ وہ اپنے دل میں یہ خوش کن تمنائیں بھی لے کر آ رہے تھے کہ حضور اقدس کی بارگاہ عالیہ میں بصد منت عرض کریں گے کہ آپ مکہ معظمہ کے ستم گر اور ظالم باطل پرستوں کے پنجہ سے نکل کر ہمارے شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کریں۔

بیعت عقبہ ثانیہ:۔

حضور انورؐ کو فرزندان توحید کے اس تمنائی دید قافلہ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ جب شب تاریک نے تمام کائنات کو اپنے سیاہ لبادہ میں لپیٹ لیا تو آپ کاشانہ نبوی ؐ سے باہر جلوہ فرما ہوئے اور اپنے منتظر دید پروانوں کو اپنا رُخ روشن دکھانے کے لیے چل کھڑے ہوئے راستے میں آپ کو حضرت عباس ملے۔ جن کا دل اگرچہ اب تک نور اسلام سے منور نہیں ہوا تھا لیکن اس میں آپؐ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی کشش کی وجہ سے آپ کے اشاعت اسلام کے جذبات کے لیے ہمدردی کا مادہ موجود تھا۔ آپؐ نے ان کو بھی اپنے ساتھ لیا اور ان پر اپنا ارادہ بھی ظاہر فرما دیا۔ اور مکہ معظمہ سے تین چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں وادی عقبہ میں پہنچے، جہاں مدینہ کے فرزند اسلام نہایت بے تابی سے حضور انورؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ ان لوگوں میں چند غیر مسلم بھی موجود تھے جو اسلام کی تعلیمات سے اگرچہ فیض یاب نہیں ہوئے تھے لیکن دین ہُدیٰ اور حامیان دین ہُدیٰ سے ہمدردی رکھتے تھے۔ باقی مشرکین مدینہ کو ابھی اس ملاقات کا قطعی کوئی علم نہ تھا۔

عاشقان رسول اور رسول اکرم میں راز و نیاز کی باتیں ہوئیں جب عباس کو مسلمانان مدینہ کا یہ ارادہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر میں لے جانا چاہتے ہیں تو آپ نے ایک پر مغز تقریر فرمائی جس میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا کہ اگر مدینہ کے فرزندان توحید داعی حق کے مقدس قدموں کے لمس سے اپنے شہر کی خاک کا ذرہ ذرہ مہرو ماہ کی تابانیوں پر خندہ زن بنانے کی روح پرور تمنائیں اپنے دلوں میں لے کر آئے ہیں تو انہیں اپنے محبوب و مطاع پیغمبر کی حفاظت کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ مکہ معظمہ میں تو حضور اقدسؐ اپنے خاندان کے لوگوں کے ہمراہ رہتے ہیں، اور آڑے وقت میں آپ کے خاندان کے لوگ اپنی جان پر کھیل کر بھی آپؐ کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن مدینہ میں آپ ایسے لوگوں کے درمیان جا رہے ہوں گے جن سے آپ کا کوئی خون کا رشتہ اور تعلق نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اس حسن عقیدت کے

رشتہ کو خون کے رشتے کی طرح مستحکم اور استوار بنا کر حضور اقدس کی امداد کے لیے سر ہتھیلی پر رکھنے کی ہمت ہو تو بڑی خوشی سے آپ کو اپنے شہر میں لے جاؤ، ورنہ بصورت دیگر تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ آپ کو اپنے شہر میں لے جانے کا خیال اپنے دلوں سے نکال دو۔"

عباس کی تقریر سن کر براء بن معرور نے عرض کی کہ "ہم نے تمہاری بات سن لی۔ اب ہم حضور انورؐ کی زبان مبارک سے بھی کچھ تھوڑی بہت گوہر فشانی کی تمنا رکھتے ہیں۔"

آپؐ نے فرزندان توحید کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشتے ہوئے اپنی فصیح البیانی اور قادر الکلامی کے وہ جوہر دکھائے کہ حقائق و معارف اسلام کے دریا بہا دیے۔ اور تمام تشنہ لب روحوں کو اس چشمہ ہدایت سے سیراب کر دیا۔ آپ نے ان ذمہ داریوں کو بھی نہایت واضح طور پر سمجھا دیا جو فرزندان توحید پر آپ کو مدینہ لے جانے کی صورت میں عائد ہوتی تھیں۔ براء بن معرور نے تمام تقریر سننے کے بعد عرض کی کہ ہم نے ان تمام ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا ہے جو حضور انورؐ کے ہمارے درمیان جلوہ افروز ہونے کی صورت میں ہم پر عائد ہوں گی۔ ہم آپؐ کے رخ روشن کی دید کا لطف حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔"

براء بن معرور نے اپنی گفتگو ابھی ختم بھی نہ کی تھی کہ ابوالہیثم بن ہتیان نے دریافت کیا کہ حضور انورؐ یہ وعدہ کریں کہ ہم کو چھوڑ کر تو نہیں چلے آئیں گے"؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ میری مرگ و زلیست تمہارے ساتھ ہو گی۔ میں کسی حال میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ بشرطیکہ تم اسلامی تعلیمات سے منحرف نہ ہو جاؤ۔"

اس کے بعد سب نے داعی حق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تاریخ میں یہ بیعت عقبہ ثانیہ کی بیعت کے نام سے مشہور ہے۔ جب بیعت ہو چکی تو اسعد بن زرارہ نے سب فرزندان توحید کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اہل مدینہ! آگاہ رہو کہ یہ بیعت کس قدر اہم ہے۔ اس قول و قرار کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ہم تمام قبائل عرب سے لڑائی مول لے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں سب شیدایان رسول نے ایک زبان ہو کر کہا "حضور اقدس کی خاطر تمام قبائل عرب تو کیا اگر ساری دنیا کے خلاف بھی ہمیں اپنی خون آشام تلواریں نیام سے باہر

کھینچنی پڑیں تو ہم ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ اس عہد و پیمان اور قول و اقرار کی پختگی کے بعد داعی حق نے ان فرزندان توحید میں سے بارہ بزرگوں کو منتخب کیا اور ان کے ذمے مدینے میں تبلیغ اسلام کی خدمات ادا کرنے کا فرض عائد کیا۔ ان نقیبوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) رافع بن مالکؓ۔	(۲) عبداللہ بن عمرؓ۔
(۳) سعد بن عبادہ رضؓ۔	(۴) سعد بن ربیع رضؓ۔
(۵) اسعد بن حضیر رضؓ۔	(۶) براء بن معرور رضؓ۔
(۷) اسعد بن زرارہ رضؓ۔	(۸) عبداللہ بن رواحہ رضؓ۔
(۹) عبادہ بن صامت رضؓ	(۱۰) ابوالہثیم بن التیہان رضؓ۔
(۱۱) منذر بن عمرو رضؓ۔	(۱۲) سعد بن خیثمہ رضؓ۔

مجلس کا راز افشا ہو گیا:۔

حضور انورؐ ان بارہ نقیبوں کو اشاعت و تبلیغ اسلام کی ہدایت دے رہے تھے کہ اتنے میں پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک کافر نے بلند آواز سے مشرکین مکہ کو پکارا اور کہا کہ اس وادی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفقاء اور ایک نئی جماعت کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف سازشوں کے منصوبے باندھ رہے ہیں، مگر آپؐ جانتے تھے کہ اس وقت سب لوگ محو خواب ہیں اور اتنی جلد کوئی ہنگامہ برپا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپؐ نہایت اطمینان سے اپنے کام میں مصروف رہے۔ جب سب کام ختم ہو چکا تو سب شرکائے مجلس ایک ایک دو دو کر کے چپکے سے منتشر ہو گئے۔ حضور اقدس حضرت عباسؓ کے ہمراہ اپنے دولت خانہ کو تشریف لے آئے۔

مشرکین مکہ کی تگ و دو:۔

صبح ہوتے ہی مشرکین مکہ پر اس خفیہ مجلس کا راز افشا ہو گیا۔ چنانچہ سربرآوردہ سرداروں کی ایک جماعت اہل مدینہ کے پاس پہنچی۔ اور کرید کرید کر سب حالات دریافت کرنے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ کفار مدینہ کو بھی اس مجلس کا کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے ان کو کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا

عبداللہ بن ابی بن سلول (جو بعد میں منافقوں کا سردار بنا) مدینہ کا ایک بااثر اور بارسوخ شخص تھا۔ اس نے مشرکین مکہ کو یقین دلایا کہ اہل مدینہ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اہل مدینہ کوئی کارروائی کریں اور میں اس کی جزئیات اور تفصیلات سے بے خبر رہوں۔ عبداللہ بن ابی کی باتوں سے مشرکین مکہ کے دلوں سے شک و شبہ کے دھندلے نقوش مٹ گئے۔ مگر عبداللہ بن ابی خود بھی اندھیرے میں تھا۔ اسے رات والی مجلس اور فرزندان توحید کے عہد و پیمان کا قطعی کوئی علم نہ تھا۔

سعد بن عبادہ پر سختی

قریش کے چلے جانے کے بعد اہل مدینہ نے زاد سفر لیا اور کوچ کی تیاری کرلی۔ ان کے چلے جانے کے بعد قریش کو معتبر ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ رات والی مجلس کا واقعہ کوئی افسانہ تلبیس نہ تھا۔ بلکہ ایک حقیقت تھی۔ اس لیے وہ اہل مدینہ سے فریب دہی کی باز پرس کرنے کیلیے مسلح ہو کر آئے۔ اور سب لوگ تو جا چکے تھے۔ منذر بن عمرو اور سعد بن عبادہ بہ وجوہات چند در چند پیچھے رہ گئے تھے۔ منذر تو قریش کو آتا دیکھ کر چل دیا اور ظالموں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر سعد بن عبادہ بدقسمتی سے ان خونخوار بھیڑیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ پھر کیا تھا۔ انھوں نے لات مکی، طمانچہ سے اس غریب کی خوب تواضع کرنی شروع کر دی۔ اور پیٹتے پیٹتے شہر کو لے آئے۔ بعید ممکن تھا کہ یہ ظالم اسے جان ہی سے مار ڈالتے۔ اگر اس کے دو واقف کار جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نہ آ جاتے۔ انہوں نے قریش کو بتایا کہ یہ شخص تو ہمارا بڑا محسن ہے۔ ہم تجارت کے سلسلہ میں مدینہ جاتے ہیں تو اسی کے ہاں قیام پذیر ہوتے ہیں۔ تم نے اسے تختہ مشق جور و جفا کیوں بنا رکھا ہے؟ یہ کہہ کر بڑی مشکل سے قریش کے پنجہ ظلم و ستم سے سعد بن عبادہ کو رہائی دلائی۔ آپ نجات پاتے ہی یثرب کو روانہ ہو پڑے۔

حضور کو ہجرت کا علم کب ہوا

ممکن ہے مذکورہ بالا حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد قارئین کرام کے حاشیہ خیال میں

یہ بات گذر رہی ہے کہ حضور انور ہجرت مدینہ کا پیشتر ہی سے ارادہ فرما چکے تھے۔ پھر ہجرت کے وقت ہجرت مدینہ کی وحی کا نازل ہونا چہ معنی دارد؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو ہجرت مدینہ کا علم تو بیعت عقبہ ثانیہ سے بھی بہت عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔ اور خواب میں آپ کو وہ جگہ بھی دکھا دی گئی تھی جدھر آپ کو ہجرت کرنے کا حکم ملنے والا تھا۔ ان تمام واقعات کے پس پردہ انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ایک غیبی ہاتھ کار فرما تھا جیسا کہ میرا ایمان ہے کہ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے واقعات و حوادث کے پس پردہ ایک غیبی طاقت کام کر رہی ہے۔ دنیا کا ہر چھوٹا بڑا کام اپنے مناسب وقت اور موقعہ پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ کارکنان قضا و قدر کی کارگزاریاں انسانی نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہیں اس لیے انسان اپنے تمام افعال و اعمال کو اپنے ارادوں اور اپنی کوششوں کا رہین منت سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جب میں نے اپنے ارادوں کو حرکت دی تو اعمال کی صورت ظہور پذیر ہو گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے ارادوں کو جامہ عمل پہنانے کے لیے حرکت ہی اس وقت دیتا ہے جب مصلحت ایزدی اور رحمت خداوندی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہ خدا کی اپنی قدرت کاملہ اور اس کی اپنی آزاد مرضی تھی کہ اس نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو پیشتر ہی سے ان واقعات سے آگاہ کر دیا جو مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ ہجرت مدینہ کا علم اگرچہ آپ کو پیشتر سے دیا جا چکا تھا مگر اس کے وقت کا تعین ہجرت کے وقت تک پردہ غیب میں رہا جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے اپنے متبعین کو ہجرت کا حکم دیا اور جب آپ کو اپنے لیے حکم ملا تو آپ نے بھی مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔

ہجرت مدینہ کا اذن عام

عقبہ ثانیہ کے بلند و وسیع دروازے سے داخل ہو کر جہاں فرزندان اسلام نے تبلیغ حق اور اشاعت دین ہدیٰ کے لیے ایک وسیع تر اور قدرے محفوظ میدان دیکھا۔ وہاں کفار و مشرکین مکہ کے سینہ پر اسلام کی اس شاندار فتح کے مظاہرے سے سانپ لوٹنے لگا۔ دین محمدی کی اس طرح کی روز افزوں ترقی کے تخیل نے ان کی آتش حسد و رقابت پر اور بھی تیل ڈال دیا

انھوں نے مسلمانوں پر اس "جرم صداقت" کی پاداش میں بیش از بیش ظلم ڈھانے شروع کر دیے داعی حق حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جور و ستم کے اس روز افزوں طوفان بے تمیزی کو دیکھ کر فرزندان توحید کو مدینہ منورہ کی سرشار فضاؤں میں چلے جانے کا حکم دے دیا۔ جہاں سے آپ کو عشق صداقت اور ذوق عقیدت کی نسیم کے خوش گوار جھونکے آتے تھے۔

کفار کی رکاوٹیں:۔

کفار نے ہجرت کرنے والے لوگوں کے راستہ میں بھی حتی الامکان رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کیں۔ مثال کے طور پر جب ابوسلمہ رضہ ہجرت کرنے لگے اور انھوں نے اپنی شریک حیات اور اس کے بانع محبت کے ثمر شیریں سلمہ کو ناقہ پر بٹھایا تو ام سلمہ کے قبیلہ کے بہت سے لوگ آگئے۔ اُنھوں نے ابوسلمہ رضہ سے فیصلہ کن لہجہ میں کہا کہ تیرا دل چاہے تو تو ہجرت کر سکتا ہے لیکن ہم اپنی لڑکی کو کسی طرح غریب الوطن نہیں ہونے دیں گے۔ اسی بحث و تکرار میں ابوسلمہ رضہ کے قبیلہ کے لوگ بھی آپہنچے۔ اُنھوں نے بھی فیصلہ کن الفاظ میں ابوسلمہ کو بتلا دیا کہ تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ مگر لڑکا قبیلہ کی ملکیت ہے ہم اسے نہیں دیں گے۔ چنانچہ بنو عبدالاسد سلمہ کی اولاد کو اور مغیرہ ام سلمہ کو واپس لے گئے اور ابوسلمہ رضہ کو اکیلے ہی ہجرت کرنی پڑی۔

صہیب رضہ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار نے ان کا ہزاروں روپے کا مال و اسباب چھین لیا اور انھوں نے بیک بینی و دو گوش ہجرت کی۔

ہشام بن عاص نے مکہ کی ظلم و ستم کی فضاؤں کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کا رخ کیا تو کفار نے اس کی لات لگی سے خوب تواضع کی اور پھر اُسے قید میں ڈال دیا۔

غرضیکہ اسی قسم کی تکالیف و مصائب کا شکار ہوتے ہوئے تمام فرزندان توحید ایک ایک دو دو کر کے صداقت کی محبت کے لیے مال و دولت اور گھر بار پہ لات مار کر مدینہ چلے گئے۔

اب پیچھے صرف داعی حق اور ان کی رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رہ گئے تھے۔ چند ایک وہ غیر مستطیع اور بیمار و ضعیف مسلمان بھی جو کسی صورت

ہجرت نہ کر سکتے تھے مکہ معظمہ میں مجبوراً رہ گئے تھے۔

چند معترضہ جملے

ظلم وستم کی فضاؤں سے نکل کر امن وسکون کی ہواؤں کی وادی پربہار کی طرف جانے کی خواہش رکھنے والوں کا کفار کی مداخلت بیجا کے باوجود عروس کامرانی ہجرت سے ہمکنار ہو جانا کوئی ایسا قابل معافی "جرم" نہ تھا کہ اس سے مکہ کے باطل پرست لوگ آسانی سے درگذر کر دیتے۔ ان کے دلی جذبات غیض وغضب کی شعلہ کاریوں سے مجسم آتش بن گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے خرمن عروج وکامرانی میں وہ بے پناہ شعلے پھونک دیں جو اسے جلا کر خاک سیاہ بنا کر دیں مگر۔

اسلام خود اک برق خاتف تھا۔

جو اپنی تمام درخشانیوں کے ساتھ کفر وشرک کی خس وخاشاک کی کشت زار پر کوندنے کے لیے بیتاب تھا۔ جب صورت حالات یہ تھی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ آگ کو آگ جلا سکے۔ برق کو برق شعلوں کی نذر کر سکے۔ اور پھر ایسی حالت میں جب ایک طرف باطل کے شرارے ہوں اور دوسری طرف حق کے شعلے۔ ایک طرف کفر کی آتش کاریاں ہوں اور دوسری طرف ایمان کی درخشاں بجلیاں۔ کفار نے اپنی بیسیوں مرتبہ کی شکست یا بیوی کے بعد بھی عبرت نہ پکڑی کہ نقش اسلام کو تختہ دنیا سے نیست ونابود کر دینے کی ہماری ہر کوشش چمنستان اسلام میں۔

اک نئی روش اور اک نئے احاطہ کا اضافہ

کر دیتی ہے جس کی سرسبز وشاداب سرزمین خدا جانے کتنے شجر ثمر دار پیدا کر کے رہے گی۔ اسلام کا افسانہ عروج ورفعت اور داستان کامیابی وکامرانی کفار ومشرکین کی خون فشانیوں اور استبداد نوازیوں سے لکھی ہوئی ہے۔ مخالفین دین ہدیٰ کی ریشہ دوانیاں خود ان کے کفر وشرک کے پاؤں کے لیے ایسی گراں بار زنجیریں بن گئیں جنہوں نے آہستہ آہستہ انہیں اس طرح

پورے طور پر جکڑ لیا۔ اور دین محمدی کی روز افزوں ترقی کی رفتار میں مخالفت کے روڑے اٹکانے کی بجائے خود وہ :۔

آوازِ حق کی صدائے بازگشت بن گئے :۔

باطل پرستوں کی شر انگیزیوں کے پشتہ ادہ میں پک کر تیار ہونے والی اینٹوں نے ہی اسلام کے قصر کی تعمیر میں ایک غیر فانی حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور مستقبل سے بے خبر کفار کی تباہ کار کوششوں نے اسلام کی تاریخ تبلیغ واشاعت میں ایک شاندار باب کا اضافہ کر دیا ـــــ وہ غنچہ، ناشگفتہ جسے پاؤں تلے مسل دینے کی کوشش کی گئی تھی ایک ایسا خوشبودار پھول بن کر مہکا کہ اس کی پنکھڑیوں کی رنگینی و رعنائی اور تازگی و لطافت تشنہ کام رنگ و لبو بھونروں کو اپنے طواف کے لیے چمنستان جہاں کے ہر گوشہ سے کھینچ لائی۔

تاریخ عالم کے دو خونچکاں صفحات :۔

جن پران سرفروش بہادروں کے قابل رشک کارناموں کی خونیں داستانیں حروف زریں میں ثبت ہیں جنہوں نے تمام انسانی خود غرضیوں کو پس پشت ڈال کر کائنات انسانیت عروج و رفعت کے بلند ترین کنگرہ پر پہنچانے کی کوششوں میں اپنے جسم ناتوان کے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے میں دریغ نہیں کیا ـــــ اس حقیقت غیر مشتبہ پر شاہد عادل ہیں کہ ان کے خون مقدس کی وہ چند بوندیں ہی ایک بحر بے کراں بن گئیں جس کے امواج سیلاب میں ان کی سخت ترین مخالفتوں کی شدید سے شدید مخالفتیں بھی خس و خاشاک کے چند حقیر تنکوں کی طرح بہ گئیں۔ اور دیوانگان جہالت کے گروہ کے گروہ بھی ان کی عزت و شہرت کے درخشاں اور غیر فانی کارناموں پر دھول ڈالنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس فقید المثال کامیابی اور کامرانی کی وجہ صرف یہ ہے کہ :۔

حقانیت و صداقت کی پشت پر :۔

ہمیشہ یزدانی طاقتیں اور روحانی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں اور علمبرداران پیغام خداوندی باوجود اپنی بے کسیوں اور لاچاریوں کے اپنی دستگیری کے لیے وہ غیبی ہاتھ دیکھتے ہیں جس کی سخت گیر گرفت دنیا کی بڑی سے بڑی اور متشدد سے متشدد طاقت کو بھی ایک لمحہ

بھر میں زیر کر سکتی ہے۔

اصلاح حق میں ہوتا ہے لقب جس کا خلیل!
آگ اس کے گرد بن جاتی ہے باغ بے عدیل!
نذرِ دریا کر دیا جاتا ہے جو طفلِ جمیل!!
راہ بن جاتا ہے اس کی ضرب سے دریائے نیل

جس طرف پھرتی ہے روح پیر تھراتی ہوئی!
بوئے پیراہن ادھر آتی ہے اٹھلاتی ہوئی!

ہر وہ کوڑا جو لگا ہے بے کسوں کی پشت پہ
ایک دن بن کر رہا ہے رایتِ فتح و ظفر

جنگِ آزادی میں نیزے پہ چڑھا ہے جس کا سر
اس نے قدموں پہ جھکایا ہے سرِ عمرِ خضر!

راہِ حق میں جس کسی نے بھی شہادت پائی ہے
اس نے موجِ آبِ حیواں پر حکومت پائی ہے

جو کلی روندی گئی بن کر رہی سونے کا طشت
جس اکائی کو مٹایا بن گئی ہفتاد و ہشت

رد کرنے پر جس کے آمادہ ہوئے دیوار و دشت
اس ندا کی عرش تک پہنچی صدائے بازگشت

اک زباں سے منہ کے اندر اور کتنے دانت ہیں
حق سے ٹکر کھائے کس کے منہ میں اتنے دانت ہیں

خارج از دفتر کیا ہے جہل نے جو حرفِ حق
دہر میں بن کر رہا ہے اک زمرد کا ورق!

جس وفا پرور کو پہنچایا ہے دنیا نے قلق!
اس کی انگلی سے ہوا ہے چرخ پر مہتاب شق!

بھائیوں نے دی جسے تکلیف چاہ تنگ سے
دی گئی اس کو بلندی افسرو اورنگ سے !!

بس کہ جن ذروں نے کھایا ہے فضا میں پیچ وتاب
بارہا کاٹیا ہے ان کی زد پہ آکر آفتاب !

نذر آتش کی گئی ہے جو بقصد عناب !
نور کا بن کر رہی ہے اک منارہ وہ کتاب !!

ضرب باطل کی پڑی جس حق نما تعمیر پہ
خاک اس کی خندہ زن ہو کر رہی اکسیر پہ !

مسلمانوں کی ہجرت کا نشتر کفار کے دلوں میں

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ فرزندان توحید باوجود ان کی انتہائی مخالفت کے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں اور ایک دو دن میں داعی حق سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ بھی اس ظلم وستم اور جور وجفا کی بستی کو چھوڑ کر ہجرت فرمانے والے ہیں تو ان کے غم وغصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ بات ان کے لیے ایک دو شاخہ تیر ثابت ہوئی جس نے ایک ہی وار میں ان کے دل وجگر کے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ انھوں نے سوچا کہ اب فرزندان اسلام تو ہماری مخالفت اور مخاصمت کے دائرہ اثر سے باہر نکل گئے ہیں۔ اگر داعی حق پیغمبر توحید بھی ہجرت فرما گئے تو ہمارے آباؤ اجداد کا دین تو تختہ دنیا سے مٹے گا ہی ہماری جان ومال کی سلامتی کا بھی پتہ نہیں بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مسلمان مدینہ کے قبائل کو اپنے طرف دار بنا کر کسی وقت مکہ پر حملہ آور ہوں اور ہم سے اس ظلم وستم کے گن گن کر بدلے لیں جو ہم ان پر روا رکھتے رہے ہیں۔ اس اندیشہ مستقبل کے تصور سے مشرکین مکہ کی روحیں لرزہ بر اندام ہو گئیں انھوں نے اس موہوم خطرے کی پیش بندی کے لیے تجاویز سوچنے کی خاطر ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔

دارالندوہ میں کفارِ مکہ کی مجلسِ مشاورت:۔

دارالندوہ میں مکہ کے تمام مشہور قبائل کے سرکردہ بزرگوں اور سرداروں کا اجتماع ہوا۔ان مخالفین اسلام کے ناموں کی فہرست طویل ہے۔اس لیے اس اجمال کی تفصیل سے اس جگہ گریز کیا جاتا ہے صرف اتنی بات اور قابل تذکرہ ہے کہ اس میں حضور انور کے قبیلہ بنو ہاشم کا کوئی سردار شامل نہیں تھا۔کیونکہ اس مجلس کے پیش نظر داعی حق کے قتل کے خوفناک ارادے تھے۔

اس مجلس کا صدر ایک تجربہ کار گرگ باراں دیدہ، کہن سال بوڑھا نجدی شیخ تھا۔یہ بات تو مُسلّم اور بدیہی تھی کہ مشرکین کے آبائی مذہب کو مٹانے کے خطرہ اور ان سے ان کی استبداد نوازیوں کے انتقام کے اندیشے کا منبع اور مرکز تو حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات اقدس ہی تھی۔اس مجلس کے سامنے اب قابل تصفیہ یہ امر تھا کہ اس کوہ وقار ہستی کے بت شکن اور توحید پرست ارادوں کو کس طرح عمل میں آنے سے روکا جائے۔ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ اس حیرت انگیز انسان کو جو دنیا کو جہالت و ضلالت کی گرانبار زنجیروں سے آزاد کرتے آیا تھا آہنی زنجیروں میں جکڑ کر گرفتار زنداں کر دیا جائے۔اور سخت پہرہ لگا دیا جائے تاکہ خورد و نوش کی کوئی چیز آپ تک نہ پہنچ سکے۔اور آپ تشنگی اور گرسنگی کی حالت میں تڑپ تڑپ کر راہی ملک بقا ہوں۔اسی طرح یقینی طور پر اس بلائے بے درماں سے چھٹکارا نصیب ہو جائے گا۔بوڑھے شیطان صدر نے کہا "بے وقوف کیا تجھے یقین ہے کہ جو لوگ پہرہ دینے پر متعین کیے جائیں گے وہ اس افسوں گر کے اثر سے بچ رہیں گے؟ اس کے علاوہ کیا اس کے قبیلے کے لوگ اسے چھڑانے کی کوشش نہ کریں گے اور اس طرح ایک ہنگامہ بپا نہ ہو جائے گا۔

ایک دوسرے شخص نے یہ رائے دی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملک بدر کر دو۔چلو چھٹی ہوئی نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری"!

بوڑھے نے اس شخص کی ناتجربہ کاری پر بھی افسوس کرتے ہوئے کہا کیا خوب! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملک بدر کر دیں تاکہ وہ تمام قبائل کو ہمارے خلاف اشتعال دلاتا پھرے۔اور ملک بدر کرنا ہے۔تو ہماری دخل اندازی کی ضرورت ہی کیا ہے۔شہر بدر تو کم از کم وہ خود ہی

ہونے والا ہے۔"

تھوڑی دیر تک اسی قسم کی مختلف تجاویز پیش ہوتی رہیں اور نجدی شیخ اپنے علم و تجربہ سے سب کی مدلل تردید کرتا رہا۔ آخر اسلام کے دشمن ازلی ابوجہل نے ایک ایسی خونین تجویز پیش کی کہ جس پر سب خوں خوار بھیڑیے خوشی سے اچھل پڑے۔ اور ابوجہل کے ذہن رسا کی توصیف میں رطب اللسان ہو کر گویا اسے "ابو علم" بنا دیا۔ ابوجہل کی تجویز تھی کہ سب قبائل میں سے ایک ایک دراز شمشیر بہادر منتخب کر لیا جائے۔ اور پھر یہ سب تشنگان خون رسولؐ ایک دم دشمن دین صنم پرستی پر حملہ آور ہو کر اس کی مقدس ہستی کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں۔ اس قسم کے قتل سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون سب قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور قریش تمام قبائل سے انتقام لے ہی نہیں سکتے۔ اس لیے قصاص کے بجائے دیت رہ جائے گی اور اسے ہم سب مل کر ادا کر دیں گے۔" سب سرداروں کی اتفاق رائے سے یہ فیصلہ منظور ہو گیا۔ اور تشنگان خون نبی کریمؐ کا انتخاب بھی اسی وقت کر لیا گیا۔ اگلی رات اس خوفناک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مقرر ہو گئی۔

نبیؐ برحق کو ہجرت کا حکم:۔

خدائے علیم و بصیر نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے محبوب نبیؐ کو مشرکین مکہ کے خون ریز ارادوں سے واقف کر دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کی اجازت دے دی۔

آپؐ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جب تمازت آفتاب کی وجہ سے سب لوگ اپنے مکانوں کے اندر محو آرام ہوتے ہیں اور تمام راستے سنسان اور گلیاں خالی پڑی ہوتی ہیں، اپنے یار وفادار رفیق، اور جاں نثار معتقد حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حضور انورؐ کی اس بے وقت اور غیر متوقع طور پر جلوہ فرمائی سے فوراً سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو ہجرت کا حکم مل گیا ہے جو آپؐ ایسی دھوپ میں غریب خانہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کرتے آئے ہیں۔

حضور اقدسؐ نے ابوبکرؓ کے گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا سوال یہ کیا کہ یہاں کوئی

غیر شخص تو موجود نہیں ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ میری دونوں جگر گوشہ حضرت عائشہؓ اور اسماءؓ کے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے۔

پھر حضورِ اقدسؐ نے فرمایا کہ ہجرت کا حکم مل گیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے دریافت کیا حضورؐ کا رفیق سفر کون ہو گا؟ آپ نے فرمایا ابوبکر صدیق۔

حضرت ابوبکرؓ کی مسرت و شادمانی کی کوئی حد نہ رہی۔ خوشی کے جوش سے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے کہ حضورِ انورؐ! میں نے دو اونٹنیاں پہلے ہی سے خوب کھلا پلا کر موٹی تازی کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک آپؐ کی نذر ہے۔ مگر آپ نے بلا قیمت لینے سے انکار کیا اور قیمت دینے پر اس قدر اصرار کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو آپ کے پاس خاطر سے وہ قیمت لینی پڑی۔

ہجرت

(حصّہ دوم)

ہجرت کی تیاریاں

اسی وقت سے ہجرت کی تیاریاں شروع ہو گئیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کاشانہ نبوی کو تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر نے دونوں اونٹنیاں ایک معتبر شخص عبداللہ بن اریقط کے سپرد کر دیں اسماء بنت ابوبکرؓ نے خورد و نوش کا تمام سامان تیار کر رکھا۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرہ آفاق امانت داری:۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف حسنہ نے ایک سحر کار کشش کے زیر اثر قلوب انسانی کو مسخر کر رکھا تھا مشرکین مکہ آپ کی تبلیغ و اشاعت اسلام کی سرگرمیوں کے شدید ترین مخالف تھے مگر آپؐ کی راست گفتاری اور نیک کرداری کے عدیم النظیر مظاہر دن کی تعریف و توصیف میں اب بھی رطب اللسان تھے آپؐ کی امانت داری نے اس قدر شہرت عام حاصل کی تھی کہ آپؐ کے جانی دشمن ہونے کے باوجود کفار مکہ بڑی بڑی گراں بہا چیزیں رقوم، و زیورات، اور بیش بہا کپڑے آپ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے اور اسے محفوظ ترین سمجھتے تھے۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی کے سپرد یہ خدمت کی۔ کہ تمام مشرکین کی امانتیں حفاظت سے ان کو واپس کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کرے اسی دن امانتیں واپس کرتے اور حضرت علی کے آپؐ کے ہمراہ ہجرت کرنے کی صورت میں راز افشاء ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست:۔

کفار مکہ نے اپنی گذشتہ شب کی قرار داد کے مطابق قتل رسول کی خونریزی کے خوفناک ارادوں کو اپنے ناپاک دلوں میں لے کر سر شام سے ہی کاشانہ نبوی کا محاصرہ کر لیا کہ جب یہ برگزیدہ ہستی اپنے خدائے بزرگ و برتر کی آستانہ جلال و جبروت پر سجدہ ریز ہونے کی منشاء سے مکان سے باہر قدم رکھے گی خون آشام تلواروں کے گھاٹ اتار دی جائے گی کور باطن باطل پرستوں کو کیا خبر تھی کہ اس داعی حق کی محافظ وہ قادر و قدیر ہستی ہے جس کے اک اشارہ سے یہ تمام نظام کائنات زیر و زبر ہو سکتا ہے۔ جب کافی رات چلی گئی چاروں طرف سناٹا چھا گیا ان خون آشام بھیڑیوں کے سوا جو کاشانہ نبوی پہ پہرہ دے رہے تھے تمام لوگ خواب شیریں کی آغوش میں چلے گئے حضور انور اٹھے حکم الٰہی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر مقدس پہ لٹایا اور اپنی چادر ان پر دینے کے بعد سورہ یسین کی چند ابتدائی آیتیں پڑھنے کے بعد کاشانہ نبوی سے باہر تشریف لائے خدا کی قدرت کاملہ سے تمام پہرے دار اس طرح بے حس سو رہے تھے گویا ان کو سانپ سونگھ گیا ہو حضور انور نہایت اطمینان سے گذر گئے نگران کی آنکھیں بھی ان کے دلوں کی طرح اندھی ہو گئیں تھیں اس لیے وہ کچھ نہ دیکھ سکے آپ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق کے مکان پہ تشریف لے گئے وہ جاں نثار سراپا انتظار بیٹھا آپ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ آپ کو دیکھ کر جوش مسرت سے اچھل پڑا پھر دونوں مخدوم و خادم اور آقا و غلام دوش بدوش پہلو بہ پہلو بخوشی تمام مکہ کی نشیبی طرف ۳ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک تاریک غار کے سامنے جا پہنچے جو غار ثور کے نام سے موسوم تھا یہ غار پہلے سے ہی تاک لیا گیا تھا حضور انور تھوڑی دیر باہر ٹھہرے حضرت ابوبکر صدیق نے پہلے اندر جا کر غار کو اچھی طرح سے صاف کیا اور پھر جن جن جگہوں سے روشنی آتی تھی ان جگہوں میں اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ کر ٹھونس دیے تاکہ کوئی سوراخ باقی نہ رہے اس تاریک غار کی تاریکیوں کو آپ نے تین شب و روز اپنے جلوہ نور افشاں سے منور فرمایا۔

تشنگانِ خونِ رسولؐ کی حیرانی:۔

تشنگانِ خونِ رسول جو کاشانۂ نبوی پر خون آشام تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے بار بار اندر جھانک کر دیکھ لیتے تھے چونکہ آپ کے بستر پر حضرت علی رضؓ آپؐ کی چادر میں لپیٹے پڑے تھے اس لیے کفار مطمئن تھے کہ حضورؐ اقدس ابھی محوِ خوابِ ناز ہیں جب نماز کے لیے باہر تشریف لائیں گے تو صنم پرستی کی مذمت کرنے کا مزا چکھا ہی دیں گے لیکن ان کو یہ کیا پتہ تھا کہ سونے کی چڑیا تو پرواز کر چکی ہے خالی پنجرہ ہی باقی ہے جب صبح نے اپنے بیدار کن جلوے ریگستانِ عرب پر بکھیرنے شروع کیے تو حضرت علی رضؓ بسترِ رسول سے اٹھے اور باہر تشریف لائے خون آشام بھیڑیوں نے دریافت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مجھے کیا معلوم میں تو خوابِ خرگوش میں محو تھا پتہ تو تم کو ہونا چاہیے تھا جو شکاری کی طرح کمین گاہ میں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ کفار یہ سنتے ہی حضرت علی رضؓ پر برس پڑے اور لاتوں گھونسوں سے خوب خاطر تواضع کر کے اپنے دل کا کچھ بخار نکالا مکان کا گوشہ گوشہ ڈھونڈ مارا۔ بھلا وہاں حضورِ انور ہوں تو ملیں وہ تو پہلی رات ہی ان کور باطنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تشریف لے گئے تھے۔

قاتلِ رسول کے لیے گراں قدر انعام:۔

تھوڑی دیر میں تمام مشرکین مکہ میں شور مچ گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود سخت پہرہ کے نہ معلوم کب اور کہاں چلے گئے سردارانِ کفار نے پہرہ دار تیغ زن بہادروں کو ڈانٹا اور لعنت ملامت کی کہ تم اندھے تھے کہ تمہارے پہرہ پر بیٹھے ہوئے وہ افسوں گر ہوا کی طرح فرار ہو گیا شہر کا چپہ چپہ اور گرد و نواح کا گوشہ گوشہ چھان مارا مگر ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ ابوجہل نے حضرت ابوبکر صدیق کے مکان پر دستک دی حضرت اسماء بنت ابوبکر باہر تشریف لائیں اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے۔ ابوجہل نے تحکمانہ لہجہ میں پوچھا۔ "تمہارا باپ کہاں ہے" لڑکی کانوں پر ہاتھ رکھ گئی کہ مجھے کیا معلوم اس پر غصہ سے بھرے ہوئے عفریت نے معصوم

لڑکی کے کانوں پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی ایک بالی گر گئی اور لڑکی سر سے پاؤں تک لرزہ اندام ہو گئی تمام مکان کی تلاشی لی گئی مگر کوئی سراغ نہ ملا۔

جب تلاش و جستجو کی تمام کوششیں ناکامیابی و ناکامرانی سے ہمکنار ہوئیں تو کفار مکہ نے اس عالی حوصلہ شخص کے لیے ایک سو اونٹ کا گراں قدر انعام مقرر کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ گرفتار کر کے لائے یا تہہ تیغ کر کے جسم مقدس سے فرق مبارک اتار کر لائے حریص عرب انعام کے لالچ سے سب کاروبار چھوڑ کر اسی ناپاک مقصد کے حصول کے لیے تگ و دو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر آفرین اور صد آفرین ہے عبداللہ بن اریقط کے ضبط راز داری پر انعام کے لالچ کے دام ہمرنگ زمین میں گرفتار ہو کر راز افشا نہیں کیا حالانکہ وہ زمرہ مشرکین میں ہی شامل تھا اور ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔

ہم ۲ دو نہیں بلکہ ۳ تین ہیں :۔

کفار بڑی سرگرمی سے حضور انور کی تلاش میں تگ و دو کر رہے تھے ایک بڑی جماعت سراغرساں کو ساتھ لے کر نشان کف پائے مقدس سے پتہ لگاتی ہوئی غار ثور کے منہ پر ہی جا پہنچی حضور اقدس اور ابوبکر صدیق کے اتنی قریب کہ ان کو باہر والے لوگوں کے پاؤں نظر آتے تھے ابوبکر صدیق نے کسی قدر پریشان خاطر ہو کر کہا حضور اب تو کفار غار کے منہ پر ہی آ پہنچے ہیں آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا ابوبکرؓ گھبراؤ نہیں یہاں ہم دونوں ہی نہیں ہیں بلکہ ہمارے ساتھ تیسرا بھی ہے وہ تیسرا جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں ہیں۔ سراغ رسانوں نے غار کے منہ پر آ کر اپنا آخری فیصلہ سنا دیا کہ بس اس سے آگے نشان کف پا نہیں ملتے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی غار میں ہے یا اس جگہ سے آسمان پر اڑ گیا ہے خدا کی قدرت کاملہ سے کفار کے پہنچنے سے پیشتر ہی غار کے منہ پر ایک مکڑی نے جالا تن دیا تھا ایک کبوتری نے انڈے دے دیے تھے اور ایک شجر سایہ دار بھی پیدا ہو گیا تھا اس لیے ان نشانات کو دیکھ کر لوگوں نے کہا ایسے تاریک غار میں کون انسان داخل ہونے کی جرات کر سکتا ہے اور پھر اگر کوئی انسان اندر گیا

بھی ہوتا تو یہ مکڑی کا جالا کس طرح ثابت رہ جاتا اور کبوتری کس طرح انڈے دے دیتی اور یہ درخت کیسے چند گھنٹوں میں پیدا ہو جاتا چنانچہ کفار وہاں سے بھی ناکام و نامراد ہو کر واپس پلٹے آئے۔

غار ثور میں خورد نوش کا سامان:۔

حضرت ابوبکرؓ کے لخت جگر حضرت عبداللہ کو پیشتر سے ہدایات دی جا چکی تھیں کہ دن کو کسی وقت چپکے سے آ کر کفار کی تمام کاروائی سنا جایا کرے اور اسماء بنت ابوبکرؓ کے ذمہ یہ فرض عائد کر دیا گیا تھا کہ کسی وقت رازدارانہ طور سے خورد و نوش کا سامان پہنچا جایا کرے اور رفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم عامر بن فہیرہ کا یہ کام تھا کہ شام کے وقت بکریاں چراتا چراتا اس طرف آ نکلا کرے اور شام کے دھندلکے میں دودھ دوھ کر پلا جایا کرے اس طرح بکریوں کے پاؤں سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماء کے قدموں کے نشان بھی مٹ جاتے تھے اور کفار کے شک و شبہ کے لیے کوئی ثبوت باقی نہ رہ جاتا تھا ان سب خادمان رسولؐ نے اپنے اپنے فرض کی ادائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اتنی شدومد سے تلاش اور باوجود آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہنے کے اتنی سخت رازداری یقیناً انصاف پسندی کا تقاضا تھا اس انتہائی حزم و احتیاط اور ضبط و رازداری کے فقید المثال مظاہرے کی داد دینے پر مجبور کرتا تھا۔

مدینہ منورہ کے لیے سفر:۔

حضور انور کو غار ثور کی شب دیجور کی تیرگیوں پہ خندہ زن ہونے والی تاریکیوں کو اپنے سرمدی جلوؤں کی تابشوں سے بقعہ نور بنائے ہوئے تین شب و روز گذر گئے اب کفار کی تلاش و جستجو کی گرمیوں کے ہنگامے سرد پڑ چکے تھے اور وہ ناکام و نامراد ہو کر اپنی قسمت کو رو پیٹ کر مجبوری و معذوری کی خاموشی اختیار کر چکے تھے اس لیے حضور انور نے سمجھا کہ اب مدینہ منورہ کی طرف سفر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے عبداللہ بن اریقط کو

حاضر خدمت ہونے کی ہدایات بھیجی گئیں وہ شام کے گہرے دھندلکوں میں اپنا اونٹ حضرت ابوبکر صدیق والی دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچ گیا حضرت اسماء بنت ابوبکر بھی خورد و نوش کا سامان لے کر آگئیں ابوبکر کا خادم عامر بن فہیرہ بھی آگیا۔ ایک اونٹنی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسری پر حضرت ابوبکر صدیق اور ان کا خادم عامر بن فہیرہ عبداللہ بن اریقط راہ کی خدمات انجام دینے کے لیے ایک معقول اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا اسلیئے وہ بھی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ساتھ ہو لیا۔

حب وطن از ملک سلیمن خوشتر۔

اگر یہ صحیح ہے کہ حب وطن ایک ایسا گوہر درخشاں ہے جس کی مقدس چمک معدودے چند گراں قدر ہستیوں کے دلوں میں ہی پائی جاتی ہے تو بلا شبہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس جذبہ مقدس کی فراوانی سے معمور تھا آپ نے شاہراہ مدینہ پر گامزن ہونے سے پہلے نہایت حسرت و ارمان سے مکہ معظمہ کی طرف رخ روشن پھیر کر زبان مبارک سے فرمایا۔

"آہ اے وطن مقدس! تیری بے پایاں محبت میرے دل کی گہرائیوں میں ایک بحر متلاطم کی طغیانیوں کی طرح موجزن ہے مگر وائے حسرتا! کہ تیرے باشندے مجھے اس لائق تصور نہیں کرتے کہ میں تیری شاداب فضاؤں میں سانس لے سکوں اس لیے مجبوراً حسرت بھرے دل اور پر آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ میں تجھے الوداع کہتا ہوں کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی مے کرد
مے گفت گدا بودن کنعاں خوشتر

اب ابوبکر کے چلے جانے کا کوئی غم نہیں:۔

ابوبکر صدیق کے رسول خدا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تشریف لے جانے کا شرف حاصل کرنے کے بعد ان کے گھر میں ایک بہت دلچسپ واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کا ذکر امید ہے کہ قارئین کرام کو بھی راقم الحروف کی طرح لطف اندوز کرنے کا باعث ہوگا۔ حضرت صدیق اکبر کے والد بزرگوار کو جب آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت جز بز ہوئے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ تمام زر نقد ابوبکر صدیق اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے اور ان کا یقین غلط نہیں تھا۔ کیونکہ ابوبکر صدیق اپنی تمام دولت جس کا تخمینہ پانچ چھ ہزار درم کے قریب تھا اپنے ساتھ لے گئے تھے ابو قحافہ نے پریشان خاطر ہو کر اپنی پوتی اسماء سے فرمایا کہ بڑے رنج والم کی بات ہے کہ ابوبکر خود بھی چلا گیا اور تمام زر نقد بھی اپنے ساتھ لے گیا اسماء بنت ابوبکر بڑی عقلمند اور حاضر جواب لڑکی تھیں دادا کے سوال کے جواب میں عرض کیا کہ نہیں دادا جان وہ تو ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں یہ کہا اور فوراً ایک تھیلی میں بہت سے سنگریزے بھرے اور یہ تھیلی اس جگہ لے جا کر رکھ دی جہاں درموں سے بھری تھیلی رکھی رہتی تھی پھر اپنے بوڑھے اور اندھے دادا کا ہاتھ پکڑ کر تھیلی کے پاس لے گئیں بوڑھے نے ایک ہاتھ سے تھیلی کو چھو کر دیکھا اور دیر سے پوتی نے تسلی آمیز اور زوردار لہجہ میں کہا دیکھا دادا جان ہمارے پاس کتنا زر نقد موجود ہے اور فوراً ہی بوڑھے کو اس جگہ سے واپس لے آئیں تھیلی چھونے کے بعد بوڑھے نے جوش مسرت سے اچھل کر کہا اب ابوبکر کے چلے جانے کا کوئی غم نہیں ہے۔

ایک حیرت انگیز معجزہ:۔

حضور پرنور کا دلیل راہ آپ کو اصل راستہ سے ذرا ہٹا کر لے گیا تھا کیونکہ اب بھی اندیشہ تھا کہ مبادا کہ مشرکین مکہ تعاقب میں نکلیں پھر بھی ایک شخص کی نگاہ ان پر پڑ گئی

وہ پورے طور پر آپؐ کو پہچان تو نہیں سکا البتہ شک وشبہ کے جذبات اس کے دل میں ضرور موجزن ہو گئے اس نے مکہ معظمہ میں آکر جس شخص کے پاس سب سے پہلے اس راز کو افشاء کیا کہ میں نے تین شتر سواروں کو مدینہ کی طرف جاتے دیکھا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے رفقاء ہی ہوں وہ سراقہ بن مالک بن جعشم تھا سراقہ کی آنکھیں سو اونٹوں کے گرانقدر انعام کا تصور کر کے چمک اٹھیں اور اس نے اس شخص کو خاموش رہنے کی تاکید کی تاکہ یہ راز کسی اور پر نہ کھل جائے اور میں انعام سے محروم نہ رہ جاؤں اور پھر جھٹ پٹ گھوڑے پر زین کس کر کسی اور کے ہاتھ شہر کے باہر بھیج دیا خود بھی لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا شہر سے باہر آیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب رسولؐ میں سرپٹ دوڑا تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ گھوڑے نے سکندری کھائی اور سراقہ نیچے آرہا مگر انعام کے لالچ کے جوش سے جھٹ اٹھا اور سوار ہو کر اسی جوش وخروش سے گھوڑا اڑاتے ہوئے اونٹوں کے قدموں کے نشانوں سے راستہ کا پتہ لگاتا ہوا چلا جب حضور انور نگاہوں کے سامنے نظر آنے لگے تو گھوڑے نے پھر سکندری کھائی اور سراقہ نیچے آرہا مگر ہمت اور جوش سے اٹھا اور پھر سوار ہو کر تعاقب میں چلا جب حضور انور کے اتنا قریب آگیا کہ آسانی سے اس کی آواز گوش رسولؐ تک پہنچ سکتی تھی تو گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا اب سراقہ کو یقین واثق ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نبی برحق ہیں اور یہ میری طاقت وہمت سے بہت بعید ہے کہ ان پر ہاتھ ڈال سکوں چنانچہ سراقہ نے آواز دے کر حضور کو ٹھہرایا اور ایک التماس سننے کی آرزو ظاہر کی حضور انور گوش برآواز ہوئے تو سراقہ نے نہایت عجز وانکسار کے لہجہ میں عرض کیا کہ میری آنکھوں پر سو اونٹوں کے لالچ نے ٹھیکری باندھ دی تھی اور میں حضور انورؐ کی گرفتاری کی ناپاک تمنائیں دل میں لے کر آپ کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا اب میں اپنے اس لغو اور لایعنی ارادے سے باز آتا ہوں آپ براہ عنایت مجھے اس مصیبت کے دام سے رہائی دلائیں۔ حضور انور نے بارگاہ رب ذوالجلال میں دعا کی کہ یا خدا اگر یہ شخص اپنے قول کا سچا ہے تو اس کو اس سزا کے پنجہ سے

نجات دے۔ حضور کا دعا کرنا تھا کہ جھٹ گھوڑے کی ٹانگیں زمین سے باہر نکل آئیں اب تو سراقہ پورے طور پر معتقد ہو گیا جو کچھ زرِ نقد پاس تھا وہ بھی حضور اقدس ؐ کی خدمت میں نذر کرنے لگا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا سراقہ نے بارگاہ رسالت میں یہ بھی عرض کیا کہ میں مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے حضور کے تعاقب میں آنے والے سب لوگوں کو واپس لے جاؤں گا۔ حضور انور نے دعائے خیر کی اور سراقہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ معظمہ کو واپس ہو لیا راستہ میں جو شخص ملتا اسے یہ کہہ کر واپس لے جاتا کہ میں بہت دور تک تلاش کر آیا ہوں (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہیں نشان نہیں ملتا۔

زبیر ابن العوام کی ملاقات:۔

سراقہ بن مالک کے واپس ہونے کے بعد حضور انور تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ زبیر ابن العوام سے ملاقات ہوئی جو شام کی طرف سے کپڑے کی تجارت کر کے آ رہا تھا اس نے آپ اور آپ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے اور تمام ساز و سامان درست کر کے آپ کو ہر طرح آرام میں کر دیا جاتا ہوا یہ بھی عرض کر گیا کہ میں بھی مکہ سے ہو کر بہت جلد حضور اقدس ؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

صدیق اکبر کا ایک ذو معنی فقرہ:۔

راستہ میں جو لوگ ملتے تھے ان میں سے اکثر حضرت ابوبکر صدیق کو پہچانتے تھے کیونکہ آپ اکثر تجارت کے سلسلہ میں اس طرف آیا کرتے تھے مگر حضور انور سے کوئی واقف نہ تھا جب لوگ آپ ؐ کی نسبت دریافت کرتے تو حضرت ابوبکر ایک ذو معنے فقرہ استعمال کرتے کہ یہ میرے ہادی راہ ہیں اس فقرہ کی دلچسپی سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک طرف تو یہ کہہ کر کہ یہ میرے ہادی راہ ہیں رسول اللہ ؐ کی شان رسالت کا اقرار کر جاتے تھے اور دوسری طرف عام دلیل راہ سفر کے معنوں میں لے کر آپ ؐ کا راز بھی افشاء نہ ہونے دیتے تھے تاکہ پتہ لگنے پر

مشرکین مکہ تعاقب نہ کر سکیں۔

وادیٔ قبا میں آفتاب حقانیت کی جلوہ گری :۔

معتبر مورخین اسلام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ وہ آفتاب حقانیت جس نے عرب کے مطلع پر طلوع ہو کر باطل کی تاریکیوں کو مٹایا۔ ۲۰ اکتوبر سنہ ۶۲۲ء کو وادی قباء میں جلوہ گر ہوا اور اس کے ذرہ ذرہ کو نوید درخشانی دی سرور کائنات نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴ اکتوبر سنہ ۶۲۲ء کو مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے آئے تھے کفار مکہ کی جہالت اور خودسری نے سرزمین مکہ کو ایک ایسی جلیل القدر اور محترم ہستی سے محروم کر دیا تھا جس کی خاک پا سرمہ چشم اہل ذوق تھی جس کی نگاہوں میں ایک عالمگیر انقلاب کی داستانیں چھپی ہوئی تھیں درخت اپنے پھل کی شیرینی سے کبھی لذت یاب نہیں ہوتا کفار مکہ اپنی باطل پرستی کی وجہ سے اس آفتاب حقانیت کی نور افشانیوں سے فیض یاب نہ ہوئے یہ خوش قسمتی اہل مدینہ کے حصہ میں آئی کہ اس کی تابش انوار سے اپنے دل کی دنیا کے گوشہ گوشہ کو تجلی زار نور بنائیں۔

حضورؐ انور کی آمد کی خبر مدینہ منورہ میں :۔

پھول مہکتا ہے تو اس کی خوشبو دور دور تک اس کی ہستی کا اعلان کر دیتی ہے آپ کی رسالت کی خبر اہل مدینہ کے کانوں میں بڑی دیر سے پہنچ چکی تھی اور اکثر لوگ آپؐ کی نبوت پر ایمان لا کر اپنے سینہ کو نور اسلام سے منور بھی کر چکے تھے اور بہت سی سعادت مند روحیں اس آفتاب درخشاں کی ایمان پرور شعاعوں سے اپنا خانہ دل بقعہ نور بنانے کے لیے بیتاب تھیں موسم گل آنے سے پیشتر ہی عندلیب شیدا کی نغمہ سنجیوں سے چمن کی فضائیں گونجنے لگتی ہیں جب مدینہ کی تشنہ کامان ہدایت روحوں نے یہ خبر فرحت اثر سنی کہ چشمہ ہدایت کا رخ ان کے شہر کی طرف ہے اور گم گشتگان بادیہ ضلالت کو اس بات کا تسکین اور احساس

ہوا کہ روشنی کا بینارہ اور رہبر کامل اپنی تشریف فرمائی سے مدینہ کی خاک کے ہر ذرہ کو رشک ثریا بنانے والا ہے تو ان کے خزاں آباد دل میں بہارستان کی رنگینیاں کھیلنے لگیں اور ان کی آنکھوں میں فرط مسرت سے آنسو آ گئے۔

شراب نہیں تو ساغر انتظار کھینچ:۔

اب ان تشنہ کامان ہدایت کو گھر کی چار دیواری کے اندر کب چین تھا عشق جنوں پیشہ کی نظرت ہمیشہ سے صحرا نوردی ہے مشتاقان دید نے شاہد روحانیت کے انتظار میں گھر کی مدسو گز زمین، کو چھوڑا اور بیابان کی لبسیط پہنائیوں کو اپنی جنوں نوردیوں کے لیے منتخب کر لیا مدینہ کی یہ سعید روحیں شہر کے باہر میدان میں آ کر بے چینی سے گھڑیاں گنتیں کہ کب ساقی وحدت جس کے انتظار کے ساغر کھینچے جا رہے ہیں جلوہ فرمائی کرے اور اس کے راہ میں ہر قدم پہ آنکھیں بچھائیں ان کی حسرت دیاس اور غم و اندوہ کا بھی کوئی اندازہ کر سکتا ہے جب وہ دوپہر تک انتظار کرنے کے بعد ناکام دید ہو کر واپس گھروں کو چلے جاتے مگر حضور انور نظر نہ آتے۔

مایوسیوں کی تاریکیوں میں اُمید کا ستارہ کامرانی:۔

آخر ان کی مایوسیوں کی شب تاریک میں کامیابی امید کا ستارہ طلوع ہوا ان کی دیرینہ آرزو میں بر آئیں سرور کائنات کے مقدس قدموں نے وادی قبا کو رشک فردوس بنا دیا لوگ حسب معمول شدید انتظار کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے آپ کی دید مبارک کا شرف سب سے پہلے ایک خوش نصیب یہودی کو حاصل ہوا جو اس وقت اپنے مکان کی چھت پہ چڑھ کر آپ کی راہ دیکھ رہا تھا اس کی مشتاق دید نگاہوں نے دور سے آپ کو دیکھا اور قرائین سے پہچانا اس کے دل نے گواہی دی کہ نگاہوں کا دھوکہ نہیں ہے تو وہ فرط مسرت سے اچھل پڑا اور بلند آواز سے پکارا[1] اے گروہ عرب اے دوپہر کو سونے والو، وہ جس کا تمہیں انتظار تھا وہ تمہاری راحت و مسرت کا

سامان تو آ پہنچا ہے۔

حضورِ انور کا پرتپاک استقبال:۔

لوگوں کے دل خوشی اور جوش سے بلیوں اچھلنے لگے دیوانگان عشق اور مشتاقان دید اس شاہد جمال کے استقبال کے لیے بے تابانہ گھروں سے نکل آئے معصوم بچے "رسول اللہ"، "رسول اللہ" کے نعرے مارتے ہوئے ثنیات الوداع کی طرف دوڑے حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے جب اہل عقیدت کو استقبال کے لیے آتے دیکھا تو آقا اور غلام کی تمیز کی غرض سے اپنی چادر رسول اللہ کے سر مقدس پر تان دی تاکہ لوگوں کو سرور کائناتؐ کے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو عقیدت مندوں کے نعرہ تکبیر سے تمام میدان نواز ارعشق بن گیا عورتیں جوش مسرت سے گانے لگیں۔

"جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگا کریں۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے کیونکہ چودھویں رات کے چاند نے کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر طلوع کیا ہے۔"

اس طرح آپؐ کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور شاندار جلوس کے ساتھ واری قبا میں لائے گئے قبا مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور یہ بھی مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی شمار کیا جاتا ہے۔

سرور کائناتؐ کی میزبانی کا شرف:۔

ہر اہل عقیدت کی دلی آرزو تھی کہ سرور کائنات اسے میزبانی کا شرف بخشیں مگر یہ سعادت کسی ایک ہی سعید روح کے حصہ میں آسکتی تھی اور ایک ہی کے حصہ میں آئی آپ کلثوم بن ہدم رضؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق حبیب رضؓ بن اسطاف کے ہاں فروکش ہوئے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آتے تھے اور ذوق و شوق سے آپؐ کے پیغام بصیرت افروز کو سنتے تھے اور فیض یاب ہوتے تھے خدائے بزرگ و برتر کے حکم عالیہ کے مطابق آپؐ نے چودہ دن قبا میں قیام فرمایا اور ہر تشنہ کام ہدایت روح کیلیے

ہدایت کے چشمے کھول دیے۔

وادی قبا میں مسجد کی تعمیر۔

اسی مختصر سے دوران قیام میں آپؐ نے وادی قبا میں اس مسجد کی تعمیر فرمائی جس کی نسبت خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"وہ مسجد جس کی بنیاد روز اوّل پرہیزگاری پر رکھی گئی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں نماز کے لیے کھڑے ہو کیونکہ اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو پاک اور سعید ہیں اور اللہ پاک اور صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

سادگی کا بہترین نمونہ۔

یہ پہلی مسجد تھی جو فرزندان اسلام نے تعمیر کی اس کی تعمیر کا نظارہ بھی اس سادگی کا بہترین مظاہرہ تھا جو اسلامی تعلیم کا مایہ ناز ہے اور جس پر دنیا کی برگزیدہ ہستیوں نے اتنا زور دیا ہے راہ نمایان ملک وملت کی وہی انتہائی سادگی اور شان مساوات جس کا آج بڑے سے بڑا سیاستدان اس شدومد سے تلقین کر رہا ہے۔ ایک طرف اسلام کے نشہ میں سرشار غلامان شہنشاہ اقلیم روحانیت اینٹیں اٹھانے اور گارا لانے میں مصروف تھے تو دوسری طرف آقائے نامدار بھی بصد مسرت مسجد کے تعمیری کام میں عملی حصہ لے رہے تھے اہل عقیدت اصرار کر رہے تھے کہ ان کی موجودگی میں حضور کا مزدوروں کی طرح کام کرنا ان کی حمیت کے جذبات کے منافی ہے۔ مگر آپؐ اپنے اصول سے جنبش نہ کرتے تھے اور کہتے تھے۔

"کہ رفیق وہ ہے جو اپنے رفقاء کے ساتھ ہر حال میں شریک ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم کام کرو اور میں ایک طرف امتیازی شان سے بیٹھا رہوں"

شیرِ خدا حضرت علیؓ کی تشریف آوری:۔

ابھی حضور انور قبا ہی میں قیام پذیر تھے کہ وہ شیر دل اور جاں نثار ہستی بھی خدمت اقدس میں آ حاضر ہوئی جو اپنی جان پر کھیل کر آپؐ کی ہجرت کی رات آپؐ کے بستر مبارک پر سوئی تھی یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور سے مدینہ کی طرف روانگی فرمائی اسی دن یہ جانباز بہادر بھی مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑا مگر چونکہ دشمنوں کے خوف سے رات کے وقت سفر کیا کرتا تھا اور دن کو کہیں چھپا رہتا تھا اس لیے ذرا دیر میں پہنچا اور پھر حضور انور تو سواری پر تشریف لائے تھے اور حضرت علیؓ پیدل آئے تھے قبا میں پہنچنے کے وقت تک اس وابستہ دامن رسول کا سفر کی تکالیف اور رکاوٹوں کی وجہ سے بُرا حال ہو گیا تھا پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے تھکان کی وجہ سے جسم مضمحل ہو گیا تھا قبا کے نزدیک آ کر آپ تکلیف کی وجہ سے بیٹھ گئے اور آگے نہ چل سکے حضور کو پتہ چلا کہ حضرت علی آئے ہیں اپنے ایک جان نثار دوست کی آمد کی خبر سن کر حضور فرطِ مسرت سے بے تاب ہو گئے دوڑے آئے حضرت علیؓ کی مشقت کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور آپ کے پاؤں کے آبلوں کو چومنے لگے اور فرمایا۔

"علیؓ! میں تمہارے آبلوں کو اس لیے چومتا ہوں کہ تم نے صداقت کی راہ میں اپنا سب عیش و عشرت قربان کر دیا ہے امید ہے کہ تمہارے بعد اس راہ پر آنے والے دوسرے لوگ بھی تمہاری مثال سے ہدایت پکڑیں گے"۔

اس کے بعد اس جان نثار دوست کو ہمراہ لے کر آپؐ اپنی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں حضورؐ کی تشریف فرمائی:۔

مدینہ کی گلیاں آراستہ پیراستہ ہیں شہر کی غیر معمولی تزئین و آرائش کسی جلیل القدر

ہستی کی آمد کا پتہ دیتی ہے ۔ ۶۲۲ء کے نومبر کی ۵ تاریخ اور جمعہ کا دن ہے کہ حضور انور قبا والوں سے رخصت ہو کر مدینہ میں قیام کے ارادے سے تشریف لا رہے ہیں شہر میں ہر طرف جوش و مسرت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں گلیوں اور کوچوں میں دور دور تک لوگوں کا دریا امنڈا ہوا نظر آتا ہے مکانوں کی چھتیں تمنائی دید لوگوں سے بھری پڑی ہیں اور عورتیں اور لڑکیاں خوشی کے ترانے گا رہی ہیں اہل عقیدت جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناقہ پر سوار ہیں ۔ سر پر یمنی عمامہ ہے ۔ کندھوں پر سفید چادر اس سادہ لباس میں بھی آپ ایک عظیم الشان ہستی نظر آ رہے تھے کیونکہ لعل و جواہر گدڑیوں میں کبھی نہیں چھپتے اس وقت آپ کے لبوں پر ایک تبسم کھیل رہا ہے آنکھوں میں مسرت کی چمک ہے ۔ مدینہ والوں نے کبھی کسی کا ایسا پرتپاک اور شاندار خیر مقدم نہ کیا تھا اور نہ اس سے پہلے کبھی ایسے جوش و مسرت کا مظاہرہ ہوا تھا یہ جلوس غیر معمولی طور پر شاندار تھا ۔

مولانا شبلی مرحوم نے اس واقعہ کو نہایت خوبصورتی سے نظم کا جامہ پہنایا ہے ؎

جب مدینہ میں غل ہوا کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھیں بچھانے لگے ارباب نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آ کر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
نازنیناں حرم بھی نکل آئیں باصرا!
آل بخار چلے شہر سے ہو کر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ تیغ و سپر
دفعتہً کوکبہ شاہ رسل آ پہنچا!
غل ہوا صلی علے الناس و بشر

سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
مہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرِ دم
سینے کہتے تھے کہ خلوت کدہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ وا اور بھی تیار ہیں گھر

مہمان نوازی کے لیے سر توڑ کوششیں :-

ایسی برگزیدہ ہستیوں کے قدموں کی خاک بھی کحل البصر بنانے کے قابل ہوتی ہے ان کا آثار نظر نور سحر کی ایک کرن ہوتا ہے جو جس چیز پر پڑتی ہے اسے روشن کر دیتی ہے۔ ان کی سانس معطر ہوتی ہے جس فضا میں پھیلتی ہے اسے بھی معطر و معنبر بنا دیتی ہے ان کی ہر ادا تقدس کا ایک خزانہ ہوتی ہے اور اپنے تعلق میں آنے والوں کو بھی مشرف و تقدس کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے کون دانشمند شخص ایسا تھا جو ایسی مقدس ہستی کی شمع وجود سے اپنا خانہ تاریک منور کرنے کے لیے بے قرار نہ ہو سرگروہ لوگ ہر قبیلہ کی طرف سے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے کہ آپؐ کی میزبانی کی سعادت حاصل کریں۔ شیدایان گیسوئے مصطفوی اور سوختہ دلان جلوہ احمدی حضور کے ناقہ کی مہار پکڑ رہے تھے اور اپنے کاشانہ کو آپؐ کے قیام کی برکت سے رشک کاخ شاہی بنانے کے لیے مصر تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث و مباحثہ کو یہ کہہ کر ختم کر دیا۔ کہ میرے ناقہ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے حکم مل چکا ہے۔ تم مہار نہ پکڑو جس شخص کے مکان کے آگے جا کر یہ بیٹھے گا میں وہیں قیام کروں گا۔

حضور انور کی مدینہ منورہ میں پہلی نماز جمعہ :-

جب آپؐ قبیلہ بنو سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت آگیا تھا آپؐ نے وہیں ایک میدان میں نماز جمعہ ادا کی اس وقت ایک سو فرزندان توحید نے آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی پھر آپ نے خطبہ پڑھا مدینہ منورہ میں یہ آپؐ کی پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ تھا اس کتاب

کا مقصد چونکہ انسانی دل کے نیک جذبات میں تحریک پیدا کرنا بھی ہے اس لیے طوالت کا خوف اس خطبہ کا خلاصہ یہاں دینے میں مانع نہیں ہو سکتا۔

مدینہ منورہ میں حضورِ انور کا پہلا خطبہ

برادرانِ وطن! ہم اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں اسی سے امداد کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی سے اپنی نفس کی شرارتوں سے پناہ مانگتے ہیں وہ بزرگ و برتر ہے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی بزرگ تر ہے وہ قادرِ مطلق ہے اس کی حکمرانی بحر و بر پر ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے وہ ہمارے اچھے اور برے اعمال کو دیکھتا ہے نیک اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا دیتا ہے وہ مہربان ہے اس کی سزا ہماری بہتری کے لیے ہوتی ہے وہ رحیم ہے ان لوگوں پر رحم کرتا ہے جو اس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں وہ قہار ہے اس کے قہر کی بجلیاں ان سرکش لوگوں پر ٹوٹتی ہیں جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں پس اس سے ڈرنا سیکھو اور بدی سے باز آجاؤ۔ نیکی کی راہ پکڑو اس خدائے بزرگ کی سلطنت بہت وسیع ہے تم اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے پس اس کی طرف رجوع کرو اسے روٹھا ہوا نہ رکھو کہ اس کے روٹھنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت تم سے نہیں من سکتی اس کی رضا کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دو جب تم اسے خوش کر لو گے تو دنیا کی تمام طاقتیں تم سے خوش ہو جائیں گی جب تم اس کے آگے جھک جاؤ گے تو اس کی دنیا بھی تمہارے آگے جھک جائے گی تم اس سے خوف کھانا سیکھو پھر دنیا کی سرکش سے سرکش طاقت بھی تم سے خوف کھائے گی

اسی خدائے بزرگ و برتر نے جو ہر وقت ہماری ہر حرکت کو دیکھتا ہے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے مجھے ہدایت نامہ دے کر بھیجا ہے میں اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اگر تم اس ہدایت نامہ کی روشنی میں شاہ راہ حیات تلاش کرو گے خدا اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرو گے تو دین اور دنیا دونوں میں سرخرو ہو گے اگر تم خدا اور اس کے رسول کے احکام کی طرف سے منہ پھیر لو گے تو یاد رکھنا کہ دنیا کی ہر طاقت تم سے منہ پھیر لے گی اور تم بالکل گمراہ ہو جاؤ گے اور کہیں فلاح نہ پا سکو گے۔

ابوایوب انصاری کی بلند طالعی:۔

اس فصیح و بلیغ خطبہ کے ذریعہ متلاشیان صداقت کو خالص خدا پرستی راستبازی اور نیک کرداری کی بصیرت افروز تعلیم دینے کے بعد نبی برحق حضور انور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناقہ پر سوار ہوئے اور آگے کو روانہ ہوئے شیدایان جمال نبوی ہر طرف سے مسرت کے نعرے مارتے تھے اور شرف میزبانی حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے مگر یہ خوش قسمتی حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کی قسمت میں روز ازل سے ہی لکھی جا چکی تھی چنانچہ حضور اقدس کا ناقہ اس کے مکان کے سامنے ایک غیر آباد افتادہ زمین پر بیٹھ گیا حضور انور اتر پڑے ابوایوب بصد خوشی حضورؐ کا سامان اٹھا کر اندر لے گیا اور آپؐ کو مکان کی بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لیے نچلا حصہ پسند فرمایا۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر:۔

وہ افتادہ زمین جسے حضور انور کے ناقہ مقدس کے قدموں کی خاک چھونے کا شرف حاصل ہوا تھا معاذ بن عفرا کے رشتہ دار دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اس جگہ بھیڑ دل اور بکریوں کا ریوڑ آ کر بیٹھا کرتا تھا حضور اقدس کی خواہش ہوئی کہ اس غیر آباد حصہ کو خانہ خدا

میں تبدیل کر دیا جائے اور اسے سجدہ گاہ عاشقان حقیقت بنا دیا جائے آپؐ کے دریافت کرنے پر معاذ بن عفراء نے عرض کیا کہ وہ یتیم بچے جن کی یہ زمین ملکیت ہے میرے ہی پروردہ ہیں اس لیے میں ان کو یہ زمین حضور انور کی نذر کرنے کے لیے راضی کر لوں گا مگر آپؐ نے کہا کہ ایسا ظلم ہم کس طرح کر سکتے ہیں کہ یتیم بچوں کا مال چھین لیں خواہ یہ پرستش گاہ خداوندی کے لیے ہی کیوں نہ ہو ہم اسے قیمتاً خریدیں گے چنانچہ اس کی قیمت حضرت ابوبکر صدیق نے ادا کر دی اس زمین میں کچھ تو کھجوروں کے درخت تھے اور کچھ حصہ میں مشرکین کی قبریں تھیں ارشاد نبوی کے مطابق یہ زمین خس و خاشاک سے پاک کر دی گئی اور مسجد کا کام شروع ہوا جو اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ تھی اس کی دیواریں پتھر اور گارے سے بنائی گئی تھیں اور چھت کھجور کی تھی اس کی تعمیر میں حضور انور نے اپنی قدیم عادت کے مطابق بہ نفس نفیس کام کیا تھا۔

نو تعمیر مکان میں جلوہ فرمائی:۔

جتنی دیر یہ مسجد اور حضور انور کے لیے حجرے تیار نہیں ہوئے آپ ابو ایوب انصاری کے گھر میں ہی تشریف رکھتے رہے جب حجرے بن چکے تو آپؐ نے زید بن حارث اور ابو رافع کو مکہ معظمہ بھیج کر حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت ام کلثوم حضرت سودہ بنت زمعہ حضرت اُسامہ بن زید اور ان کی والدہ ایمن کو بلا لیا۔ انہیں کے ہمراہ عبداللہ بن ابی بکر معہ اپنے عزیزوں کے اور حضرت طلحہ بن عبداللہ بھی چلے آئے ان سب لوگوں کے آنے پر حضور انور اپنے نو تعمیر مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت رقیہؓ حضرت عثمان کے ساتھ حبش میں تھیں اور حضرت زینب کو ان کے شوہر نے نہ آنے دیا۔

یہودیوں کے پیشوائے اعظم کا مشرف بہ اسلام ہونا:۔

حقانیت و صداقت کے راز ہائے سربستہ اور اسرار نہفتہ ان لوگوں کے لیے جو ان کو سمجھنے کے اہل ہوں ایک سحر کار کشش رکھتے ہیں لیکن جاہل اور باطل پرست

اور شریر النفس اور کم فہم لوگوں پیاں کی عظمت و وقعت کبھی ہویدا نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام اور دانایان عظام اتنے متعصب اور تنگ نظر نہیں ہوتے جتنے وہ لوگ جن کو مبداء فیاض کی طرف سے بصارت کے ساتھ بصیرت کی دولت و نعمت کافی مقدار میں عطا نہیں ہوتی۔

مدینہ منورہ کے یہودیوں کا پیشوائے اعظم جس کا نام نامی و اسم گرامی عبداللہ ابن سلام تھا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا وہ یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور علم و فضل کا ایک بحر زخار ہونے کی وجہ سے اپنے معتقدوں میں بہت عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا وہ صداقت کا شیدائی تھا صداقت کہیں سے بھی ملے اسے اس کے قبول کرنے میں کبھی انکار نہ تھا حضرت انور کا مدینہ منورہ میں جلوہ فرما ہونا ایسا واقعہ نہ تھا جس سے عبداللہ ابن سلام بے خبر رہتا آپ کی تشریف فرمائی کا چرچا سن کر وہ بھی آپ کے کلمات فیض آیات سننے کے لیے بصد آرزو و اشتیاق بارگاہ نبوی میں مع اپنے چند معتقدین کے حاضر ہوا حضور انور اس وقت توحید باری پر گوہر افشانی کر رہے تھے۔ علم و ہنر کے جوہری عبداللہ ابن سلام نے ان درخشاں موتیوں کو چنا اپنے تجربے اور علم کی کسوٹی پہ پرکھا اور ان کی بے مثال و لاثانی چمک دمک سے مسحور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ ایسی تابانی آسمان کے کسی ستارے اور سمندر کے کسی موتی میں نہیں جو حضور اقدس کی سحر کار گفتاری کے توحید آموز درہائے شہوار میں ہے۔

وعظ و نصیحت کے اختتام پذیر ہونے پہ عبداللہ ابن سلام اٹھ کر چلا گیا تمام رات اس نے حضور اقدس کی شخصیت اور آپ کے الفاظ پہ غور و خوض کرنے میں گزاری آپ کے چہرے کا ایک ایک خط و خال حق و صداقت کی ایک منہ بولتی تصویر بن کر عبداللہ ابن سلام کی چشم تصور کو مسحور کر رہا تھا آپ کی گفتار گوہر بار کا ایک ایک لفظ تیر کی طرح اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ صبح اپنے نورانی جلوے بکھیرتی ہوئی ریگستان عرب کی فضاؤں پہ چھا گئی عبداللہ ابن سلام کا دل بھی صبح درخشاں کی طرح مصفا اور روشن ہو گیا وہ بارگاہ نبوی میں باریاب ہوا اور فجر صادق

فاضل علم لدنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی ایک پیچیدہ اور مشکل سوال کیے جن کا صحیح جواب دینے پر سوائے پیغمبر کے کوئی دوسرا شخص قادر نہیں ہو سکتا تھا۔ عالم علم لدنی نے ان تمام سوالات کا جواب ایسے مدلل پیرائے میں ایسے عمدہ طریق پر دیا کہ عبداللہ بن سلام آپ کی تعریف و توصیف میں بے اختیار رطب اللسان ہو گیا اور بہ رضا و رغبت کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ

دیگر سرداران یہود کو دعوت اسلام :-

اپنا سینہ نور اسلام کے ازلی جلووں کا آئینہ دار بنا لینے کے بعد عبداللہ بن سلام نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ بیشتر اس کے کہ میرا مشرف بہ اسلام ہونا میرے پیروکاروں پر ظاہر ہو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسرے سربرآوردہ یہودیوں کو بلائیں اور ان سے میری شخصیت کے متعلق سوال کریں اگر وہ سب بہ یک دل مجھے اپنا پیشوائے اعظم تسلیم کریں تو آپ ان کو میرے اقتدا اور میری مثال کی پیروی کی ترغیب دیں حضور نے عبداللہ ابن سلام کی اس درخواست کو شرف پذیرائی بخشا اور بڑے بڑے نامور اور سربرآوردہ یہودیوں کو طلب کیا اور ان کو خدا کے پسندیدہ دین متین اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اس دعوت حقہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے لیے وہی دین وہی مذہب اور وہی مسلک بہت اچھا ہے جس کے پیروکار ہمارے آباؤ اجداد رہے ہیں اس لیے ہمیں کسی نئے اور مذہب کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کی ضرورت نہیں ہے ہماری دنیوی اور دینی فوز و فلاح کے لیے ہمارے اپنے مذہب کے اصول ہی بہت کافی ہیں۔"

اس کے بعد حضور اقدس نے عبداللہ ابن سلام کی شخصیت کی نسبت سوال کیا سب سرداروں نے متفق الرائے ہو کر جواب دیا کہ

"وہ ایک فاضل اجل اور عالم متبحر ہے ایک برگزیدہ شخصیت ہے ہم سب کا مقتدائے اعظم ہے ہم سب پر اس کا احترام واجب ہے وہ ہمارا مخدوم ہے اور ہم

سب اس کے خادم"۔

سرداران یہود کا یہ جواب سن کر حضور اقدس نے فرمایا "اگر تمہارا پیشوائے اعظم جس کو تم سب بالاتفاق ایک فاضل متبحر تسلیم کرتے ہو مشرف بہ اسلام ہو جائے تو کیا پھر تم سب اس کے درخشاں مثال کی پیروی کرو گے"۔

اس کے جواب میں سرداران یہود نے کہا "کہ خدا نہ کرے کہ وہ مسلمان ہو" حضور اقدس نے تین دفعہ یہ استفسار کیا تینوں دفعہ ہی سرداران یہود نے یہی جواب دیا اس کے بعد حضور انور نے عبداللہ ابن سلام کو پس پردہ سے بلایا اس نے آتے ہی بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا سرداران یہود انگشت بدندان ہو کر رہ گئے بہت سی سعید روحوں نے اس درخشاں مثال کی پیروی میں دین ہدیٰ قبول کیا اور بہت سے گمراہ لوگ افسوس کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے کہ ہمارا سردار تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو سے مسحور ہو گیا ہے۔

اذان کی ابتداء:۔

ایمان باللہ اور اقرار رسالت کے بعد اسلام کے ارکان اربعہ میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں سب سے اہم رکن میرے نزدیک نماز ہے اسی لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے روز اول ہی اس ضروری عبادت کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا اس وقت نماز دو رکعت پڑھی جاتی تھی۔ بعدہٗ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے بارھویں سال معراج ہوئی تو پانچ وقت کی نماز مسلمانوں پر فرض ہوئی تمام اسلامی عبادات کا ایک مقصد مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان میں اتحاد و اتفاق کی روح پھونکنا ہے اس وقت تک مسلمانوں کو نماز کے وقت مجتمع کرنے کے لیے کوئی طریقہ رائج نہیں تھا کوئی آگے کوئی پیچھے یہ فریضہ مذہب ادا کر جاتا تھا۔ حضور انور جو اتحاد و اخوت وحدت و اجتماع کے داعی اعظم تھے اس انتشار اور بے قاعدگی کو کس طرح پسند کر سکتے تھے ایک دن اس معاملہ پر گفتگو کرنے کے لیے ایک

مجلس مشورت منعقد ہوئی جس میں اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کو ایک ہی وقت پر نماز کے لیے جمع کرنے کا کون سا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے لیکن کوئی صحیح فیصلہ نہ ہو سکا۔

بعض روایتوں کے مطابق قدرت خداوندی سے اسی رات سات صحابہ نے اور بعض دیگر روایات کے مطابق دو صحابہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے خواب میں ایک بزرگ نورانی صورت کو دیکھا جس نے ان کو اذان کے کلمات تعلیم کیے جن کے ذریعہ فرزندان توحید کو یہ فریضہ مذہب ادا کرنے کے لیے ایک وقت میں ایک مرکز پر جمع کیا جا سکتا ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد صبح کے وقت صحابہ بصد مسرت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے خواب کا حال بیان کیا سب کے خواب کی حالت میں سیکھے ہوئے کلمات اذان ایک ہی تھے حضور انور نے یہ کلمات سن کر کہا سبحان اللہ اذان کی ابتدا ان ہی کلمات سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ چونکہ تم خوش الحان ہو اس لیے اذان دینے کا فرض تمہارے سپرد کیا جاتا ہے۔ حضرت بلالؓ نے اسی وقت فجر کی نماز کے لیے اذان دی اس طرح سے اس مقدس صدائے دلکش کی ابتدا ہوئی جسے سن کر ہر مومن و مسلم ہستی کا گوشہ دل عبادت خداوندی کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

عہد مواخات:۔

ہجرت کے پہلے سال کے ابتدائی اہم ترین واقعات میں ایک واقعہ عہد مواخاۃ

کا بھی قابل تذکرہ ہے۔

اسلام کی محبت میں سرشار ہو کر جن فرزندان توحید نے اپنے وطن مالوف مال و زر زمین جائیداد اور عہد جاہلیت کے دوست و احباب کو پائے تغافل سے ٹھکرا دیا تھا وہ مدینہ منورہ میں بے در بے گھر اور بے زر ہو کر آئے تھے ان کے لیے ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی تاکہ ان کو حیرانی اور پریشانی اور تباہ حالی کے مصائب سے دو چار نہ ہونا پڑے اس لیے حضور انور نے مسجد نبوی تیار ہو جانے کے بعد اخوت اسلامی پر ایک وعظ فرمایا جس کا ایک ایک لفظ سامعین کے دلوں میں اتر گیا پھر آپ نے انصار سے فرمایا کہ:۔

"اگرچہ اب تک تمام مہاجر تمہارے ہی گھروں میں رہتے رہے ہیں لیکن اب ان کو ایک مستقل انتظام کی ضرورت ہے وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھے رہیں اور تم ان کو کما کر کھلاؤ وہ اپنے دست و بازو کی قوت سے کام لینے پر مستند ہیں اور محنت سے کما کر کھانا چاہتے ہیں لیکن کام شروع کرنے کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے اور سرمایہ ان کے پاس نہیں ہے اس لیے ضرورت ہے کہ دامے درمے سخنے ہر طرح سے تم ان کی امداد کرو اور اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح سمجھو" اس کے بعد آپ نے ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کا ہاتھ پکڑ کر ملانا شروع کیا اور ان کو بتاتے گئے کہ آج سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو تاریخ میں یہ عدیم النظیر واقعہ مواخاۃ کے نام سے مشہور ہے تاریخی بیانات اس حقیقت پر شاہد عادل ہیں کہ یہ رشتہ حقیقی رشتوں سے بھی زیادہ مستقل رشتہ بن گیا تھا حتیٰ کہ اگر ایک انصاری راہی ملک عدم ہوتا تھا تو اس کا مال و جائداد اس کے مہاجر بھائی کو ملتا تھا اور اس کے غیر مسلم رشتہ دار اس سے محروم رہتے تھے ہر انصاری نے گھر بار اور مال و دولت میں سے نصف اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک بیوی طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی تھی عہد مواخات کے واقعہ سے مہاجر مسلمانوں کی تمام مالی تکالیف رفع ہو گئیں اور جہاں تک گھر بار اور رشتہ داروں اور دوستوں کی ضرورت کا تعلق ہے ان کو ان میں سے کسی چیز

کی ضرورت نہ تھی۔

یہودیوں کے بعض قبائل کی فتنہ پردازیاں:۔

مدینہ منورہ کے گردونواح میں بہت ایسے قبائل آباد تھے جو باعتبار نسل کے عرب تھے مگر یہودی بن چکے تھے انہوں نے بہت سر اٹھا رکھا تھا یہاں تک کہ ان کی فتنہ پردازیاں ضرب المثل بن گئی تھی۔ وہ ہر وقت ملک کے خرمن امن و امان میں شورش و فساد کی چنگاریاں پھینکتے رہتے تھے ان میں سے تین قبائل اپنی سرکشی کے لیے خاص طور پر مشہور تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ سرورِ کائنات مدینہ میں تشریف لا کر ان کی شرارتوں سے بے خبر رہتے آپ نے یہ تمام افسوسناک حالات سنے تو آپ کے جذبات صلح و آشتی میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔

سردارانِ یہود کو سردارِ کائنات کی نصیحت:۔

آپ نے ان تینوں کے سرکردہ آدمیوں کو بلایا اور نصیحت کی کہ۔

"خدا کی زمین پر فتنہ و فساد برپا نہ کرو اپنے زیر اثر لوگوں کو امن و سکون کی ترغیب دو، بیکسوں اور زیر دستوں کے خون سے صحرائے عربستان کی ریت کو داغدار مت بناؤ۔ اگر تمہارا طرز عمل بندگان خدا سے شریفانہ اور دوستانہ رہا تو ہم بھی تم سے شریفانہ اور دوستانہ برتاؤ کریں گے"۔

پیشوایان یہود نے ان تمام مبنی بر صداقت باتوں کو تسلیم کیا اور ان پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا اور رخصت ہو گئے۔

سردارانِ یہود سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ:۔

سردار دو عالم کی امن پسند اور دور اندیش طبیعت نے اس پند و موعظت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس زبانی وعدہ کے تھوڑے ہی دن گذرنے کے بعد پیشوایان یہود کو

طلب کر کے باقاعدہ ایک معاہدہ مرتب کر لیا اکثر معتبر مورخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس معاہدہ میں یہودیوں کے علاوہ مشرکین بھی شامل تھے۔

معاہدہ کی چند شرائط حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مدینہ منورہ پر اگر کوئی بیرونی دشمن حملہ آور ہو تو اس صورت میں تمام اہالیان شہر کا فرض وحید ہو گا کہ یکجا ہو کر اس کی مدافعت اور مقابلہ کریں اور شہر کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے میں سب برابر حصہ لیں۔

(۲) یہودان مدینہ قریش مکہ یا ان کے حلیفوں کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہ دیں گے

(۳) باشندگان مدینہ میں کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہ کرے گا ان معاملات میں سب کو کامل آزادی ہو گی۔

(۴) باشندگان مدینہ کے دو افراد یا دو قبائل میں اگر باہم کسی قسم کی چپقلش ہو جائے اور معاملات اس قدر پیچیدہ صورت اختیار کر لیں کہ کسی سے سلجھ نہ سکیں تو ناطق فیصلہ سردار کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے جو ہر دو فریق کو بلا کسی چون و چرا کے تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۵) جنگ کے مصارف اور مفاد میں تمام باشندگان مدینہ بحصہ مساوی شریک ہوں گے۔

(۶) جن قوموں یا قبیلوں سے یہودان مدینہ کے دوستانہ تعلقات ہوں گے مسلمان ان کو اپنا دوست تصور کریں گے اور جن قبائل سے مسلمانوں کا معاہدہ صلح و آشتی ہے ان کے ساتھ یہودان مدینہ کا سلوک بھی دوستانہ ہو گا۔

(۷) مدینہ کے اندر کشت و خون کو حرام سمجھا جائے گا۔

(۸) مظلوم کی امداد ہر شخص پر فرض ہو گی۔

یہ تمام شرائط سب سرداروں نے بصد خوشی تسلیم کیں۔ اور بصد مسرت اس معاہدہ پر دستخط کیے امن و امان اور رفاہ خلق کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے اس معاہدہ کے

مرتب ہونے کے بعد بھی دور دور کے قبائل کو اس میں شامل ہونے کی دعوت دی اور آپؐ کی دعوت کامیاب و کامران ہوئی اس غرض سے آپؐ نے مقام ودان تک جو مدینہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے سفر فرمایا۔ اور قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر کے اس کے سردار عمرو بن مخشی کے دستخط کرائے کوہ بواط اور ذی العشیرہ کے لوگوں اور بنو مدلج کو بھی اس معاہدہ میں شریک فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

اس معاہدہ سے دو اہم ترین نتائج کا استخراج۔

قارئین کرام اس معاہدہ کی شرائط کو سرسری نظر سے دیکھ لینے کے بعد بھی آپ دو اہم باتیں نہایت آسانی سے اخذ کر سکیں گے۔

۱۔ اس معاہدہ کی تمام شرائط اور خاص کر نمبر ۹ کی شرط سے آفتاب درخشاں کی طرح یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ باشندگان مدینہ نے حضور انورؐ کی غیر معمولی عظمت و وقعت کو قطعی طور پر محسوس کر لیا تھا اور اس تھوڑے سے وقت میں بھی ان پر اس حقیقت کا اذعان ہو گیا تھا کہ آپؐ کے پہلو میں ایک صلح کل انصاف پسند، اور بے غرض دل موجود ہے یہ معاہدہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مدینہ میں آپؐ کے اثر و اقتدار نے اپنا رنگ پورے طور پر جما لیا تھا ہر کہ ومہ کے دل میں آپ کی عزت و وقعت تھی اور آپ کی صفات حسنہ اور اخلاق حمیدہ نے ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔

۲۔ انصاف پسندی کا تقاضا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی، بلند نظری اور عالی دماغی کی بے اختیار داد دینے پر مجبور کرتا ہے جب ہم حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے کے بعد ان شرائط پر ایک نظر ڈالتے ہیں اس موقعہ کے مطابق ان شرائط کی اہمیت کس قدر وسیع ہے یہ کسی معمولی دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں۔

تحویل قبلہ کا ہنگامہ خیز واقعہ:۔

ہجرت نبوی کے دوسرے سال کے مشہور ترین واقعات میں تحویل قبلہ کے ہنگامہ خیز واقعہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ واقعہ فرزندان توحید کی پختگی ایمان اور محبت اتباع رسول کا خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا اس اجمال کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ شروع شروع میں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے اکثر مورخین اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد ۱۶ ماہ تک آپ کا یہی طرز عمل رہا اس مدت کے اقتضا کے بعد مشیت الٰہی سے آپ کے دل میں کعبہ رو ہو کر اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ مصروف راز و نیاز ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ یا اللہ کعبہ کو قبلہ بنا دے! آپؐ کی دعا کو شرف قبولیت عطا ہوا اور بیدرہ رجب سنہ ۲ھ کو بروز دوشنبہ ایک آیت نازل ہوئی جس میں سردار کائنات اور اس کی تمام اُمت کو کعبہ رو ہو کر نماز پڑھنے کی ہدایت کی گئی اس آیت کے حکم کی پیروی میں رسول اکرمؐ نے اس مسجد "جس کی نماز پہلے ہی روز پرہیز گاری پر رکھی گئی تھی" اور مسجد نبوی دونوں کے رخ کعبہ کی طرف کر دیے اس کام میں حضور انورؐ نے حسب عادت خود مزدوروں کے ساتھ تعمیر کے کام میں ہاتھ بٹایا اب تمام فرزندان توحید کعبہ رو ہو کر نماز ادا کرنے لگے۔

تحویل قبلہ کے سلسلہ میں یہودیوں کی شر انگیزیاں:۔

یہودیوں کو جب تحویل قبلہ کا حال معلوم ہوا تو ان کو برداشت کی تاب نہ رہی ان کے مشتعل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ پہلے حضور اکرمؐ ان کے قبلہ یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور یہ بات ان کے جذبات خود ستائی کے لیے سرمایہ صد نازش و افتخار تھی اب قبلہ کی تبدیلی کے واقعہ کو انہوں نے اپنے اثر و اقتدار

پر ایک کاری ضرب سمجھا اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو اتباع رسول سے برگشتہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قبلہ تبدیل ہونے کی چیز نہیں ہے اور ہر ممکن طریقہ سے فرزندان توحید کو تحویل قبلہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے لیے اکسایا۔

متبعین رسول کے جذبہ ایمانی کا امتحان:۔

مسلمانوں کے امن و سکون کے خرمن میں فتنہ و فساد کی چنگاری مشتعل ہونے ہی کو تھی کہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے ایک اور آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ بیت المقدس صرف اس لیے قبلہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ جب اس کو تبدیل کرنے کا موقعہ پیش آئے تو فرزندان توحید کے اتباع رسول کے جذبہ ایمانی کا امتحان بھی ہو جائے کہ کون کون لوگ رسول اللہ کے حکم کی دل و جان سے پیروی کرتے ہیں اور کون کون آپؐ کے احکام سے روگردان ہوتے ہیں۔

پس جو لوگ احکام خداوندی سے منحرف ہیں ان پر یہ واقعہ شاق گذرا ہے اور جن کے قلوب رشد و ہدایت کے نور سے معمور ہیں انہوں نے بصد مسرت خدا کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا ہے۔

قبلہ کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں:۔

جو لوگ اپنے اثر و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو اتباع رسول سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قبلہ تبدیل ہونے کی چیز نہیں ہے ان کے لیے ایک اور آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ تو ہر جگہ موجود ہے اس کی حمد و ثنا اور عبادات و مناجات کے لیے کسی سمت کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس کی خوشنودی کسی خاص سمت کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنے میں نہیں ہے لیکن اگر کسی خاص مصلحت سے وہ کسی سمت کا تعین کر دے تو اس کے

حکم کی بجا آوری ضروری ہے انسانی نگاہ دھندلی اور محدود ہے وہ ذات غیر محدود کے احکام کی لم وکنہ کو نہیں سمجھتی انسان کو چاہیے کہ بلا چون وچرا اس کی اطاعت کرے بیشک اس کا نیک اور فرماں بردار بندہ وہی ہے جو اس پر اس کے پیغامبروں پر، اس کے ہدایت نامہ پر اس کے ملائکہ اور روز جزا وسزا پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنے رشتہ داروں یتیموں، مسافروں مسکینوں، سائلوں اور غلاموں کی بہتری کے لیے اپنا مال دے ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی راسخ الاعتقاد ہو گئے فتنہ وفساد کی چنگاریوں پر اطمینان کا پانی پڑ گیا اور وہ سرد ہو گئیں۔ یہودیوں کی معاندانہ کاروائیاں اب فضول ثابت ہونے لگیں۔ وہ بیٹ کر رہ گئے مگر کچھ نہ کر سکے۔

جنگ بدر

شمشیر باطل شکن کی تابانیاں

مُشرکین کی فتنہ انگیزیاں

قارئین کرام اب ہم سردار کائنات سرور عالم پیکر رحم و کرم مجسمہ عفو و درگذر داعی عدم تشدد صلح جو اور صلح کل نبی اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ کے اس ہنگامہ خیز زمانہ پر آ گئے ہیں جہاں آکر انہیں مجبوراً اور بادل ناخواستہ حکم دینا پڑا کہ فرزندان اسلام اگر خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسلام کو زندہ دیکھنے اور زندہ رکھنے کے تمنائی ہیں تو شمشیر باطل شکن کے قبضہ پر حق کی حمایت اور باطل کی مدافعت کے لیے ہاتھ ڈالیں۔ مشرکین مکہ کی روز افزوں فتنہ انگیزیاں، سرکشیاں اور استبداد نوازیاں اب صبر و ضبط کے حیطہ اختیار سے باہر ہو چکیں تھیں ان کے طاغوتی گروہ کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی خزاں سامانیوں نے گلشن اسلام کو پامال خزاں کرنے کے لیے پہلے بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا مگر اب تک ان کی مساعی جمیلہ کی باد صرصر اسلام کے گلشن نونہالوں کے لیے نسیم وصبا کے روح پرور اور بہار آفرین جھونکے اور آب بقا کے حیات بخش چھینٹے ہی ثابت ہوئی تھی۔

مسلمانوں کے خون کے لیے مشرکین کی تشنہ کامیاں:۔

بار بار کی ناکامی و مایوسی کے گہرے احساس سے ان کے دلوں میں شعلہ عزم و انتقام

کو اور بھی بھڑکا دیا اب انہوں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اس روز روز کے قضیہ کو ایک دن مٹا ہی دیا جائے اور ایک لشکر جرار فرزندان اسلام کے قتل و غارت کرنے کے مقصد فاسدہ کو مدنظر رکھ کر تیار کیا۔

فرزندان توحید کا مدافعانہ اقدام :۔

ان کے اس جارحانہ اقدام نے فرزندان توحید کو باوجود اپنے رحم و کرم اور صلح و آشتی کی گہری محبت کے حفاظت اسلام اور تحفظ حق کے لیے مدافعانہ قدم اٹھانے کیلیے مجبور کیا ان نازک حالات میں اگر خدائے کریم اپنے عاجز اور عبادت گذار بندوں کی دستگیری نہ کرتا تو ظلم و عدوان اور کفر و ضلالت کا پانی فرزندان توحید کے سر سے گذر جاتا اگر اس ظلم و ستم کے بحر بیکراں کو دیکھ کر بھی خدائے قہار کا قہر جوش میں نہ آتا تو آج مسلمان تختہ دنیا پر سے حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہوتے عرب کے کفرستان میں کوئی گردن نہ ہوتی جو اس کے آستانہ عالیہ پہ سجدہ ریز ہو کر اس کی عبودیت کا اقرار کرتی کوئی سر نہ ہوتا جس میں اس کی عبادت کے ذوق و شوق اور اس کی محبت کا سودا بستا۔

مسلمانوں پر رحمت حق کا جوش :۔

جب خدائے قہار نے دیکھا کہ باطل پرست اور فرعون سامان گروہ اشقیا کی اکثریت نے حق پرست اور عاجز اور رحمدل مسلمانوں کی اقلیت کے مبارک سروں کو اپنے ناپاک نیزوں پر رکھنے اور ان کے مقدس سینوں کو اپنے نجس تیروں کی آماجگاہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب اس کے آستانہ عبودیت پہ جھکنے والی گردنیں شیطان پرست ہستیوں کی باطل پرست تلواروں سے کٹ جائیں تو اس کی حمیت جوش میں آئی اس کا قہر حرکت میں آیا۔

جہاد کا حکم :۔

اس نے ناموس اکبر حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ مجسم رحم وکرم، پیکر حلم وخاکساری ہمدرد بنی نوع انسان، اور داعی حق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے پیغام دو کہ اپنے متبعین مخلصین کو حکم دیں کہ تحفظ اسلام کے لیے کمر ہمت باندھیں، شمشیر خارا شگاف ہاتھ میں لے کر اسلام کی محبت میں سرشار ہو کر حق وباطل کی چپقلش کے میدان میں زندگی اور موت کے کارزار میں تلواروں سے کھیلنے کے لیے نکل آئیں۔

مٹھی بھر حق پرستوں کا جوش :۔

سرشاران بادۂ عشق نے اس پیغام کو سنا اور محبت حق کے مذبح پہ اپنے تمام مفاد کو قربان کرنے کے لیے ماں کی گود خالی کرنے اور بیوی کا سہاگ لٹانے اور بچوں کو یتیم کرنے کے لیے مٹھی بھر فاقہ زدہ، ضعیف وناتوان، مسن اور کمسن مسلمان گھروں سے تڑپ کر نکل آئے اور فرعون سامان اشقیا کے لشکر جرار کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیام گلستاں :۔

باطل پرستوں کی خزاں سامانیوں کو کیا معلوم تھا کہ یہی خزاں گلشن اسلام پر وجہ قیام بن کر چھا جائے گی ان کے زعم میں تھا کہ وہ مٹھی بھر فرزندان اسلام کا لہو پی لیں گے تو خیابان حق کے پھول افسردہ اور پژمردہ ہو کر رہ جائیں گے۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ رحمت حق تھی اور مشرکوں کے ساتھ لشکر شیطان، فرزندان اسلام کے نعرہ حق سے شیطان کی طاقت کا شیرازہ منتشر ہو گیا وہ جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن کر آئے تھے گلشن اسلام کے پھولوں اور کلیوں کی پیاس اپنے لہو سے بجھا کر گئے جس سے اس پہ وہ لازوال بہار آئی جس کو قیامت تک خزاں کا خوف

نہ رہا۔

شپرہ چشم اغیار کی افترا پردازی:۔

وہ متعصب اور شپرہ چشم تذکرہ نویس جن کی تنگ نظری کو زندگی کا لطف ہی خرمن اقوام میں نفاق کی چنگاری کا دلسوز نظارہ دیکھنے میں آتا ہے روز روشن کی طرح آشکارہ حقیقت کو کذب و افترا کے تاریک بادلوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں وہ صریح واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کرکے کہتے ہیں کہ داعی اسلام نے فرزندان اسلام کو غارت گری اور خون ریزی کے لیے جہاد کا حکم دیا اور ملک کو شعلہ زار جنگ و جدال بنا دیا مگر وہ اہل نظر جنھوں نے اسلام کے قانون جنگ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ الزام اصلیت کی توہین ہے۔ واقعیت کی تضحیک ہے ایک حقیقت غیر مشتبہ کا ابطال ہے اس بہتان میں اتنی صداقت بھی نہیں ہے جتنی ماش پر سفیدی۔

اسلام کا قانون جنگ:۔

اسلام کے قانون جنگ پر شرح و بسط سے بحث کرنا اتنے حجم کی ایک اور کتاب کا متقاضی ہے اس لیے ان اوراق میں اتنی سیر حاصل بحث کے لیے قطعی گنجائش نہیں ہے یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر عنقریب ہم ایک مبسوط مقالہ لکھنے والے ہیں یہاں صرف ان اسباب و واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے جن کا اسلام کی پہلی جنگ میں ہاتھ ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں پر تعصب کا زنگ نہیں چڑھ چکا جن کی عقل سلیم عصبیت کی جنوں نوازی نے کند نہیں کر دی۔ اگلے صفحوں کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو میرے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ہمنوائی فرمائیں گے کہ اسلام نے ملک کے خرمن امن و رافت میں چنگاری ڈالنے کے لیے شمشیر آتش نشاں نہیں اٹھائی۔ بلکہ اس کا مقصد وحید باطل کی خس و خاشاک کو پھونک

کہ ملک میں امن وامان بحال کرنا تھا۔

غیر جانبدار رائے:۔

میری یہ رائے کسی جنبہ داری پر محمول نہ کی جائے کیونکہ میں نے بت پرستی کے گہوارہ میں آنکھ کھولی ہے میرے بچپن کا سارا اثر پذیر زمانہ پتھر اور مٹی کی دیویوں کے پجاریوں میں گذرا ہے اب بھی میں گنگا جل کو گناہوں کی نجاست سے پاک کرنے کا سامان اور چندن کے ٹیکا کو نجات کا باعث سمجھنے والے لوگوں کے درمیان رہتا ہوں میری یہ آواز میرے اعماق روح سے نکل رہی ہے اور اس غیر متعصب اور غیر جانبدار روح کی اک تڑپ ہے جو نحیف و نزار جسم میں صداقت کی تلاش اور حق کی جستجو کے لیے کروٹیں لے رہی ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنے ضمیر کا ہمنوا ہو کر کہتا ہوں۔ اظہار صداقت میں اس بات کی مجھے قطعی پرواہ نہیں کہ کسی شخص کے دل میں میرے لفظ آتشیں سوئی بن کر چبھتے ہیں اور کسی شخص کے زخم پر مرہم اعجاز کا پھایہ رکھتے ہیں اور یہ بات میرے لیے ہزار فخر ومباہات کی سرمایہ دار ہے کہ ؎

میرا ہر انداز مستی بے نیاز جام ہے

مسلمانوں پر خفیہ ریشہ دوانیوں کی بجلیاں:۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ مسلمانوں پر مکہ میں انسانیت سوز مظالم توڑے جاتے تھے مشرکین نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا ان کی زیست ہر لحظہ حلقہ صد آفات میں تھی مگر جونہی انہوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی ان پر امن وراحت اور حفاظت وطاقت کے دروازے کھل گئے اور وہ مسرت وحریت کے فردوس زار میں داخل ہو گئے مگر یہ خیال قطعی غلط ہے جن لوگوں کا ایسا خیال ہے انہوں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس غور وخوض سے نہیں کیا جس کی مستحق اس کی فقید المثال قربانی اور عدیم النظیر ایثار کی پر شوکت داستانیں ہیں۔

مکہ معظمہ میں صرف مشرکین درپے تخریب تھے مگر مدینہ منورہ میں مسلمان تین بڑے گروہوں کے نرغہ میں تھے۔ یہودی جن کو تحویل کعبہ کے سلسلہ میں مشرکین مکہ کی خفیہ خط و کتابت نے اشتعال دلایا۔ منافقین کا ایک ایسا گروہ جو بظاہر مسلمان تھا مگر ہر لمحہ اسلام کی بربادی کی تدابیر و تجاویز سوچنے میں مصروف رہتا تھا ان لوگوں نے گلشن اسلام کی بیخ کنی کرنے کے مقصد وحید کو پیش نظر رکھ کر ہی اسلام قبول کیا تھا۔ تیسرے مکہ کے سیاہ کار اور کینہ پرور مشرکین جن کو مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا اب یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کو مدینہ میں ذرا آرام لینے کا موقعہ مل گیا ہے اور بھی بھڑک اٹھے تھے مکہ سے مسلمانوں کے بچ کر نکل جانے کی وجہ سے وہ اپنے تئیں شکست خوردہ سمجھتے تھے اور ان کی تباہی کیلیے ہر مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہی تیار نہ تھے بلکہ مناسب موقعہ مہیا کرنے کے لیے رات دن تدابیر سوچنے میں منہمک رہتے تھے۔

مدینہ میں ابوجہل کا دام تزویر:۔

کسی مسلمان کی طاقت نہ تھی کہ حج یا عمرے کے لیے کعبہ کی طرف رخ کر سکے اگر کوئی شیر دل ایسی ہمت کر بھی بیٹھتا تو باطل پرستوں کے ہاتھوں زہرہ گداز ستم کا شکار بنتا۔

ایک دفعہ اسلام کا دشمن ازلی ابوجہل مدینہ منورہ میں اسلام اور داعی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے کی غرض سے آیا اور جاتا ہوا عباس بن ربیع کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر مکہ معظمہ لے گیا اور وہاں اسے بری طرح زدوکوب کیا۔

مدینہ کی چراگاہ پر مشرکین مکہ کا چھاپہ:۔

مسلمانوں کے خلاف کینہ و انتقام کے جذبات مشرکین مکہ کے سینوں میں بھڑک جس شدت سے بھڑک رہے تھے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ مکہ کا ایک سردار کرز بن جابر تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے مکہ سے مدینہ پہنچا اور وہاں کی ایک چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مسلمانوں کے بہت سے اونٹ چرا کر چل دیا۔ فرزندان اسلام کو جب

اس چھاپہ کا پتہ لگا تو وہ مقام سفوان تک دشمن کے تعاقب میں آئے مگر وہ بے سود کرز بن جابر اونٹ لے کر ہوا ہو گیا تھا۔ مکہ والوں کی طرف سے جنگ کی کھلی ہوئی دھمکی تھی انہوں نے اپنے اس کمینہ فعل سے مسلمانوں کو چونکا دیا اور انہیں بتا دیا کہ ہم تین سو میل کے فاصلہ سے آکر بھی تمہارا مال لوٹ لے جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

مکہ والوں کا تہدید آمیز خط:۔

یوں مشرکین مکہ نے ان اشتعال انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول کو اور یہودیوں کو متفقہ فیصلہ سے ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے خلاف پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھا کر فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آدمی کو قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تمہارے جوانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قابض ہو جائیں گے۔

عبداللہ بن ابی کی داعی اسلام سے رقابت:۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول مدینہ منورہ کا ایک چلتا پرزہ شخص تھا اس کے اثر و اقتدار کا حلقہ بہت وسیع تھا اوس اور خزرج کے قبائل تو خاص طور پر اس کے زیر نگیں تھے مدینہ کے دوسرے قبائل ہی میں بھی اس کا بہت اچھا رسوخ تھا۔ اہالیان شہر متفقہ طور پر اس کی افسری و برتری کو تسلیم کرتے تھے اس کے بہی خواہاں کی منشا تھی کہ شہر میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جائے جس میں عبداللہ بن ابی سلول کو مدینہ کا افسر اعلٰے مقرر کر دیا جائے اور اس کی سرداری کا تمام شہر میں اعلان کر دیا جائے چنانچہ اس کے سر کیلیے ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا مگر اس کی بادشاہی کی تمناؤں کو خاک میں ملنا تھا اور اہل شہر کو سردار کائنات سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کا افسر اعلٰے بنانا تھا اس لیے عین ان دنوں میں جب عبداللہ بن ابی کو سردار مدینہ بنانے کی تجاویز بروئے کار

لائی جانے والی تھیں داعی اسلام اور فرزندان اسلام وارد مدینہ ہوئے اور تھوڑے دنوں میں ہی مسلمان شہر میں ایک بڑی طاقت تسلیم کیے جانے لگے قبائل اوس و خزرج پر خاص طور پر اسلام کا اثر و اقتدار تھا کیونکہ ان دونوں قبائل میں سے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ داعی اسلام کے روز افزوں اثر و اقتدار کو اہل شہر نے عہد نامہ پر دستخط کر کے تسلیم کر لیا تو عبداللہ بن ابی سلول کے بادشاہی خوابوں کی تعبیر خواب پریشاں کی طرح مطلع معنے سے بے نیاز ہو گئی اس کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اس کی سرداری لٹ گئی تو اس کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی وہ سردار کائنات کو اپنا رقیب سمجھتا تھا مگر آدمی تھا ہوشیار جانتا تھا کہ علی الاعلان دشمنی کرنا اپنے آپ کو رسوا کرنے کے مترادف ہوگا اس لیے چپکا ہو رہا مگر کینہ و عناد کے شعلے اس کے دل میں بھڑکتے رہے اور وہ کسی مناسب موقعہ کا منتظر تھا جب سرور عالم سے انتقام لے کر اپنے دل کی اس آگ کو بجھا سکے جو اندر ہی اندر اس کے تن من کو جلائے جا رہی تھی۔

عبداللہ بن اُبی کی مجلس مشاورت :۔

عبداللہ بن ابی سلول کو ایک تو سردار کائنات سے ذاتی کینہ و عناد تھا پھر اس پر مکہ کے مشرکین کا یہ تہدید آمیز خط آب پر شراب دو آتشہ ہو گئی جس نے اس کے ہوش و حواس کو کھو دیا خط پڑھتے ہی برق صفت روانی کے ساتھ اس کے دماغ میں یہ فتنہ انگیز خیال آیا کہ اب رقابت دیرینہ کے منافقانہ جذبات کو تسکین دینے کا زرین موقعہ ہے چنانچہ اس نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مگر اس کو یہاں بھی پہلے کی طرح منہ کی کھانا پڑی اس نے اپنے حلقہ اثر کے تمام لوگوں کو دعوت دی اور فرزندان توحید سے خفیہ طور پر ایک مجلس مشاورت منعقد کی اس نے مخالفین اسلام کو مشرکین مکہ کا یہ تہدید آمیز خط دکھایا اور داعی اسلام کے ایک دیرینہ دشمن کی حیثیت سے ہر ممکن کوشش سے حاضرین جلسہ کے جذبات کو فرزندان اسلام کی بیخ کنی کے لیے برانگیختہ کیا اور ان کو اشتعال انگیز تقریر کے ذریعہ آمادہ پیکار کر دیا۔ قریب تھا کہ مدینہ منورہ شعلہ زار

جنگ وجدال بن جاتا کہ اس محب صلح و آشتی کو بھی جس نے امن عامہ کے لیے سر توڑ کوشش کی تھیں پتہ چلا کہ عبداللہ بن ابی کی خفیہ سازش اور اہل مکہ کے تہدید آمیز خط کی برق سامانیوں سے مدینہ کے خرمن امن وامان میں چنگاری گرا ہی چاہتی تھی آپ پر ایک اضطراب کا سا عالم چھا گیا مگر آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو مصیبت کے وقت گھبرا جاتے ہیں۔ آپؐ نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور مخالفین اسلام کی مجلس مشاورت میں پہنچے۔

مخالفین اسلام کے مجمع میں حضرتؐ کی تقریر۔

مجلس میں جاتے ہی آپؐ نے اپنے جذبات صلح و آشتی کو نہایت شستہ اور برجستہ تقریر کی صورت میں عبداللہ ابن ابی اور حضار جلسہ کے سامنے پیش کر دیا آپ نے فرمایا۔

"اہل مکہ کو تمہارے اہل وعیال سے اتنی ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی تمہارے پہلو بہ پہلو بسنے والے فرزندان اسلام کو ہو سکتی ہے انھوں نے تم کو دام تزویر میں پھنسا کر تمہاری تباہی کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی ہے اگر تم نے ان کی اشتعال انگیزیوں اور ابلہ فریبیوں سے متاثر ہو کر کوئی ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھایا تو یاد رکھو سخت نقصان اٹھاؤ گے اگر قریش مکہ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے تو ہمیں کوئی خوف نہ ہوگا کیونکہ ہم سب متفقہ طور پر ان کی مدافعت کریں گے لیکن اگر تم اپنے پہلو بہ پہلو بسنے والے مسلمانوں سے آمادہ پیکار ہوئے تو تمہاری تباہی و بربادی میں کوئی شک نہ ہوگا تم اپنے ہاتھوں اپنے بھائیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کو تہ تیغ کرو گے اس لیے اس وقت تمہارے لیے بہترین لائحہ عمل جو ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ قریش مکہ کے تہدید آمیز خط کے مضمون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قطعی انکار کر دو اور جو قول و قرار ہمارے ساتھ ہو چکا اس میں صادق الوعدہ رہو کہ طرفین کی سلامتی اسی میں ہے۔

عبداللہ بن ابی کی ناکامی۔

سردار کائنات کی براہین قاطع اور دلائل ساطع نے حضار جلسہ کو آپؐ کی تائید پر مجبور کیا

آپؐ کے دل سے تڑپ کر نکلے ہوئے جذبات نے لوگوں کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو دبا دیا آپؐ کے بے مثل تدبر اور بروقت تدبیر سے مدینہ کی گلیاں مادر گیتی کے فرزندوں کے خون سے لالہ زار ہونے سے بچ گئیں حاضرین نے وعدہ کیا کہ گلشن اسلام کی ہمکنی کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کریں گے۔ جلسہ منتشر ہو گیا اور عبداللہ بن ابی کی منتقمانہ تدابیر خاک میں مل کر رہ گئیں۔

کفار مکہ کی روز افزوں فتنہ انگیزیاں :۔

مذکورہ بالا فتنہ انگیزیوں اور اشتعال انگیزیوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ داعی اسلام اور فرزندان توحید کے خلاف کینہ و عناد کے جذبات کفار مکہ کے دلوں میں روز افزوں ترقی کر رہے تھے وہ باطل پرست یہ دیکھنے کے روادار نہیں تھے کہ جمال آرائے جہاں کی بارگاہ معشوقیت پر سجدہ ریز ہونے والا کوئی متنفس فضائے عرب میں سانس لے اسلام کو تختہ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دینے کی تباہ کن خیالات ان کے ناپاک دماغوں میں اس قدر گھر کر گئے تھے لات و عزی کی النسانیت سوز پرستش ان کی ہستی پر اس قدر مستولی ہو گئی تھی کہ بار بار یہ دیکھ چکنے کے بعد بھی ان کو ہوش نہ آیا کہ ہر وہ چنگاری جو وہ اسلام کے خرمن میں گرانے کی کوشش کرتے ہیں خود ان کی خانہ سوزی کا ہی باعث ہوتی ہے۔ اسلام کو صفحۂ عالم سے نیست و نابود کرنے کی ناپاک کوشش میں انہوں نے اسے ہر قسم کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنایا مگر قوانین قدرت کے خلاف جنگ آرائی کر کے آج تک کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ حق پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ حیات جاوداں حاصل کرے اور باطل کی تخلیق ہی اس لیے ہوتی ہے کہ حق کی ایک ہی ٹھوکر اسے تحت الثریٰ تک پہنچا دے۔

کفار مکہ کے ترکش کا آخری تیر :۔

باطل پرستوں کے وہ تمام خون آشام تیر جن سے انہوں نے حق کے سینہ کو چھلنی

بنانے کی بے سود کوشش کی تھی ایک طلسمی طاقت کے زیر اثر واپس لوٹ کر ان کے اپنے سینوں میں ہی پیوست ہو گئے ان کے ترکش خالی ہو چکے تھے بس اب ایک ہی تیر ایک خون آشام تیر باقی تھا جس کی سوفار کو وہ ایک مدت سے کینہ وعناد کی پتھری پر رگڑ رگڑ کر تیز کر رہے تھے۔ مگر کارکنان قضاو قدرت ان کی اس طفلانہ کوشش پہ خندہ زن تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کفار مکہ اپنے ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی کا سامان مہیا کر رہے ہیں قریش مکہ کا تہدید آمیز خط بھی جب ان کی من مانی کارروائی پر اہل مدینہ کو راغب نہ کر سکا تو انھوں نے جنگ کی تیاریوں میں شب و روز ایک کر دیا۔

ابوسفیان کا قافلہ:۔

انھوں نے ایک قافلہ غیر معمولی سازو سامان کے ساتھ ابوسفیان کی سرکردگی میں ملک شام کو تجارت کی غرض سے بھیجا تاکہ اس طرح جو معقول منافع حاصل ہو اس سے اسلحہ آتش نشاں کی تیاری اور مصارف جنگ کا انتظام پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔

اسلام کی پہلی جنگ کا پیش خیمہ:۔

جب سردار کائنات کو قریش مکہ کی خون آشام ریشہ دوانیوں کی خبر پہنچی تو آپ نے باطل پرستوں کی عقل پر ماتم کیا اور ابوسفیان کے قافلے کی روانگی کے ایک ماہ بعد عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں دس بارہ آدمیوں کو تفتیش حالات کے لیے روانہ فرمایا ابوسفیان کا قافلہ تو شام میں ہی تھا کہ عبداللہ بن جحش کی تحقیقاتی کمیٹی کے آدمیوں کی راستہ میں مکہ کے چند لوگوں سے جو شام سے اسباب لا رہے تھے مٹھ بھیڑ ہو گئی باتوں باتوں میں معاملہ یہاں تک بڑھا کہ نیزوں کی نوک پر ہی فیصلہ ہوا اہل مکہ میں سے دو گرفتار ہوئے اور ایک شخص عمرو بن حضرمی موت کے گھاٹ اترا اسلام کی پہلی جنگ کا پیش خیمہ اسی مٹھ بھیڑ کو بتایا جاتا ہے۔ علامہ طبری جو اسلامی دنیا کے ایک عالی مقام مورخ ہیں رقم طراز ہیں:۔

"یہ عمرو بن حضرمی کے قتل کا واقعہ ہی تھا جس نے قریش مکہ کے جذبات غیظ و غضب کی بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل چھڑکا اور اسلام کی پہلی جنگ اور نیز ان تمام جنگوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا جن میں قریش نے مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو کر ریگستان عرب کے ذروں کو لالہ زار بنایا۔

ابوسفیان کے وہم کی تباہ کاریاں:۔

ابوسفیان کا قافلہ ابھی ملک شام میں ہی معاملات دار و گیر میں مصروف تھا کہ عمرو بن حضرمی کے قتل کا افسوسناک واقعہ پیش آگیا جہاں اس انقلاب انگیز واقعہ نے قریش کی آتش حسد و عداوت کو بھڑکایا وہاں ابوسفیان کے دل میں بھی یہ وہم ڈال دیا کہ اب اس کا قافلہ کو صحیح سلامت لے کر وطن پہنچنا محال ہے کیونکہ راستہ حوالی مدینہ میں سے پڑتا تھا اس لیے اسے پختہ یقین تھا کہ مسلمان قافلہ کو لوٹے بغیر نہ رہیں گے ابوسفیان کے عزم شام قریش کی تجارت کے پردے میں جنگ و جدال کی خفیہ تیاریں اور ابوسفیان کے مذکورہ بالا وہم کی تباہ کاریوں نے جو گل کھلائے ان کو جناب منظور حسین صاحب منظور بی۔ اے ہیڈ ماسٹر بھیراں نے نہایت خوبصورتی سے نظم کیا ہے نظم کی خوبی اس بات کی متقاضی ہے کہ قارئین کرام کو اس کے لطف سے محروم نہ رکھا جائے۔

تجارت کے بہانے سے جنگ کی خفیہ تیاریاں:۔

نہ دھمکی یہ فقط محدود تھی خط عبارت پر — قریش ارض مکہ تل گئے تھے اب شرارت پر
ابوسفیاں بن کر دولت و انعام کا طالب — قریشی تاجروں کو لے گیا تھا شام کی جانب
یہ مکاری کی چالیں تھیں بہانہ تھا تجارت کا — کہ مضمر جس کے اندر تھا ارادہ قتل و غارت کا
یہ ٹھہری تھی کہ جب واپس ابوسفیاں آئیگا — تو کیفیت ساری ہمیں مدینے کی سنائیگا
بتائے گا محمدؐ پر وہاں کیسے گذرتی ہے — بتائیگا وہ اس کی فوج کیسے ہم سے ڈرتی ہے
بتائیگا یہودی کس طرح تیار بیٹھے ہیں — وہ پرفن کس طرح آمادۂ پیکار بیٹھے ہیں

بتائے گا مدینہ میں مہاجر کیسے بستے ہیں ،
بتائے گا وطن کو بے وطن کیسے ترستے ہیں

بتائے گا کریں گے جنگ کی ہم ابتدا کیونکر
بنیں گے اہل یثرب کے لیے سیل بلا کیونکر

تجارت کا منافع جس قدر وہ ساتھ لائے گا
سلاح جنگ کی خاطر ہمارے کام آئے گا

خریدیں گے کئی خونخوار خنجر اور شمشیریں
وہ شمشیریں کہ جو فولاد کی دیوار کو چیریں

غرض کافر پئے جنگ و جدل تیار بیٹھے تھے
اور اپنے قافلے کے منتظر خون خوار بیٹھے تھے

ہر اک یہ کہہ رہا تھا جلد ابوسفیان آ جائے
کہ یثرب پر گھٹا بن کر ہماری فوج چھا جائے

محمدؐ اور اس کے دین کی ہستی مٹا ڈالیں
یہ جھگڑا روز کا اک روز آخر ہم چکا ڈالیں

اور ہر ہر دل میں خونخواری کا جذبہ گدگداتا تھا
بلاد شام سے واپس ادھر سفیان آتا تھا

خوشی سے قافلے کو لے کے واپس آ رہا تھا وہ
منافع کی رقم تھیلوں میں بھر کر لا رہا تھا وہ

مدینے کی حوالی سے گذر اس کا ہوا جس دم
خیال خام نے اس کو دکھایا درد کا عالم

نظر آنے لگیں الٹی اسے یاروں کی تدبیریں
تصور اس کو دکھلانے لگا پر ہول تصویریں

یہ سمجھا منزل مقصود کو میں پا نہیں سکتا
کہ آگے اب مسلمانوں سے بچ کر جا نہیں سکتا

وہ رستہ روک کر اب لوٹ لیں گے کارواں میرا
کف افسوس ملتا جائے گا خورد و کلاں میرا

متاع کارواں وہ لوٹ کر تقسیم کر لیں گے
خزانے وہ ہمارے سیم و زر کے ساتھ بھر لیں گے

خریدیں گے ہمارے مال سے وہ لوٹنے والے
کئی نیزے کئی خنجر کئی تیغیں کئی بھالے ،

مہیا اس طرح کر کے سبھی ساماں لڑائی کے
طریقے سوچنے بیٹھیں گے وہ رزم آزمائی کے

دلیران عرب کو ایک دن نیچا دکھائیں گے
مدینہ کو وہ طوفان مصیبت سے بچائیں گے

نیا مذہب مٹانے کو نہ کام آئیں گی شمشیریں
غلط نکلیں گے منصوبے عبث ٹھہریں گی تدبیریں

اڑیں گی پھبتیاں سارے جہاں کے دیوتاؤں پہ
کہیں گے اک خدا غالب ہوا سارے خداؤں پہ

محمدؐ کے خدا کی دھاک مکہ پہ بٹھا دیں گے
عرب میں چار سو توحید کا ڈنکا بجا دیں گے

تصور نے جو دکھلایا اسے اک یاس کا منظر
تو بزدل کارواں کو روک بیٹھا عین رستے پہ

وہیں پھر مشورہ کرنے لگا اپنے رفیقوں سے
کہ ہو جائے خبر سب کو حفاظت کے طریقوں سے

یہ طے پایا کہ ضمضم نام ہرکارہ چلا جائے
پہنچ کر ارض مکہ میں بنی غالب کو بتلائے

کہ ابوسفیان کے ہیں دست و بازو لوٹنے والے — مسلماں راہ میں ہیں قافلہ کو لوٹنے والے
کھڑے ان سے گھروں میں کس لیے بیٹھے ہو اب لوگو — وہ دیکھو خاک میں ملتا ہے ناموس عرب لوگو
پہنچ امداد جلدی سے چلو تیغ و سپر لیجو — اور اپنے مال و دولت کی خبر لیجو! خبر لیجو!

ضمضم ہرکارہ کی مکہ میں اشتعال انگیزی

ابوسفیان نے انعام کا لالچ دیا جس دم — تو فوراً ارض مکہ کو روانہ ہو پڑا ضمضم
بسرعت منزل مقصود پر شیطان آ پہنچا — ہوا و حرص کا مارا وہ بے ایمان آ پہنچا
غضب کی شیطنت اک تھی نمایاں اس کی فطرت سے — ملائک عرش پر شرما رہے تھے اس کی حرکت سے
شتر کی پیٹھ پہ کاٹھی کو الٹا کس کے باندھا تھا — اور اس پر وہ دشمن شرم و حیا عریاں بیٹھا تھا
گھماتا پھر رہا تھا چار سو موذی شتر اپنا — دہائی دے رہا تھا پیٹتا جاتا تھا سر اپنا
دکھا کر سوز دل آہوں سے فریاد رسے نالوں سے — یہی الفاظ کہتا جا رہا تھا پاس والوں سے
کہ اے مکہ کے لوگو آج مر جانا ہی بہتر ہے — تمہیں تلوار کے گھاٹ اتر جانا ہی بہتر ہے
مناسب ہے کہ مجھ کو دیکھ کر اس زشت حالت میں — تمہارے تیغ زن اب غرق ہوں عرق خجالت میں
کہاں ہو نوجوانو جوش غیرت آج دکھلاؤ — بزرگان قبائل کو نہ شرماؤ نہ شرماؤ
کہاں ہو آل غالب جنگ کی خاطر کمر باندھو — کوئی تیر و تبر لے لو کوئی تیغ و سپر باندھو
رگوں میں کچھ حمیت ہے تو پھر آرام کو چھوڑو — ابوسفیان کی امداد کو اٹھو چلو دوڑو
مسلماں راہ میں گھیرے ہوئے ہیں کارواں اسکا — اجل تاکے ہوئے ہے دیر سے خورد و کلاں اسکا
مجھے ڈر ہے کہ اس سالار کا سر کٹ چکا ہوگا — لٹیروں میں تمہارا مال و زر سب بٹ چکا ہوگا
تقاضا ہے یہ غیرت کا کہ فوراً جا کے لڑ جاؤ — نہیں تو شرم کے مارے یہیں مٹی میں گڑ جاؤ
مسلماں ڈاکوؤں کو فوج کر جا کر کچل ڈالو — رفیقان محمدؐ کو مسل ڈالو مسل ڈالو
غرض بن کر سراپا منتظر شرم و حیا سوزی — زباں چرب سے مکار نے کی شعلہ افروزی
ہوئے آپے سے باہر اہل مکہ اس دہائی سے — لگا دی آگ سی ملعون نے باطل سرائی سے

جلتی پر تیل :-

قریش مکہ تو پہلے ہی اسلام اور داعی اسلام کی ہستی کو صفحہ دنیا پر سے نیست ونابود کر دینے کے لیے اُدھار کھائے بیٹھے تھے عمرو بن حضرمی کے قتل کے واقعہ اور اس باطل سرائی نے اس کی بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا اسلام کا دشمن ازلی ابوجہل ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر کوچ اور مقام کرتا ہوا نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا تاکہ فرزندان اسلام کو ایک ایک کر کے تیغ کے گھاٹ اتار دے۔

ابوجہل کا لشکر جرار :-

کفار عرب چونکہ بڑی دیر سے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اس لیے ابوجہل کا یہ تمام لشکر کیل کانٹے سے اچھی طرح لیس اور غرق آہن تھا اس میں مکہ کے تمام منتخب بہادر اور جوان شامل تھے۔ لشکر کی کل تعداد ایک ہزار تھی جس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے، خورد ونوش کا سامان کافی ووافی تھا۔ مکہ کے تمام سربر آوردہ اُمراء اور سرداروں نے اس میں شمولیت کی تھی۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔

ورطعیمہ۔ عبیدہ۔ حرث۔ ابوالبختری۔ زمعہ۔ رفاعہ۔ نوفل۔ منبہ۔ ابوقیس۔ عقیل حنظلہ۔ بنیہ۔ مسعود۔ عاصی۔ ولید۔ عتبہ۔ شیبہ۔ سائب۔ ابولہب کسی خاص مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا جانشین بھیجا۔ لشکر کے ساتھ گانے والے رجز پڑھنے والے، قومی مفاخر بتانے والے کھانا کھلانے والے غرضیکہ تمام قسم کے آدمی تھے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار کس جوش وخروش کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھ آئے تھے۔

مسلمانوں کا اضطراب :۔

مدینہ کے مظلوم مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ جب سے کفار مکہ کا خط عبداللہ بن ابی ابن سلول کو پہنچا تھا ان کا چین اور رات کی نیند اڑ گئی تھی خود سرور کائنات اکثر ساری ساری رات جاگتے اور عبادت ومناجات میں مصروف رہتے ۔ دشمنوں کے ناگہانی حملہ کے خوف سے مسلمان رات کو مسلح ہو کر سونے پر مجبور تھے ۔

حکم جہاد :۔

اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ وجدال پر صلح وآشتی کو ہمیشہ ترجیح دی ہے ۔ مگر کفار مکہ کے روز افزوں اشتعال انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں کو دیکھ کر مسلمانوں کے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا ان کی عربی حمیت وغیرت جوش میں آ گئی تھی انہوں نے بارہا دائمی عدم تشدد سے جنگ کی اجازت طلب کی ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبر وضبط کی تلقین کرتے رہے اب مخالفین اسلام کی استبداد نوازیاں حد سے گذر گئیں تو خدا تعالےٰ کی طرف سے بھی جہاد کی اجازت مل گئی اور مسلمانوں کو بھی اپنے دل کے ارمان نکالنے کا موقعہ مل گیا ۔

مدینہ میں مسلمانوں کی مجلس مشاورت :۔

ابوجہل کی طاغوتی فوج نہایت تیزی سے یلغار کرتی ہوئی مدینہ کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی نقل وحرکت کی اطلاعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر پہنچ رہی تھیں جب لشکر نزدیک آ آ معلوم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں حضرت ابوبکر صدیق ۔ حضرت عمر فاروق اور دیگر جلیل القدر مجاہدوں نے جوش انگیز اور جاں نثارانہ تقریریں کیں مہاجرین کی طرف سے آپ کو پوری تسلی تھی مگر انصار کی طرف سے تردد تھا کیونکہ انہوں نے بیعت کرتے وقت اقرار کیا تھا کہ مخالفین اسلام

بہرہ اس وقت ہاتھ ڈالیں گے جب وہ مدینہ پر چڑھ آئیں گے آپ کی مستفسر نگاہیں ان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں۔

سعد بن معاذ کی بصیرت افروز تقریر:۔

یہ دیکھ کر سعد بن معاذ اٹھے اور دریافت کیا کہ حضور انور کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپ نے کہا ہاں یہ سن کر سعد بن معاذ نے نہایت پر جوش اور بصیرت افروز تقریر کی جس نے تمام انصار کے دلوں کو گرما دیا اس نے کہا ہم نے اللہ کے رسول کی بیعت کی ہے مدینہ منورہ کی دیواروں کی نہیں ہم نے سرور عالم کا دامن پکڑا ہے سرزمین یثرب کی کشش ہم سے اپنے نبی کا دامن نہیں چھڑا سکتی ہم کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ ہماری مجلس دین و دنیا کا سراج منیر تو ظلمت کے ساتھ جنگ آزمائی کے لیے مدینہ سے باہر جائے اور ہم شہر کی دیواروں سے چمٹ کر بیٹھے رہیں قریش مکہ تو ہم ایسے آدمی ہی ہیں ان سے ہم خوف زدہ ہی کیا ہوں گے خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو ہم اشارہ پاتے ہی سمندر میں کود پڑیں۔

مقداد کی سرفروشانہ تقریر:۔

اس کے بعد مقداد نے کہا کہ ہم اسلام اور داعی اسلام کے لیے بے دریغ اپنے سر کٹانے کو تیار ہیں ہم ان بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا کہ تیرا خدا جس نے تجھے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے تیرے لیے نہیں لڑے گا کیا؟ جا تو اور تیرا خدا دونوں جا کر شریک جنگ ہو۔ ہم تماشائی بن کر تماشا دیکھیں گے۔

جہاد کے لیے فرزندان توحید کی روانگی:۔

انصار اور مہاجرین کو تحفظ ناموس اسلام کے لیے بصد مسرت آمادہ جنگ پا کر آپ نے ان تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا جو باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے خنجر بکف اور کفن بر دوش

ہو کر گھروں سے نکلنے کے لیے تیار ہوں اور ان سب کو ہمراہ لے کر ابوجہل کے طاغوتی لشکر کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔

مٹھی بھر لشکر کا جائزہ:۔

شہر سے باہر ایک میل کے فاصلہ پہ آ کر پیغمبر توحید نے اپنے مختصر سے لشکر کا جائزہ لیا وہ تمام کمسن مجاہد جو جہاد کی سخت کوشیوں اور جاں سپاریوں کے قابل نہ تھے الگ کر دیے گئے اور انہیں واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ مٹھی بھر مسلمانوں کے جوش و خروش جہاد اور شیفتگی اسلام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک کمسن مجاہد عمرو بن ابی وقاص نامی کو جب گروہ مجاہدین سے نکال دیا گیا تو وہ پنجوں کے بل پہ کھڑا ہو گیا تاکہ بلند نوجوان نظر آنے لگے اور رو رو کر التماس کی کہ مجھے بھی حمایت حق کے لیے اپنا خون بہانے کی اجازت دیجیے اس کم سن مجاہد کے بے مثال عزم اور عدیم النظیر فریفتگی اسلام کو دیکھ کر اسے مجاہدین کے گروہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

مسلمانوں کے لشکر کی تنگ دامانی اور تنگ سامانی:۔

ابوجہل کے باطل پرست لشکر کے مقابلہ میں سرشاران توحید کا لشکر نہایت ہی تنگ دامان اور تنگ سامان تھا تنگ دامان تو اسی طرح کہ عمیر بن ابی وقاص ایسے کمسن مجاہد کو ملا کر اس کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی جو کفار کے لشکر کی تعداد سے ایک تہائی ہے اور تنگ سامان اس طرح کہ مسلمانوں کے پاس مشرکین کی طرح اسلحہ آتش نشاں کی فراوانی تو کجا مکمل ہتھیار بھی نہ تھے کسی کے پاس تلوار ہے تو ڈھال نہیں تیر ہے تو نیزہ نہیں۔ نیزہ ہے تو تیر اور تلوار سے خالی ہے۔ سامان رسد بھی قطعی ناکافی اور انتظام بھی قطعی نامکمل ابوجہل کے لشکری لحیم و شحیم نوجوان تھے مسلمان فاقہ زدہ نحیف و نزار کمسن اور مسن۔ باطل پرست سوار اور غرق آہن تھے مسلمان غرق آہن تو کہاں ہو سکتے تھے ان کے پاس تو اپنی حفاظت کے لیے بھی مکمل ہتھیار نہ تھے ان کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے دونوں گھوڑوں

بن زبیر اور مقداد سوار تھے اور ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار مجاہد بیٹھ کر آئے تھے اکثر پیدل ہی منزل مقصود پر پہنچے تھے ان تمام کمزوریوں کے باوجود بھی میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے ہمراہ رحمت حق تھی اور کفار کے ہمراہ خدائی قہر ان کے جسم کمزور تھے مگر رگوں میں اسلام کی حرارت تھی باطل پرستوں کے جسم طاقتور تھے مگر ایک طلسمی طاقت نے ان میں زندگی کا جوش نہیں رہنے دیا تھا۔

میدان بدر:۔

بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے اسی مقام پر حق و باطل کی چپقلش ہوئی یہیں ایمان وکفر کا تصادم ہوا اسی مقام پر مسلمانوں نے اپنے اور باطل پرستوں کے خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی یہیں حق پرستوں کی وہ تلواریں جواب تک بیکار پڑی ہوئی زنگ آلود ہو گئیں تھیں برق جھندہ کی تابانیوں سے چمکیں اور مادی قوتوں کے کس بل پر کسی کو خاطر میں نہ لانے والی فرعون سامان ہستیوں کو جہنم داصل کرنے کا ذریعہ بنیں۔

اسی میدان میں حق اور باطل آ ئے پہلے ۔ اسی میں جوہر تیغ مجاہد آ کھلے پہلے
اسی میں آ کے پامال ہوا دیو جہالت کا ۔ اسی میں ہو گیا ٹکڑے جگر کوہ ضلالت کا

اسی رن میں ہوئیں محو نظر آنکھیں ستاروں کی
اسی میں گردنیں آ کر جھکیں نخوت شعاروں کی

اسی میں کر کب پندار ہستی آن کر ٹوٹا ۔ یہیں تیغ اجل نے زندگی کا کارواں لوٹا
یہیں پہلے قدم اکھڑے صف افواج باطل کے ۔ تھپیڑے رک گئے آ کر یہیں امواج باطل کے

یہیں طاقت دکھائی حق کی حق کے پاسبانوں نے
ہزاروں کو لتاڑا تین سو تیرہ جوانوں نے

بچی اعجاز قدرت سے یہیں ہستی مدینے کی ۔ خدا نے ناخدائی کی یہیں اپنے سفینے کی
اسی مبدا سے سن کر نبی کی التجاؤں کو ۔ اجابت نے لیا آغوش میں اکہ دعاؤں کو

بشارت یاں ملی پہلے خدا کے نیک بندوں کو
قضا نے آ لیا پہلے یہیں باطل پسندوں کو

اسی مٹی کو خوں سے اشک لالہ زار ہونا تھا
چمن کفار مکہ کا یہیں تہہ بار ہونا تھا،

مشرکین کا لشکر اس میدان میں جہاں حق و باطل کا فیصلہ ہوا فرزندان توحید سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا اور سب مناسب موقعوں اور جگہوں پر متصرف ہو چکا تھا مسلمانوں کے حصہ میں نشیبی زمین آئی وہاں پانی کا بھی کوئی چشمہ نظر نہ آتا تھا زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھس دھس جاتے تھے اس لیے حباب بن منذر کے مشورہ سے لشکر اسلام آگے بڑھا اور ایک چشمہ پر قابض ہو گیا اب سلطان خاور دن بھر کے سفر سے تھک کر مغرب کی قصر کوہستانی میں استراحت کے لیے جا رہا تھا تھوڑی دیر میں تمام کائنات کو رات کی تاریکیوں کے سیاہ لبادے نے اپنی سیاہ لپیٹ میں لے لیا مسلمان کمر کھول کر سو گئے مگر داعی اسلام نے شب بیداری کی اور تمام رات حق کی فتح اور باطل کی شکست کے لیے دعا مانگتے رہے حتی کہ شب کی تاریکیوں نے اپنا سیاہ لبادہ لپیٹنا شروع کر دیا ہے

جمال ایزدی اکتا گیا تاریک منظر سے
رواں ہونے لگے آنسو گلوں کے دیدۂ تر سے

بالآخر خاوری سرکار کا فرماں ہوا جاری
کہ اٹھ جائے زمانہ سے سیاہی کی عملداری

شب تاریک کا پردہ سحر نے چاک کر ڈالا
شعاع نور نے روئے زمیں کو پاک کر ڈالا

افق سے بارش آداب برسانے لگا خاور
یکایک تان لی پیر فلک نے نور کی چادر

زمیں کے فرش کو جو چھوڑ کر تاریکیاں بھاگیں
تو پھر تاریک ذروں میں شعائیں نور کی جاگیں

فضائے دہر سے ٹوٹی گئی مہر سکوت آخر
عناصر کی صفوں میں کشمکش ہونے لگی ظاہر

نئی جاں پڑ گئی گویا بلندی اور پستی میں
نسیم زندگی پھر آ گئی گلزار ہستی میں

سپاہ تاجدار خاوری کی دستگیری سے　　ہوئی آزاد وہ دنیا خواب غفلت کی اسیری سے

غرض جب چھا گیا چاروں طرف اک نور کا عالم

زمین بدر کی چھاتی دھڑکنے لگ گئی اس دم

منادی جنگ کی کرنے لگے کفار لشکر میں　　نظر آنے لگیں تیاریاں خونخوار لشکر میں

کوئی تلوار پر جھپٹا کوئی اپنے کمندوں پر　　کئی زینوں کو کسنے لگ گئے تازی سمندوں پر

کئی تو صاف کرنے لگے نیزوں کو بھالوں کو

کئی تن پر سجانے لگ گئے زرہوں کو ڈھالوں کو

کوئی مستی دکھانے لگ گیا تیغ و سناں لے کر　　نکل آیا کوئی میداں میں تیر و کماں لے کر

رسد کی ٹھیر کر کوئی نگہبانی لگا کرنے ،　　کوئی اپنے قبیلے کی رجز خوانی لگا کرنے

عجب انداز سے مغرق سلاح جنگ تھے ساتھ

ہوئے تیار خونریزی کو آخر ہوش کے مارے

سر میداں جب بجنے لگا نقارہ جنگی ،　　تو دیگر ساز بھی کرنے لگے اس کی ہم آہنگی

غضب کا شور تھا موج ہوا بھی کانپ جاتی تھی　　صدائے بوق سے ساری فضا بھی کانپ جاتی تھی

جلاجل کی صدائیں آسماں سے بڑھ جاتی تھیں

کبھی تو گونج اٹھتی تھیں کبھی پھر بیٹھ جاتی تھیں

بپا تھا اس طرف یہ غلغلہ شورش پسندوں میں　　ادھر خاموش ہی ورد دعا ہو رہا تھا بندوں میں

نماز صبح کی حل کر ادا ایمان والوں نے　　جہاں کے سرفروشوں سے نرالی شان والوں نے

سنا جو پھر ادھر للکارتے ملکی لعینوں کو

تو گرمایا ادھر ایمان نے پرجوش سینوں کو

کمر باندھی فدائے دولت ایمان ہونے کو　　خدائے پاک کے فرماں پر قربان ہونے کو

غرض جب لشکر اسلام نے یہ جوش دکھلایا　　تو اظہار وفا سالار کے دل کو پسند آیا

زبان پاک سے تحسین کے الفاظ فرمائے

صف لشکر سے پھر جلدی اقامت گاہ میں آئے

یہاں پہنچے تو سجادہ بچھا کر آپ نے پہلے   کئے کچھ دیر تک خالق کے آگے شکر کے سجدے
پھر اس کے بعد اظہار حقیقت کا خیال آیا   بہائے شان محبوبی سے آنسو اور فرمایا

کہ میں جو کفر کا مدمقابل بن کے آیا ہوں ،
تیرے وعدہ پہ اپنی مختصر سی فوج لایا ہوں

ادھر تعداد ہے ان کے مقابل میں ہزاروں کی   تجھی کو لاج رکھنی ہے مرے ان جاں نثاروں کی
بظاہر یہ جو میرا چند انسانوں کا لشکر ہے   ترے ہی نور وحدت کے یہ پروانوں کا لشکر ہے

نہ یہ جنگ آزمودہ ہیں نہ یہ سامان رکھتے ہیں
عقیدت کی جبینوں میں فقط ایمان رکھتے ہیں

سواری پاس ہے ان کے نہ سامان رسد کافی   نظر آتی ہے یہ ان کو فقط تیری مدد کافی
یہ آئے ہیں تجھی سے دولت رضوان لینے کو   کہ ہیں تیار تیرے راستہ پہ جان دینے کو

انہیں یہ رمز تیری ہی محبت نے دکھایا ہے
فقط تیری مدد کا آسرا ہی کھینچ لایا ہے ،

اگر بت کے پجاری ہو گئے اس فوج پہ غالب   رہے گا نام کا تیرے نہ پھر کوئی یہاں طالب
ادھر کلمے یہ حجت کے زبان پاک سے نکلے   ادھر اشکوں کا دریا بہہ گیا رخسار اقدس سے

یہ حالت دیکھ کر عرش بریں کو زلزلے آئے
معاً جبریل اترے اور پیغام ظفر لائے ،

یہ مژدہ سن کے دل خوش ہو گیا محبوب باری کا   رفیقوں سے تبسم ریز لہجے میں یہ فرمایا
کہ اے بحر شہادت کے شناور غازیو آؤ   خدا کے واسطے جلدی کرو تیار ہو جاؤ
مگر جنگ آزمائی کی گھڑی اقدام سے بچیو   جہادوں میں دغابازی کے ہر الزام سے بچیو

تمہارے ساتھ آتی ہے نظر فتح و ظفر مجھ کو
ابھی جبریل نے دی ہے بشارت آن کر مجھ کو

صف آرائی:۔

سردار کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے نقارہ جنگی پر چوٹ پڑتی سن کر اپنے مٹھی بھر لشکر کو صف آرا کرنا شروع کیا آپ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ صف آرائی کر رہے تھے مہاجرین تعداد میں ساٹھ یا اسی کے قریب تھے ان کا علم مصعب بن عمیرؓ کے سپرد ہوا۔ قبیلہ خزرج کے علمبردار حباب بن منذر مقرر ہوئے اور اوس کی علمبرداری کا شرف سعد بن معاذ کو عطا ہوا۔

مبازرہ:۔

جب اسلام کے دشمن ازلی ابوجہل نے مسلمانوں کو خنجر بکف دیکھا تو عرب کے قواعد جنگ کے مطابق اپنے لشکر میں سے تین جانباز بہادر مبازرہ کے لیے انتخاب کیے۔ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور ولید ابن عتبہ انھوں نے میدان میں آتے ہی مسلمانوں کو للکارا کہ کون بہادر ہیں جو ہماری تشنہ خون تلواروں کی پیاس بجھانے کے لیے آج ہمارے مقابل نکلیں۔ فرزندان توحید کے سرفروش لشکر میں سے تین دراز شمشیر نوجوان عوف اور معوذ پسران عفراء اور عبداللہ ابن رواحہ تڑپ کر نکلے کہ ان باطل پرستوں کو جہنم واصل کریں مگر عتبہ نے پکارا کہ تم کون ہو انھوں نے کہا ہم انصار ہیں۔ عتبہ نے کہا ہم تم سے مبازرہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ نبرد آزمائی کرنے کے لیے ہمارے ان لوگوں میں سے ہی تین بہادر منتخب کیجیے جنھوں نے ہمارے ساتھ بے وفائی کی ہے ہمارے لات و عزے اور نائلہ و منات کی پرستش چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیا ہے یہ سن کر یہ تینوں سرشاران توحید واپس چلے گئے اور لشکر اسلام سے تین مشہور تیغ زن بہادر مہاجرین میں سے نکلے۔ ولید کے مقابل حضرت علی ابن ابی طالب۔ شیبہ کے مقابل عبیدہ بن الحرث۔ اور عتبہ کی ناپاک ہڈیوں کو جہنم کے شعلوں کی دعوت دینے کے لیے امیر حمزہ میدان میں آئے۔ شیر خدا حضرت علی رضؓ اور دراز شمشیر امیر حمزہ نے تو اپنے مقابل

کے باطل پرستوں کو دوزخ کی راہ پر روانہ کر دیا مگر ملعون شیبہ نے عبیدہ بن الحرث کے ایک ایسا کاری زخم لگایا کہ جان کے لالے پڑ گئے یہ دیکھ کر حضرت علی نے ایک ایسا ہاتھ شیبہ پر مارا کہ وہ بھی جہنم واصل ہوا۔ عبیدہ بن الحرث کو پشت پر اٹھا کر لشکر اسلام میں لایا گیا حمایت حق کے لیے موت کو بازیچہ اطفال سمجھنے والے عبیدہ بن الحرث نے ان آخری لمحوں میں ساقی کوثر سے دریافت کیا کہ کیا میں جام شہادت سے محروم رہا؟ سردار کائنات نے کہا تم نے شہادت پائی۔ حق کی راہ میں موت سے کھیلنے والا ہمیشہ شہید ہوتا ہے یہ خبر فرحت اثر سن کر اسلامی لشکر کے اس پہلے شہید نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا جس سے مسلمانوں کے دل گرما گئے اور داعی اجل کو لبیک کہا۔

جنگ مغلوبہ:۔

جنگ مبارزہ کے ختم ہوتے ہی جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی دونوں طرف کے جاں باز بہادر ایک دوسرے کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور شجاعت کی داد دینے لگے طاغوتی لشکر نے بہادری کے جوہر دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس کے تیغ آزما نوجوانوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی دیرینہ آتش حسد و عداوت کو فرد کرنے کے لیے مسلمانوں پر وار کیے مگر حق کی آواز کو دبانے کے لیے جس طرح تمام تدابیر و تجاویز تو خاک میں ملتی رہی تھیں اسی طرح حق کے سینہ کو خون آشام تیروں سے چھلنی کر لینے کی ناپاک کوششیں بھی بدر کے میدان میں خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئیں باطل نے بہتر روز لگایا مگر کچھ نہ بن سکا۔

مسلم جانبازوں نے شجاعت و بہادری کے وہ کارنمایاں دکھائے اور حق کی حمایت کیلیے اس جاں نشانی سے پے در پے حملے کیے کہ مشرکین کے پاؤں جمنے مشکل ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں ہی اس لشکر جرار کو مٹھی بھر مسلمانوں کے سامنے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑا میدان فرزندان توحید کے ہاتھ رہا کفار مکہ نے شکست فاش کھائی۔

طرفین کے مقتولین کی تعداد:۔

اسلامی تاریخ کی اس پہلی معرکہ خیز جنگ میں جس کی خونچکانیوں نے گلشن اسلام کے پھولوں اور کلیوں میں وہ جاودانی رنگ بھرا کہ قیامت تک ان کے حسن کو خطرہ زوال نہ رہا لشکر توحید کے صرف چودہ سرشاران بادہ حق نے جام شہادت نوش کیا جن میں سے چھ مہاجرین اور باقی آٹھ انصار تھے مگر دوسری طرف کفار کے لشکر جرار کے ستر باطل پرستوں نے اپنی ناپاک ہڈیوں کو غارہ دوزخ کے شعلوں کی دعوت دی بڑے بڑے سربرآوردہ امیر اور جلیل القدر سرفروش بہادر جہنم واصل ہوئے اور قریش کی طاقت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ شیبہ، عتبہ، ابوجہل، زمعہ بن اسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، علی بن امیہ ایسے معززان قریش نے باطل کی بے جا حمایت کے لیے اپنی ماؤں کی گودیں خالی کر دیں اپنی عورتوں کا سہاگ لٹا دیا اور ان کی گریہ وزاریوں کو دیگر باطل پرست قرابت داروں کے منتقمانہ جذبات کو بھڑکانے کا باعث بنا کر ایک دوسری جنگ احد کا پیش خیمہ بنا دیا۔

جنگ بدر کے چند خونچکاں نظارے

ابوالبختری کا قتل

ہمدرد بنی نوع انسان مجسمہ رحم و کرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو حکم دے کر کہا تھا کہ بنو ہاشم کے وہ سربرآوردہ لوگ جو اپنی خوشی سے میدان بدر کو شعلہ زار جنگ و جدال بنانے کے لیے نہیں بلکہ قرابت داری کے پنجہ استبداد کی آہنی گرفت میں پھنس کر ابوجہل کے لشکر میں بادل ناخواستہ شمولیت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں ان کی صفائی باطن کو ملحوظ خاطر رکھ کر خاص رعایت اور درگذر کے مستحق گردانے جائیں۔ ان لوگوں میں ابوالبختری اور عباس بن عبدالمطلب بھی تھے ابو حذیفہ کے جوش باطل شکن کو حضور انور کی یہ رحم پرور ہدایت پسند خاطر معلوم نہ ہوئی اس نے کہا ہرگز ایسا نہ ہو گا میں کسی

باطل پرست کے لیے کوئی رعایت روا نہ رکھوں گا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اپنے بھائی کو تو تہہ تیغ کروں اور عباس کو اپنے خون آشام تیروں کی آماجگاہ نہ بناؤں اگر وہ میری زد پہ آئیگا تو میں ہرگز درگزر نہ کرونگا" حضور خاموش ہو رہے بعد میں ابو حذیفہ اپنے اس ناعاقبت اندیشانہ اقدام پہ پچھتایا۔ شرم و ندامت کے ساتھ سرور عالم سے خواستگار عفو تقصیر ہوا اور رعایت و درگزر کا وعدہ کیا اتفاق سے ابوالبختری ایک صحابی محذر بن زیاد کی زد پر آ گئے سرشار حق نے کہا تم ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ کہ سرکار رسالت سے ہمیں حکم مل چکا ہے کہ تمہیں قتل نہ کریں۔ ابوالبختری وہاں سے تو ہٹ گیا مگر اپنے ایک ساتھی کو بچانے کی کوشش سے محذر بن زیاد کے بادل ناخواستہ تلوار کے وار سے قتل ہوا۔

امیہ بن خلف اور علی بن امیہ ؛۔

کفار کی شکست کے آخری لمحوں میں جب ان کے لشکر کے آدمی نفسا نفسی کے عالم میں جہاں کسی کے سینگ سمائے بھاگ رہے تھے اُمیہ بن خلف اور علی بن امیہ بھی زندگی اور موت کے ان فیصلہ کن لمحوں میں جان بچانے کی کوشش میں سراسیمہ پھر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو دیکھا امیہ اور عبدالرحمٰن میں عہد جاہلیت کی دوستی تھی ان کو پریشان حال اور ہراساں دیکھ کر عبدالرحمان کی محبت کے جذبات میں اک تڑپ پیدا ہوئی اور اس نے باپ بیٹا دونوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور انگلی پکڑ کر خیمہ گاہ اسلام کی طرف سے چلا۔ حضرت بلال رضؓ کو حق و باطل کی یہ عجیب و غریب آمیزش" ناگوار گذری اس نے یہ نظارہ دیکھتے ہی چند صحابیوں کو آواز دی عبدالرحمٰن نے بہت کوشش کی کہ حضرت بلال اپنے ارادے سے باز آئیں مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور ان دونوں باپ بیٹوں کو قتل کر کے ہی چھوڑا اور کہا کہ حق اور باطل میں کوئی دوستی نہیں ہو سکتی۔

حضرت عمر بن الحمام انصاری کی شہادت :-

ایک صحابی عمر بن الحمام کھجوریں کھاتا ہوا ساقی کوثر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر میں اس جنگ میں حمایت اسلام کے لیے بزد آزمائی کرتا ہوا مارا جاؤں تو کیا شہادت کا جام نوش کر سکوں گا اور آپؐ مجھے جنت کی بشارت دیں گے آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس تشنہ کام شہادت نے بقیہ کھجوریں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار جوہر دار نیام سے سوت کر دشمنوں پہ ٹوٹ پڑا۔ اور لڑتا ہوا شہید ہوا۔

قوت برداشت کا ایک فقید المثال مظاہرہ :-

اس جنگ کے حالات میں سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے مسلمانوں کے جوش شہادت اور تحفظ ناموس اسلام کے لیے سرفروشی کی تعریف میں رطب اللسان ہونے کے لیے متاثر نہیں بلکہ مجبور کیا ہے وہ ایک نوعمر صحابی معاذ بن عمر کی حیرت انگیز قوت برداشت کا ایک فقید المثال مظاہرہ ہے مشرکین کے طاغوتی لشکر کا سردار اعظم ابوجہل اس نوجوان کی زد میں آگیا ابوجہل سراپا غرق آہن تھا اس نوجوان کو اس کی پنڈلی کے پاس کچھ جگہ خالی نظر آئی اس نے تاک کر تلوار کا ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ ابوجہل کا پاؤں صاف اڑا دیا عکرمہ بن ابوجہل نے جب باپ کو زخمی دیکھا تو بپھرے ہوئے شیر کی طرح معاذ بن عمر پہ حملہ آور ہوا اور اس کے بائیں بازو پہ تلوار کا ایسا زخم لگایا کہ بازو شانے کے پاس سے تقریباً سارا کٹ گیا صرف ایک تسمہ لگا رہ گیا معاذ بن جبل اسی طرح لٹکتے ہوئے بازو کے ساتھ لڑتے رہے جب معلوم ہوا کہ یہ نبرد آزمائی میں مزاحمت کرتا ہے تو پاؤں کے نیچے دبا کر اس طرح جھٹکا دے کر یہ لٹکتا ہوا بازو الگ کر دیا جس طرح کوئی بکری چرانے والا درخت کی ٹہنی بے دردی کر کاٹ ڈالتا ہے۔

اسلام کے دشمن ازلی کے آخری لمحے :۔

سرشار توحید معوذ بن عفراء کے ہاتھوں اس فرعون سامان ہستی کی موت واقع ہوئی جس نے اپنے دل و دماغ کی تمام طاقتوں سے اپنے وسیع حلقہ اثر و اقتدار میں اسلام کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کا ناپاک جذبہ پھیلانے کی کوشش کی تھی جنگ میں مناسب موقعہ پا کر معوذ بن عفراء نے ابوجہل کے وہ کاری زخم لگایا جس سے وہ نیم بسمل ہو کر خاک و خون میں تڑپتا رہ گیا جب کفار کی فوج شکست فاش کھا کر میدان بدر سے بھاگ گئی تو سالار اسلام نے عبداللہ بن مسعود کو تحقیقات کرنے کے لیے بھیجا کہ ابوجہل کی لاش میدان میں ہے یا نہیں عبداللہ بن مسعود اشارہ پاتے ہی مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے آیا ابوجہل کو نیم بسمل دیکھ کر وہ فرط تحیر سے اچھل پڑا اور اس باطل پرست کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا ابوجہل نے اپنی آنکھیں جن پر موت کی نیند چھا رہی تھی کھول دیں اور جنگ کا نتیجہ دریافت کیا۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا "اے باطل پرست اب بھی تو جنگ کے نتیجہ سے بے خبر ہے کوئی لشکر شکست فاش کھائے بغیر اپنے سردار کو خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر بھاگنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔" عبداللہ بن مسعود اسلام کے دشمن ازلی کا سر کاٹنے لگا تو اس نے کہا کہ میں نے اب تک قریش پر سرداری کی ہے اور موت کے بعد بھی سردار کہلانے کا طالب ہوں میرا سر شانوں سمیت کاٹنا تاکہ بڑا نظر آئے اور میری سرداری کا امتیازی نشان بنا رہے۔" عبداللہ بن مسعود کی تلوار جو ہر دار اس مغرور و متکبر الشان کے سر پر جھکی جو اپنے اثر و اقتدار کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

مسلمانوں کی فتح کی خبر فرحت اثر مدینہ میں :۔

جب حق نے اپنی لازوال طاقت سے باطل کی زوال پذیر قوتوں کو سرنگوں کر دیا تو سالار اسلام نے ان فرزندان توحید کو یہ خبر فرحت اثر بھیجنے کا انتظام فرمایا جو مدینہ میں

اس جنگ کے نتائج کا نہایت بے تابی سے انتظار کر رہے تھے مدینہ کی بالائی بستیوں میں یہ خوشخبری پھیلانے کے لیے زید بن حارث اور نشیبی بستیوں کو یہ مژدہ سنانے کے لیے عبداللہ بن رواحہ روانہ کیے گئے۔ اسامہ بن زید جن کو سرورِ عالم اپنا نائب بنا کر مدینہ چھوڑ آئے تھے بیان فرماتے ہیں کہ یہ خبر فرحت اثر سن کر مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی اگر اس وقت ناگہانی روح فرسا واقعہ پیش نہ آگیا ہوتا فتح کی خبر ہمیں عین اس وقت ملی جب ہم حضور انور کی صاحبزادی رقیہ زوجہ عثمان بن عفان کو دفن کر رہے تھے۔

شکست قریش کی خبر وحشت اثر مکہ میں:۔

پردہ غیب سے بعض اوقات ایسے عجیب و غریب واقعات رونما ہوتے ہیں جن کا ہمیں پیشتر سے شان و گمان بھی نہیں ہوتا قریش مکہ کے لیے ابوجہل کے جرار لشکر کی شکست فاش ایسا ہی ایک عجیب و غریب واقعہ تھا یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گذری تھی کہ مٹھی بھر فاقہ زدہ اور بے ساز و سامان مسلمان غرق آہن اور جنگ آزما نوجوانوں کے ایک لشکر جرار کے اس طرح دانت کھٹے کر دیں گے مکہ میں یہ خبر وحشت اثر پہنچتے ہی گھر گھر صف ماتم بچھ گئی وہ چاہتے تھے کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رو دیں مگر شیون و شین اور ریکا وبین بلند آواز سے نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس میں دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ ملتا تھا مکہ میں اب بھی چند ایک مسلمان موجود تھے جو دیگر مہاجرین کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے ان کے گھر اب گھی کے چراغ جل رہے تھے مسلمانوں کی فتح پر وہ تہہ دل سے خوشیاں منا رہے تھے۔ قریش کی شکست نے ایک دفعہ تو کفار مکہ کی طاقت کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ ابولہب تو اس صدمہ کی تاب ہی نہ لا سکا اور ایک ہفتہ کے اندر اندر ہی غم و اندوہ اور رنج و الم کی فراوانی سے مر گیا۔

مال غنیمت کی تقسیم:۔

اس جنگ میں فتح سے جو سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا حضور انور نے عبداللہ

بن کعب کے سپرد کیا اور مقام صفراء میں ان تمام فرزندان اسلام میں جو شریک جنگ تھے بحصہ مساوی تقسیم کر دیا گیا۔

اسیران جنگ سے شریفانہ سلوک :۔

مدت مدید سے عرب میں یہ رواج چلا آتا تھا کہ فاتح قوم اپنے اسیران جنگ کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک روا رکھتی تھی ان کو انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز ستم کی آماجگاہ بنانے کے بعد نہایت بے دردی اور بے رحمی سے تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا مگر مسلمانوں نے اس کے عین برعکس کیا ان فرزندان توحید نے اپنے اسیران جنگ کے ساتھ جو شریفانہ اور قابل قدر سلوک روا رکھا اس کی یاد سے آج بھی انسانی اخلاق میں ایک خاص رفعت و بلندی پیدا ہوتی ہے۔ ستر اسیروں میں سے صرف دو شخص جن کی شعلہ افروزیاں اور فتنہ انگیزیاں ناقابل علاج صورت اختیار کر چکی تھیں تہہ تیغ کیے گئے ایک تو نضر بن الحارث جسے صفراء کے مقام پر حضرت علیؓ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا پڑا۔ دوسرا عقبہ بن ابی معیط جسے مقام انطبیہ پر عاصم بن ثابت انصاری نے تہہ تیغ کیا اس سے زیادہ شریفانہ اور ہمدردانہ سلوک اور کیا ہو سکتا کہ سہیل بن عمرو جیسے ہجو گو اور باطل سرا شخص کی بھی گردن نہیں ماری گئی۔

حضرت عمرؓ نے اس دشمن اسلام کو دیکھ کر غصہ سے دانت پیسے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ اگر حضور اجازت دیں تو اس یاوہ گو کی گردن اڑا دوں مگر اس پیکر رحم و کرم نے کہا نہیں میں اجازت نہیں دیتا دوران سفر میں ان اسیران جنگ کو کسی قسم کی اذیت کوشیوں کی آماجگاہ نہیں بنایا گیا اگرچہ عرب کی فاتح اقوام کا یہ روزمرہ کا معمول تھا۔

ابو عزیز بن عمر کا بیان :۔

ابو عزیز بن عمر کا بیان ہے کہ انصاریوں کی جس جماعت کے زیر حراست مجھے

لایا گیا تھا انہوں نے مجھ سے نہایت ہمدردی اور رحم کا سلوک روا رکھا جب وہ کھانا کھانے بیٹھتے تو مجھے روٹی دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کرتے میں شرمندہ ہوتا اور روٹی واپس کر کے کھجوریں طلب کرتا مگر وہ انکار کرتے۔

اسیران بدر انصار کے گھروں میں:۔

سرور کائنات اسیران بدر سے ایک دن پیشتر ہی مدینہ پہنچ چکے تھے اسیران بدر کے مدینہ پہنچتے ہی آپ نے ان کو انصاریوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں ہدایت کر دی گئی کہ ان کے ساتھ حتے الوسع نیک سلوک روا رکھا جائے عہد مواخات کے فرائض کے پورا کرنے میں انصار نے جس خوش اسلوبی سے مہاجرین کا کام لیا تھا وہی روح ہمدردی یہاں بھی اپنا کام کر رہی تھی انصار نے اسیران بدر کے آرام و راحت کو ہمیشہ اپنے آرام و راحت پر ترجیح دی۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس کی نہایت روشن مثال ہے۔

محبت حق اور قرابت داری کا تعلق:۔

تاریخ اسلام کی پر شوکت داستانوں میں ایسی بہت سی درخشاں مثالیں ملتی ہیں جن میں سرشاران حق نے نہایت واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ حق کی محبت قرابت داری کے تمام تعلقات پر سے وقیع تر ہے اور اس کی حمایت کے لیے رشتہ داری کے تمام تعلقات کو قربان کیا جا سکتا ہے ابو عزیز بن عمیر حضرت مصعب بن عمیر کے حقیقی بھائی تھے وہ اسیران بدر میں سے شامل تھا اور تقسیم کے وقت ایک انصاری ابی لیسر نامی کے حصہ میں آیا تھا حضرت مصعب بن عمیر نے اپنی رشتہ داری کے تمام تعلقات کو الگ رکھ کر ابی لیسر کو ہدایت کی کہ اس کی والدہ بہت متمول ہے اس لیے اگر معقول جزیہ نہ ملے تو خوب سختی سے کام لینا اور میرے تعلقات کی وجہ سے کوئی رعایت روا نہ رکھنا"

ابو عزیز یہ سن کر بہت پریشان و مضطرب ہوا اور حضرت مصعب بن عمیر سے

کہنے لگا آپ میرے حقیقی بھائی ہیں مگر افسوس ہے کہ آپ مجھ سے بھائیوں سا نہیں بلکہ دشمنوں کا سا سلوک روا رکھ رہے ہیں میرے حق اس قسم کی گفتگو آپ کے شایان شان نہیں ہے مصعب بن عمیر نے نہایت ثابت قدمی سے جواب دیا اب آپ میرے بھائی نہیں ہیں میرا بھائی یہ ہے جس کی ہمراہی میں آپ جا رہے ہیں۔

ایک اور درخشاں مثال :۔

مسلمان ان سے کتنا ہی شریفانہ اور برادرانہ سلوک کیوں نہ کرتے اسیران بدر پھر بھی آخر اسیر ہی تھے اور ان کو ہمیشہ کے لیے صحابیوں کے گلے کا ہار بنایا جا سکتا تھا اور بغیر کسی خاص شرط کے ان کو رہا کرنا بھی خلاف مصلحت تھا ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھ کر حضور انور نے ایک مجلس مشاورت میں اپنے جلیل القدر صحابیوں کی رائے دریافت فرمائی کہ ان اسیران بدر کا حشر کیا ہونا چاہیے۔

حضرت عمر کا خونریز مشورہ :۔

ظالم اور باطل پرستوں کے نام سنتے ہی حضرت عمر کا خون اُبلنے لگ جایا کرتا تھا حضور انور کی زبان مبارک سے مشرکین کا ذکر سنتے ہی اس کی رگ رگ میں ظلم وستم اور کفر و باطل کی بیخ کنی کر دینے کا جوش بھر گیا وہ تڑپ کر اٹھا اور کہنے لگا۔

"حضور میری رائے میں ان ظالم وستم شعار باطل پرستوں کا حشر یہی ہونا چاہیے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے رشتہ دار اور واقف کار قیدی کو قتل کر دے تاکہ کفار مکہ کو یہاں یہ معلوم ہو جائے کہ حق کے ساتھ آویزش کا انجام کیسا جاں گداز ہوتا ہے وہاں ان پر یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ فرزندان توحید اسلام داعی اسلام اور خدا کی محبت کے مقابلے میں قرابت داریوں کے تعلقات کو پائے استحقار سے ٹھکرانے کے لیے ہر وقت تیار ہیں!"

گذشتہ اوراق کے آئینہ میں جو قارئین کرام سردار کائنات فخر عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے رحم پرور اور خلق آموز حالات کا مشاہدہ فرما چکے ہیں ان پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ آپ کا بحر دل رحم و کرم اور عفو و درگذر کے درہائے شاہوار سے رشک صد گنج قارون بنا ہوا تھا یہ اظہر من الشمس ہے کہ ایسی حالت میں جب ایک دفعہ امن عامہ بحال ہو چکا تھا رحمۃ للعالمین کو حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا خون ریز مشورہ کسی طرح پسند خاطر نہ ہو سکتا تھا آپؐ قریش مکہ کی تمام استبداد نوازیوں اور فتنہ انگیزیوں کو یکسر فراموش کر دینا چاہتے تھے ان سے کسی قسم کا انتقام لینا نہ چاہتے تھے آپؐ نے حضرت عمرؓ کی اس خون آشام تجویز کو مسترد فرماتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی طرف نگاہ اٹھائی۔

حضرت ابوبکر صدیق کی زرین رائے :۔

حضرت ابوبکر بہت خوش تدبیر اور صائب الرائے واقعہ ہوئے تھے ان کے بیش قیمت مشوروں کو حضور انورؐ ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے انہوں نے اشارہ پاتے ہی عرض کیا۔

"حضور میری ناقص رائے میں تو اسیران بدر کو زر فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ زر فدیہ سے ہم حفظ ماتقدم کے طور پر جنگی ساز و سامان خرید سکیں گے اور مفسدہ پرداز لوگوں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے کسی حد تک تیار ہو سکیں گے دوسرے ممکن ہے ان رہا کردہ لوگوں میں سے بعض ایسی سعید روحیں بھی نکل آئیں جو اسلام کا گوشہ دامن پکڑنے کے لیے تیار ہوں"

رحمۃ للعالمین کو حضرت ابوبکر صدیق کی یہ زرین رائے بہت پسند آئی فرزندان اسلام نے بھی اس سے کامل اتفاق کیا اسیروں کا فدیہ چار ہزار سے لے کر ایک ہزار درہم فی کس تک مقرر ہوا بعت سے اسیر جو غیر مستطیع تھے اور زر فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے بغیر فدیہ لیے

ہی رہا کر دیے گئے لیکن جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے ذمہ یہ فرض عائد کر دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں اور رہا ہو جائیں۔ غرض مسلمانوں نے عرب ایسے خونخوار ملک میں جہاں اسیران جنگ کو ظلم وستم کے تیروں کی آماجگاہ بنا کر بعد میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا اپنے غیر معمولی شریفانہ طرز عمل سے ایک نئی راہ ورسم کی بنیاد ڈالی انصاف پسندی اور رصاف گوئی کا تقاضا مسلمانوں کی شرافت نفس، رحم دلی اور ہمدردی ایسی قابل فخر وباعث ناز صفات پر رطب اللسان ہونے کے لیے مجبور کرتا ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

صفوان بن اُمیہ کا باپ امیہ بن خلف اور بھائی علی بن امیہ میدان بدر میں حق کی تلوار جوہر دار کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اس لیے اس کے دل میں آتش انتقام نہایت شدت سے بھڑک رہی تھی اس نے ایک شخص عمیر بن وہب کو جسے خفیہ کارروائیوں میں خاص ملکہ حاصل تھا اس ناعاقبت اندیشانہ اقدام پر راغب کر لیا کہ وہ مدینہ جا کر فخر کائنات کو قتل کر دے۔ ظالم صفوان بن امیہ کی آنکھوں پر باطل پرستی کے پردے پڑے ہوئے تھے اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا یہی نفس شفیع عمیر بن وہب کے حق میں ابر رحمت بن جائے گا عمیر بن وہب خونخوار بھیڑیے کی طرح غیظ وغضب میں بھرا ہوا زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر حضور انور کے قتل کے ارادہ سے مدینہ میں وارد ہوا۔

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی دوربین اور تیز نگاہوں نے عمیر بن وہب کو مدینہ میں اس حال میں دیکھ کر پہلی نظر میں ہی تاڑ لیا کہ ہو نہ ہو دال میں کچھ کالا ہے آپ نے جھپٹ کر فوراً عمیر کی کلائی پکڑ لی اور کشاں کشاں بارگاہ رسالت میں لے گئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے پاؤں تک اس ظالم پر نظر ڈالی اور فرمایا عمیر مدینہ میں کیسے آنا ہوا اس نے بہانہ سازی

سے کام لیتے ہوئے کہا کہ میرا بیٹا جنگ میں قید ہو کر آیا ہے اس کی خبر کے لیے آیا ہوں حضور انور نے کہا جان کے خوف سے اصل معاملہ کیوں چھپاتے ہو صداقت ماہتاب درخشاں کی طرح ہے اس کا روشن چہرہ جھوٹ کی دھول سے نہیں چھپ سکتا صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم مجھے قتل کرنے کے ارادہ سے آئے ہو اس کے بعد آنحضرت نے اسے صفوان بن اُمیہ کی سازش کی تمام کیفیت سنائی اور دونوں میں خفیہ طور پر جو معاہدہ ہوا تھا اس کے تمام اسرار کا بھی انکشاف کر دیا عمیر بن وہب یہ سنتے ہی چونک اٹھا اس نے کہا اس سازش کے حالات ہم نے اس طرح پوشیدہ رکھے تھے کہ ہم دونوں کے سوا یہ بات کسی کو خواب میں بھی نہ معلوم ہو سکتی تھی اس کے بعد اس نے اسلام کا گوشہ دامن پکڑ لیا باطل نے حق کے آگے شکست کھائی اسلام کو کچلنے کے لیے جتنی کوششیں ہوئیں ان سب کا نتیجہ بالآخر یہی نکلا کہ حلقہ اسلام میں ایک نئی کڑی کا اضافہ ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی:۔

حضرت فاطمۃ الزہرا بچپن کے لاڈ پیار کے زمانہ سے گذر کر اب شباب کی اس منزل میں پہنچ چکی تھیں جہاں جا کر ہر عصمت مآب اور عفت شعار خاتون کا فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی بیوی بننے کی ذمہ داریوں کو محسوس کرے حضور رسالت مآب کو بھی فکر دامن گیر تھی کہ آپ کا دامن کسی پاکیزہ سیرت نوجوان کے دامن سے باندھ دیں کئی جگہ سے نکاح کے پیغام آ چکے تھے مگر آنحضرت نے حضرت علی ابن ابی طالب کو تمام امیدواروں پر ترجیح دی حضرت فاطمۃ الزہرا سے بھی اس معاملہ میں مشورہ لیا گیا آپ نگاہیں نیچی کر کے خاموش ہو رہیں شرم وحیا کی پتلی دختر رسول کی یہی شرمگین ادا رضامندی کا بہترین مظاہرہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو اس نکاح پر رضامند پا کر حضرت علی کو حکم دیا کہ ضروری سامان خرید لے اس نے دو چاندی کے بازو بند۔ دو طباق۔ ایک پیالہ۔ ایک مشکیزہ۔ دو مٹکیاں، ایک چکی۔ ایک چھلنی۔ دو چادریں اور ایک تکیہ خرید کیا۔ جب یہ ضروری سامان تیار ہو گیا تو آپ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ انصار اور مہاجرین کو حضرت فاطمۃ الزہرا کے نکاح کی اطلاع

دو۔ لوگ اطلاع پاتے ہی مسجد میں اکٹھے ہو گئے آپ نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور حاضرین میں چھوارے تقسیم کیے۔ اس رسم کے بعد جو نہایت سادگی کے ساتھ ادا کر دی گئی آپ نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو حضرت ام سلیم کے ہمراہ حضرت علی کے گھر بھیج دیا تھوڑی دیر بعد آپ بھی تشریف لے گئے اور اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور دعا کی کہ یارب زوجین کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کر۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کو یہ بھی بتایا کہ میں نے تمہارا نکاح اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کر دیا ہے اور حضرت علی کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ان فرائض کو جو ایک قابل خاوند پر بیوی کی محبت عائد کرتی ہے محسوس کرنے کی کوشش کرے۔

نکاح میں انتہائی سادگی کا مظاہرہ :۔

یہ نکاح انتہائی سادگی کا مظاہرہ تھا حضرت علی نے نکاح کی تیاری کے وقت جو مختصر سامان خرید ا تھا وہ پیچھے درج ہو چکا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو جو مختصر جہیز دیا وہ یہ ہے۔

ایک بان کی چارپائی۔ دو مٹکیاں۔ ایک مشکیزہ۔ ایک گدا۔ دو چکیاں۔ سردار کائنات نے اپنی صاحبزادی کے نکاح میں جو سادگی برتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ دوسری اقوام نہیں تو کم از کم مسلمان تو اپنے رسول اکرم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے رسومات نکاح میں سے فضول خرچیوں اور تکلفات کے مظاہرات کو کم کر دیں اس سادگی میں ان لوگوں کیلیے ایک درس ہدایت پوشیدہ ہے جو شادی بیاہ کے موقعہ پر ہزاروں روپیہ پر آنکھیں بند کر کے پانی پھیر دیتے ہیں اور لوگوں کی چار دن کی تعریف و تحسین کے خیال سے متاثر ہو کر نہایت ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے عمر بھر کے لیے قرض کے خانہ ویران کن دام میں پھنس جاتے ہیں اور یہ شادی خانہ آبادی نہیں بلکہ خانہ بربادی ثابت ہوتی ہے ضرورت ہے کہ مسلمان اخلاقی جراءت سے کام لیں اور انگشت حقارت اٹھانے والے لوگوں کو امیر الامراء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کا حوالہ دیں۔

دوسرے سنہ ہجری کے متفرق حالات:۔

عیدالفطر کی نماز صدقۂ عیدالفطر اور رمضان کے روزے اسی سنہ میں مسلمانوں پر فرض ہوئے۔ جنگ بدر کے دو ماہ بعد غزوہ سویق وقوع پذیر ہوا۔ ابوسفیان دو سو سوار ہمراہ لے کر مدینہ پہنچا کھجوروں کے باغ کو جلا دیا اور جو آدمی وہاں مسلمانوں کے کاشتکاری کے کام میں مصروف تھے قتل کر دیئے اطلاع پاتے ہی مسلمان مسلح ہو کر نکلے مگر کفار مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور مسلمانوں کو آتا ہوا دیکھ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک تعاقب کیا راستہ میں جا بجا ستوؤں کے تھیلے ملے جو کفار بوجھ ہلکا کرنے کی وجہ سے گرا گئے تھے اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑا۔

ہجرت کا تیسرا سال

جنگِ اُحد

کی تباکاریاں

مصنفہ

سوامی لکشمن صاحب ادیب

ہجرت کا تیسرا سال

فرزندانِ توحید دشمنانِ اسلام کے نرغہ میں

ہجرت نبوی کا تیسرا سال فرزندان توحید کے لیے نہایت ہی منحوس و نامبارک ثابت ہوا جنگ بدر کی شاندار فتح کے بعد ہر طرف سے خرمن اسلام کو جلا کر خاکستر کر دینے کے لیے عداوت و انتقام کے بے پناہ شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے۔ صلح و آشتی کے داعی اعظم نے ملک کے امن و راحت کو خطرہ میں دیکھ کر فتنہ و فساد کی چنگاریوں پر وعظ و نصیحت کا پانی چھڑکنا چاہا، مگر نصیحت سننے والے کان بہرے ہو چکے تھے وعظ و پند کی معقولیت کو قبول کرنے والے دل احساس کی دولت سے محروم ہو چکے تھے۔

وائے حسرتا کہ منافقین کے گروہ مشرکین کے حلقوں اور کفار کے لشکروں نے ان مقدس گردنوں کو فرق مبارک سے جدا کرنا اپنی ناپاک زندگیوں کا نصب العین قرار دے لیا جو اک خدائے برتر و توانا کی چوکھٹ پر جھکنے کے سوائے دنیائے دنی کی کسی عظیم الشان سے عظیم الشان اور قاہر و جابر طاقت کی مستبد اور متشدد بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا خلافت الہیہ کے مذہب جلیلہ کی توہین سمجھتی تھیں کس قدر غفلت و جہالت کا مظاہرہ تھا کہ اس مہتم بالشان پیغمبر کو ان منکران حق نے اپنے ظلم و ستم اور جور و جفا کے تیروں کی آماجگاہ بنایا جسے خدائے رحیم و کریم نے گم گشتگان بادیہ ضلالت کے لیے رشد و ہدایت کا ایک آفتاب عالمتاب بنا کر افق عالم پر جلوہ گر کیا تھا اور جس کے مبارک قدموں کی خاک میں دنیا کی نعمتوں اور دین کی برکتوں کے ازلی خزانہ کی طلسمی چابی موجود تھی اس خاک میں جسے کحل البصر بنانے والا صاحب بصارت و بصیرت بن جاتا تھا۔

مگر آہ کہ ؎

شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ! بدقسمت رہے آوازِ حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

مدینہ منورہ میں منافقوں کا گروہ:۔

سب سے زیادہ خطرناک دشمن وہ ہے جو دوست کے لباس میں ملبوس ہو وہ ایک ایسا مارِ آستین ہے جس کے نیش جانستاں سے پناہ سخت مشکل ہے مدینہ منورہ میں فرزندان توحید کے گروہ میں ایک ایسا گروہ بھی شامل ہو گیا تھا جس کا مشرف بہ اسلام ہونا اس کیلئے مصلحت وقت کا تقاضا اور فرزندان اسلام کے لیے ایک ایسا دام تھا جو نہایت ہوشیاری اور عیاری سے بچھایا گیا تھا ان منکران رسالت کو منتہائے مقصود یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے اور جس وقت بھی ہو سکے تبر منافقت سے نخل اسلام کی روز افزوں شاخوں کی قطع و برید کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور کشت اسلام میں ہر ممکن طریقہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں پھینکیں۔ ظاہرا طور پر فرزندان توحید کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد نظر آئیں مگر در پردہ ان کی تباہی اور ہلاکت کا سامان فراہم کرنے کی دامے، درمے، قلمے کوشش کرتے رہیں اور اس طرح گلستان دین ہدیٰ کے مہکتے ہوئے پھولوں کی بہار آفریں رنگینیوں پر ارتداد کی خزاں مسلط کر کے چمن اسلام کو تختہ دنیا پر سے نیست و نابود کریں پرانہ وردن پردہ نورہ چشم اور کور باطن منافقوں نے یہ دیکھا، نہ دیکھنے کی کوشش کی نہ محسوس کیا اور نہ دل کو اس کے احساس کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی صدائے حق باطل کی پختہ چار دیواری سے بھی نہیں رک سکتی بلکہ یہی دیواریں اس کی صدائے بازگشت کی حامل بن کر جواب باصواب دینے لگتی ہیں انہوں نے قدرت کے اس عالم آشکارا قانون کو بھی نہ سمجھا کہ حق ایک سنگ خارا کی

چٹان کی طرح مضبوط شے ہے اور باطل ایک شیشہ نازک کی طرح ان دونوں کا تصادم شیشہ نازک کے لیے ہر صورت میں ہلاکت آفریں ثابت ہو گا شیشہ کو چٹان پہ دے مار و جب بھی شیشہ ہی کے ٹکڑے ہوں گے چٹان کو شیشہ پہ مارو تب بھی شیشہ ہی چکنا چور ہو گا منافقین کی ضد اور سرکشی نے آخر انہیں وہی دن لا دکھایا جو قانون قدرت کے خلاف ہر بغاوت کرنے والے کو لازمی طور پہ دیکھنا پڑتا ہے اور حامیان دین ہدی نے بھی آخر وہ دن دیکھا جو حق و صداقت کے علمبرداران کی لوح تقدیر میں روز ازل ہی کاتب قدرت نے لکھ دیا ہے منافقین کے گروہ نے منافقت و مخالفت کے بڑے بڑے مظاہرے کیے کشتی اسلام کو الٹنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اسلام کا کچھ نہ بگڑا دین ہدی کی کشتی ساحل مراد پہ صحیح و سالم پہنچ گئی۔ مگر منافقوں کا بیڑا منجدھار ہی میں ڈوب گیا۔

منافقوں کا سردار "عالی وقار"۔

مدینہ منورہ کے گروہ منافقین کا سردار "عالی وقار" وہی عبداللہ بن ابی تھا جس کا ذکر خیر پہلے جنگ بدر میں آچکا ہے حضور انور کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہونے کی وجہ سے اس شخص کے رسوخ و وقار اور اثر و اقتدار پہ کاری ضرب لگی اس کی شہرت و عزت اور سرداری و بادشاہت کی روح پرور تمنائیں خاک میں مل گئیں اب اس نے صلح و آشتی کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کینہ و عناد اور فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکانے کا تہیہ کر لیا جنگ بدر کے موقعہ پہ اس فتنہ گر شخص کی ناپاک کوششوں نے جو گل کھلائے ہیں اس کا حال قارئین کرام کی نظروں سے گذر چکا ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح کو دیکھ کر عبداللہ بن اُبی کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اب اس کی کج بیں نگاہوں نے اور کوئی راستہ اپنے جذبہ انتقام کو فرد کرنے کا نہ دیکھا تو ظاہراً طور پہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اس کی زبان کلمہ پڑھتی تھی مگر اس کا دل کافروں سے بھی بدتر تھا اس نے اپنے حلقہ اثر کے تمام لوگوں کو بھی اپنے نقش قدم پہ چلنے کی ہدایت کی اس طرح ایک بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی مگر اس کا یہ مشرف بہ اسلام ہونا اسلام

کی بہتری یا اپنی فلاح و بہبود کے لیے نہ تھا بلکہ مناسب موقعہ ملنے پر نخل اسلام کی جڑ پر تبر منافقت چلا کر ایک دنیا کو توحید کی آواز سے خالی کرنا ہی ان کا منتہائے آمال تھا۔

منافقین کے گروہ کی ساز باز:۔

اپنے سردار عبداللہ بن ابی کے زیر ہدایت منافقوں کے گروہ نے قریش مکہ سے ساز باز شروع رکھی اور فرزندان توحید کو بھی ارتداد کی طرف مائل کرنے میں ہمہ تن کوشاں رہے دوسری طرف یہودیوں سے دوستی اور محبت کے تعلقات استوار کرنے میں کامیابی حاصل کی اب ایک منظم سازش فرزندان توحید کے خلاف موجود تھی یہ دو بڑی طاقتیں جو مسلمانوں کے دوش بدوش بستی تھیں، مار آستین بن کر ان کو ڈسنے کے لیے ہر وقت تیار تھیں۔

یہودیوں کے قبائل کی شر انگیزیاں:۔

مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں یہودیوں کے بہت سے قبائل آباد تھے۔ مگر ان میں سے تین قبیلے اپنے اثر و اقتدار اور اپنی استبداد نوازیوں اور شر انگیزیوں کی وجہ سے بہت مشہور تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بنو قینقاع

۲۔ بنو نضیر

۳۔ بنو قریظہ

حضور انور نبی اکرم داعی آشتی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہو کر ملک کی صلح و آشتی اور امن و امان کے لیے جو معاہدہ مرتب کیا تھا اس میں یہ تینوں قبائل بھی خاص طور پر شریک تھے اور ان کے سر برآوردہ سرداروں نے بصد خوشی اس معاہدہ پر مہر قبولیت ثبت کی تھی مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں

نے اپنے معاہدہ صلح و آشتی کا کوئی پاس نہیں کیا یہ زبانی اقرار دلی اقرار کی صورت میں بھی جلوہ گر نہیں ہوا ان یہودیوں کے دل مسلمانوں کی ترقی و اقتدار اور عروج و رفعت کے مظاہر سے ہمیشہ تیر و نشتر بن کر لگتے رہے اور وہ ہمیشہ اس بات کے درپے رہے کہ جس طرح ہو سکے اسلام کی ترقی مسدود کر کے رہیں۔ جنگ بدر کے موقعہ پر نہ صرف یہ کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو کوئی جنگی امداد نہیں دی بلکہ قریش مکہ کو جنگ پر اُبھارنے میں ان کی درپردہ کوششوں کا بہت بڑا حصہ تھا اب مسلمانوں کی جنگ بدر کی فتح نے تو ان کو بالکل ہی بھون کر کباب بنا دیا تھا ان کی استبداد نوازیاں۔ شر انگیزیوں اور فتنہ گریوں کی اب کوئی حد نہ رہ گئی تھی ایک طرف انہوں نے عبداللہ بن ابی سردار منافقین سے رشتہ اتحاد قائم کر کے قریش کے دلوں میں انتقام کے بیسے بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اپنے پہلو بہ پہلو بسنے والے فرزندان توحید کو بدزبانی کے تیر و نشتر سے مجروح کرنے اور ان میں فتنہ و فساد ڈالنے کی کوششوں میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

کعب بن اشرف کی بدکلامی کا ایک ادنیٰ نمونہ:۔

جنگ بدر میں حامیان دین حق اور علمبرداران کفر و باطل کے تصادم کے بعد صداقت کی فتح و نصرت کی خبر فرحت اثر لے کر زید بن حارث مدینہ منورہ پہنچا تو ایک یہودی کعب بن اشرف نے اس خبر کو سن کر چراغ پا ہو کر کہا "تیرا برا ہو اگر یہ خبر واقعی درست ہے تو اب بادہ زندگی بے کیف و رنگ ہو گئی ہے قریش اشراف عرب ہیں اگر وہ ان سر پھرے مسلمانوں سے شکست فاش کھا کر پسپا ہو گئے ہیں تو اب دنیا میں زندہ رہنے میں کوئی مزہ باقی نہیں رہ گیا ہے" اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہودی ترقی اسلام کو کس بری نظر سے دیکھتے تھے اور مخالفین اسلام کے اثر و اقتدار کو مٹتا دیکھ کر کس طرح سر پیٹتے تھے۔

کعب بن اشرف کی زبان کے تیر و نشتر:۔

جب جنگ بدر میں فرزندان توحید کی فتح و نصرت کی خبر کی معتبر ذرائع سے تصدیق ہو گئی تو کعب بن اشرف جل بھن کر کباب ہی تو ہو گیا کچلے ہوئے ناگ کی طرح غصہ سے پیچ و تاب کھاتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا اور مقتولین بدر کے نوحے اور مرثیے لکھ لکھ کر ان کے پسماندگان کو خون کے آنسو رلانا شروع کیا وہ اپنے اشعار میں ان کو غیرت دلا دلا کر جنگ و جدال پر آمادہ کرتا تھا کچھ دنوں قریش کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا کر یہ فتنہ گر شخص مدینہ منورہ میں واپس آیا اور اپنی آتش بیانی کے تیر و نشتر سے فرزندان توحید کے دلوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ یہ دریدہ دہن یاوہ گو مسلمانوں کی عصمت مآب عفت شعار اور پردہ نشین عورتوں کے نام عشقیہ اشعار میں لکھتا اور سر راہ لوگوں کو سناتا تھا۔

کعب بن اشرف کا خونین انجام:۔

جب کعب بن اشرف کی بد کلامیوں نے پردہ نشیں عورتوں کی عزت پر حملہ کرنا شروع کر دیا تو حضور انور کو مجبور ہو کر اس کے قتل پر اصرار کرنے والے اپنے جاں نثار بہادروں کو اجازت دینی پڑی۔ اجازت پاتے ہی محمد بن مسلمہؓ ایک صحابی اپنے کئی دوستوں کے ہمراہ کعب بن اشرف کے گھر پہنچے اور اسے جہنم واصل کیا یہ اس مغرور و سرکش بد کلام اور بد زبان شخص کا انجام ہے جو اپنی آتش بیانی سے مخالفین اسلام کے دلوں میں عداوت کی چنگاریاں بھڑکا کر ملک کو شعلہ زار جنگ و جدال بنانا چاہتا تھا اور جس کی سرکش و ناپاک زبان پردہ نشین اور پاک خواتین کی عصمت پر بھی حملے کرنے سے نہ چوکتی تھی۔

کعب بن اشرف کا جانشین:۔

کعب بن اشرف کی مرگ بد انجام کے بعد ایک اور شیطان زبان کے تیر و نشتر سے کر

میدان میں اتر آیا اس کا نام سلام بن ابی حقیق تھا شل مشہور ہے کہ شاگرد استاد سے بڑھ جاتے ہیں۔ سلام بن ابی حقیق بھی آخر کعب بن اشرف ایسے بدزبان شخص کا جانشین تھا کیوں نہ دریدہ دہنی اور زیادہ گوئی میں اس سے سبقت لے جاتا آخر کار اس کی فحش گوئی اور اشتعال انگیزی سے تنگ آکر امن عامہ کی غرض سے اس کے قتل کی اجازت بھی بارگاہ رسالت سے فرزندان توحید نے حاصل کر لی کعب بن اشرف کو قبیلہ بنی اوس کے ایک پروانہ شمع محمدی نے تیغ کے گھاٹ اتارا تھا اس لیے اب بنو خزرج کا ایک اور دیوانہ گیسوئے محمدی فرزندان توحید کے دلوں کو توہین آمیز کلمات سے زخمی ہوتے اور مخالفین اسلام میں عداوت کے جذبات کے بھڑکنے کا سدباب کرنے کے لیے میدان سرفروشی میں اتر آیا اس نے اپنے آٹھ دوستوں کے ساتھ خیبر میں جا کر (جہاں کہ یہ شریر رہتا تھا) سلام بن ابی حقیق کو بتا دیا کہ اشتعال انگیزی اور بدزبانی کا انجام یہ ہوتا ہے۔

یہودیوں کی عام بدزبانیاں :-

ان فرزندان توحید حق کی مقدس گردنیں اک خدائے وحدہٗ لاشریک کے آستان عالیہ ہی پر سجدہ ریز ہونا جانتی تھیں اور ان کے راہبر اعظم محبوب رب العالمین سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو یہودیوں نے ایک تفریح آمیز مشغلہ قرار دے لیا تھا اور سرور عالم کی ہر دلعزیزی اور عزت و وقار پر اپنے زعم میں ضرب کاری لگانے کے لیے آپ کی مجلس میں آکر آپ کے متبعین مخلصین کے موجودگی میں ہتک آمیز اور ناشائستہ کلمات زبان سے نکالتے تھے۔ انصاف پسندی کا تقاضا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قوت برداشت اور صحابہ کرام اور دیگر فرزندان اسلام کے جذبہ فرمانبرداری پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کرنے پر مجبور کرتا ہے آپ السلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) ایسے نازیبا اور دل آزار کلمات سنتے تھے اور ذرا چین بر جبین نہ ہوتے تھے اور آپ کے متبعین مخلصین بھی آپ کی صبر و برداشت کی تعلیم کو سن کر آپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے حالانکہ یہ وہی جان نثار تھے جو آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہاتے کو اپنے لیے

باعث صد نازش و افتخار سمجھتے تھے اور آپ کی شان اقدس میں ذرا سا نازیبا کلمہ سن کر بھی آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔

بھڑکتی ہوئی آگ پر باران رحمت :۔

آپ یہودیوں کے اس دل آزار اور اشتعال انگیز رویہ کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بجائے ان گم گشتگان راہ ہدایت کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے تھے اور ان کو راہ راست پر لاتے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے تھے فتنہ و فساد اور کینہ و عناد کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پند و موعظت کا پانی چھڑکتے تھے مگر یہ وہ آگ نہ تھی جو باران رحمت سے بجھ جاتی آپ کے وعظ و نصیحت بہرے کانوں ہی سے سنی جاتی تھی بلکہ صلح و آشتی اور شفقت و محبت کے آئینہ دار الفاظ پر آپ کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا توہین آمیز اور ناشائستہ یاوہ گوئی کی جاتی تھی اس کے جواب میں بھی حضور انور رحمۃ للعالمین کا رویہ مربیانہ اور مشفقانہ ہی رہتا تھا آپ نہایت ملائمت اور محبت سے فرماتے تھے۔

"خوب یاد رکھو میں اللہ کا رسول ہوں وہی خاتم الانبیاء جس کا مدت سے تمہیں انتظار تھا اور جس کی آمد کی بشارت تمہاری مذہبی کتابیں دے رہی تھیں پھر بتاؤ اب وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں مجھ سے برگشتہ رکھتی ہے تم کیوں اپنی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کے لیے میری تعلیمات کا گوشہ داماں نہیں پکڑتے خدا نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اس لیے میں تمہارے زہر میں بجھے ہوئے تیر و نشتر کا جواب بھی محبت اور شفقت بھرے الفاظ سے دیتا ہوں تمہیں صراط مستقیم سے بھٹکتے ہوئے دیکھ کر میرے حساس دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اس لیے میں تمہاری رشد و ہدایت کے لیے شب و روز کوشاں رہتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ منکرین حق و صداقت کا انجام کیا ہو گا اور ان کا مسکن جاودانی کونسی جگہ بننے والی ہے اس لیے میرے پر درد دل میں یہ سچی آرزو موجود ہے کہ ہر شخص حق و صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور صراط مستقیم پر چلتا ہوا ایک

طرف دنیا میں کامیاب وکامرانی کی قابل رشک زندگی بسر کرے تو دوسری طرف آخرت کے عیش لافانی اور عشرت جاودانی کی رنگین جوانی اور دیدار ربانی کا مستحق ٹھہرے میری شب و روز کی دعا یہی ہے کہ خدائے رحیم و کریم تمہیں اپنے رحم و کرم سے ہدایت دے تاکہ تم توحید کی صدا کو گوش حق نیوش سے سنو اور تہہ دل سے اس پر عمل پیرا ہو تاکہ تمہارا انجام بھی وہی نہ ہو جو ابوجہل اور عتبہ وغیرہ منکران دین ہدے کا ہوا ہے۔" یہ باطل پرست مخالفین اس کے جواب میں حضور انور کے منصب رسالت پر آوازے کسنے اور کہنے کہ "قریش فنون حرب اور رزمین جنگ سے ناواقف تھے جب ہمارے ساتھ دو ہاتھ ہوں گے تو قدر عافیت معلوم ہو گی یہ قریش ہی تھے جو مٹھی بھر مسلمانوں کے آگے سے شکست کھا کر فرار ہو گئے ہم وہ لوگ ہیں کہ شیروں کے پاؤں بھی میدان سے اکھاڑ دیں وقت آنے دو پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا چیز ہیں" طبیب اعظم داعی صلح و آشتی یہودیوں کے مرض جہالت کو لاعلاج سمجھ کر واپس تشریف لے آتے۔

چاہ کن را چاہ در پیش:۔

صلح و آشتی کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرکش و مغرور اور فتنہ گر بے باک یہودیوں کو راہ راست پر لانے کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا یہ تمنا آپ کی روح کی عمیق ترین گہرائیوں میں کروٹیں لے رہی تھی کہ کس طرح وہ چنگاریاں جن کو یہودیوں کی شرارت پھونک رہی ہے بجھ جائیں اور ملک کا امن و امان خطرے میں نہ پڑے مگر کارکنان قضاء و قدر نے یہودیوں کی تباہی کا سامان فراہم کر رکھا تھا اور وہ ان شعلوں کو سرکشی اور اشتعال انگیزی کی ہوا دے رہے تھے جو خود ان کی طاقت قوی کے خرمن کے گرنے کے لیے بیتاب تھے جو کنواں یہودی فرزندان توحید کے لیے کھود رہے تھے آخر وہ خود ہی اس میں گر پڑے اور اپنی کج فہمی اور کج راہی سے اپنی تمام طاقت کا شیرازہ منتشر کر لیا۔

کردنی خویش آمدنی پیش۔

جاہلیت کے عرب میں بڑی بڑی شان وشوکت کے میلوں کی گرم بازاری تھی ایک روز بنی قینقاع کی بستی میں ایک میلہ لگا تو انصار کی ایک عورت وہاں دودھ بیچنے کے لیے چلی گئی دودھ بیچ کر واپسی پر وہ ایک یہودی سنار کی دوکان پر کوئی زیور خریدنے کے لیے ٹھہر گئی یہودی سنار نے ایک انصار عورت کو اکیلے دیکھ کر تہذیب وشائستگی کے خرمن میں آگ لگا کر اسے چھیڑنا شروع کیا مظلوم عورت نے شور مچایا ایک انصاری جو وہاں اتفاق سے موجود تھا ایک وحدتوحید کو مظلوم کی حمایت کو پہنچا۔ یہودی تو پہلے ہی فرزندان توحید کی عداوت ومخالفت پر ہمہ تن آمادہ تھے ایک انصاری کو یہودی سنار سے گرما گرم گفتگو کر کے ایک کر جل بھن کر کباب ہی تو ہو گئے پھر کیا تھا کیل کانٹے سے مسلح ہو کر اس بے یار ومددگار پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے مسلمان بھی آخر تلواروں کی چھاؤں میں پل کر جواں ہوا تھا اس نے بھی شمشیر جانستاں نیام سے باہر نکالی مقابلہ ہوا۔ انصاری شہید ہوئے مگر ایک یہودی کو بھی بتاتے گئے کہ

پرخاش مسلماں سے ہے پرخاش قضا سے

ایک انصاری کے قتل کی خبر سن کر اور بہت سے انصاری جو اس بستی میں اس وقت موجود تھے موقعہ پر پہنچے یہودی ان پر بھی حملہ آور ہوئے اور ایک بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس قتل وخون کی خبر الم اثر دربار نبوی میں بھی پہنچی۔ آپ صحابہ کرام کو اپنی معیت میں لے کر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ یہودی مدینہ کو شعلہ زار جنگ وجدال بنائے بغیر تلواروں کو نیام میں نہ کریں گے۔ چنانچہ یہ انفرادی جنگ بڑھتی بڑھتی قبائلی جنگ تک پہنچی۔ یہودیوں کے سات سو جنگ جو۔ اور جس میں تین سو زرہ پوش بھی تھے ایک قلعہ میں محصور ہو گئے اور پندرہ دس لہ روز کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔

ملک عرب میں تعزیرات عرب کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ تمام اسیران جنگ تہ تیغ کر دیے جاتے تھے رحمدل فرزندان توحید نے پہلی دفعہ اس قانون کو اڑا اٹھا کر اہل عرب کو انگشت بدندان کر دیا تھا جنگ بدر کے ستر اسیروں میں سے دو شخص جن کی سرکشی اور بغاوت کی شرارتیں اور اشتعال انگیزیاں حد برداشت سے بھی متجاوز ہو چکی تھیں تیغ کے گھاٹ اتارے گئے تھے ورنہ دوسرے اسیران جنگ کے لیے آرام و آسائش کا وہ سامان مہیا کیا گیا تھا کہ کوئی اپنے دوستوں کے لیے بھی کیا کرے گا یہودیوں کی استبداد نوازیوں اور سرکشیوں کو دیکھ کر عامۃ الناس کو پورا یقین تھا کہ اب ان تشنگان خون فرزندان توحید کو آب خنجر ہی سے سیراب کیا جائے گا۔ لیکن دنیا انگشت بدندان ہو کر رہ گئی جب مجسمہ رحم و کرم ہمدرد بنی نوع انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی سردار منافقین کی سفارش پر ان تمام اسیران جنگ کو صرف ملک بدر کر دینا ہی کافی سمجھا حضرت عبادہ بن صامت ان سرکش لوگوں کو خیبر تک نکال آئے۔

عبرت انگیز تنبیہ۔

عبداللہ بن ابی ہمیشہ درپردہ طور پر مسلمانوں کی بدخواہی کے لیے ہمہ تن آمادہ رہتا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی واقف کار نگاہیں اس کے دل کو عین اس طرح پڑھتی تھیں جس طرح قارئین کرام اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں پھر اس کی منافقت تو مسلم و آشکارا تھی جب سب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی مار آستین ہے کہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس کی سفارش پر اسیران جنگ کو تہ تیغ کرنے کی بجائے صرف ملک بدر کرنے پر اکتفا کیا جاتا اگر خود مجسم رحم و کرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ایسا نہ ہوتا۔ پس یہ جان بخشی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی کے اس بحر ناپیدا کنار کی ایک موج ہے جو تمام نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آپ کے سینہ کے عمیق ترین گہرائیوں میں نہایت جوش و خروش

سے موجزن تھا اس رعایت میں عبداللہ بن ابی کی سفارش کا میرے خیال ناچیز میں کوئی دخل نہیں ہے اگر اس سفارش سے پیشتر آپ نے ظاہراطور پر کسی قدر سخت گیری سے بھی کام لیا تھا اور اس سفارش کو شرف قبولیت بخشنے میں متامل نظر آتے تھے تو یہ صرف مخالفین اسلام کی تنبیہ کے لیے تھا کہ وہ مسلمانوں کو رحم و کرم اور عفو کے مجسمے ہی نہ سمجھتے رہیں بلکہ یہ بھی خاطر نشین کر لیں کہ اسلام سرکش و فتنہ گر لوگوں کو خون آشام تلواروں کی بھینٹ چڑھا دینے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہتا ہے یہ ایک گہری حکمت تھی جس سے ہر دیکھنے والا عبرت پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

جنگِ اُحد

مختصر سی تمہید :۔

جنگ احد فرزندان توحید اور کفار مکہ کے درمیان جنگ بدر کے بعد دوسری بڑی عظیم الشان اور خونخوار جنگ ہے جس میں مسلمانوں کی طاقت پر ایک ضرب کاری لگی اور اس کی وجہ صرف چند سر پھرے مسلمانوں کی بے راہ روی تھی جو اپنی فتح و نصرت پر شاد کام ہو کر جامے سے باہر ہو گئے اور اپنی مقررہ جگہ چھوڑ کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے جب کفار کے شکست خوردہ لشکر کو معلوم ہوا کہ غیر محفوظ راستوں پر جو تیر انداز متعین تھے وہ اپنی جگہ چھوڑ چکے ہیں تو وہ برق صفت کی تیزی کے ساتھ میدان جنگ میں واپس لوٹ آئے اور مسلمانوں کی منتشر طاقت سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے نرغہ میں لے لیا مگر آفرین اور صد آفرین ہے شمع محمدی کے جاں نثار پروانوں پر چاروں طرف سے دشمن سیلاب کی طرح امنڈ آئے مگر انہوں نے میدان کارزار میں پیٹھ دکھانا آئین جوانمردی کے منافی اور شان فرزندان توحید کے لیے بدنامی کا ایک دھبہ سمجھا اور برابر تلواروں کی چھاؤں میں اور نیزوں کی بوچھاڑ میں مصروف نبرد آزمائی رہے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر داد شجاعت دیتے رہے آخر کفار نے لڑائی اگلے سال پر ملتوی کر کے

خود میدان جنگ چھوڑ دیا اس خونخوار جنگ میں مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا ذرا سی غلطی نے میدان جنگ کا سارا نقشہ ہی پلٹ دیا۔ اگر چند مسلمان غلطی نہ کرتے اور اپنی مقررہ جگہ پر چٹان کی طرح جم کر تھوڑی دیر اور کھڑے رہتے تو ان کے رعب و اقتدار کا سکہ کفار کے دلوں پر ہمیشہ کے لیے بیٹھ چکا ہوتا بہت ممکن تھا کہ اس دفعہ شکست فاش کھا کر پھر ان کو مسلمانوں کے آگے سر اٹھانے کا حوصلہ نہ پڑتا۔ مگر ہوا اس ضدی اور سرکش عربی فطرت کا جو اسلام کے قوانین و ضوابط کی پابندیوں میں محصور ہو کر بھی تھوڑی بہت اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو کر ہی رہی۔

جنگ اُحد کے اسباب بعیدہ

جنگ احد کے اسباب بعیدہ میں سب سے بڑا سبب تو یہی تھا کہ کفار کے لیے یہ بات قطعی ناقابل برداشت تھی کہ اس سرزمین "بے آئین" پر ایک ایسا مذہب ایک بلائے بے درمان کی طرح نازل ہو گیا جو ان لوگوں کے خیال و اقوال اور رجحال و اقبال کو مقررہ آئین و قوانین کی پابندی میں محصور کر دینا چاہتا تھا جن کے دلوں پر صدیوں سے کسی قانون و ضابطہ کی حکمرانی نہ تھی باطل پرست عربوں کے صنم پرست جذبات کے آبگینہ کے لیے یہ ایک ٹھیس تھی کہ وہ گردنیں جو مخلوق خداوندوں کے "حضور" جھکنے کی عادی ہو چکی ہیں ان کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ عالیہ میں سجدہ ریز ہونے کی تلقین کی جائے وہ ریگستان عرب کے سٹیج پر حسن و عشق کے رنگین کھیل کھیلنے میں شب و روز مست تھے رقص و سرود کی محفلوں میں بیٹھ کر اپنی قوت مردی کی ڈینگیں مارنا ان کا محبوب مشغلہ تھا شراب آتشین کے جام میں شرم و حیا اور تہذیب و تمدن کے تمام ضابطوں کو ڈبو کر کھلے بندوں رنگ رلیاں منانا ان کے اسباب نشاط و شادمانی میں داخل ہو چکا تھا ایسی رند مشربی اور آزادروی کو چھوڑ کر اخلاق و تہذیب کے آئین و قوانین سے اپنے تئیں محصور کر لینا ان کے لیے ایک ایسے انقلاب کا پیام تھا جس کے تصور سے

بھی وہ لرزہ بر اندام ہوا ٹھتے تھے ان کی بے راہ روزندگیوں کا منتہائے مقصود وہ فانی عیش وعشرت تھا جو نفسانی خواہشات اور حیوانی جذبات کی پذیرائی سے حاصل ہوتی ہے جب سے انہوں نے بچپن کی لالہ کار وادیوں سے نکل کر ہوش وحواس اور عقل وشعور کے صحراؤں میں قدم رکھا تھا اپنے آباؤ اجداد کو اسی صنم پرستی، مے پرستی، جہالت پرستی اور خدا جانے کیا کیا پرستی کی شاہراہ بربادی پر گامزن دیکھا تھا یہ بات کس طرح ان کے دل ودماغ پر ایک حقیقت غیر مشتبہ کی شکل اختیار کر کے مستولی نہ ہو جاتی کہ ان کے لیے صحیح راہ عمل وہی ہے جس پر اب تک ان کے بزرگ سرپٹ دوڑتے رہتے ہیں۔ عشرت امروز کے نقد مال کے عوض وہ جنت کے عیش وعشرت کا وعدہ فردا خریدنے کے لیے تیار نہ تھے ان کو اپنے مسلک کے برحق ہونے کا پورا یقین تھا اس لیے وہ اسلام کے اصولوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے تھے کیونکہ یہ ان کی حد اعتدال سے متجاوز آزادہ روی اور اخلاق وتہذیب کے معیار سے گری ہوئی تمدن مشربی کے مظاہروں پر لعنت بھیجتا تھا جن معدودے چند نفوس کو اسلام کے اصول حق وصداقت کے آئینہ دار بھی معلوم ہوئے وہ بھی اپنے اعزہ واحباب کے پاس خاطر سے مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے اور نہ فرزندان توحید کا ساتھ ہی دے سکے کیونکہ وہ بھی آخر گم گشتگان بادیہ ضلالت کے زمرہ میں سے تھے اور ان کے دماغوں پر اگر صداقت اثر انداز ہوئی بھی تھی تو اس کے نقش ونگار بہت دھندلے تھے اور رشتہ داران ولواحقین کی محبت کا دام تھا قوی اور کفر والحاد کا اثر تھا زبردست ان باطل پرستوں نے اسلام کی گولہ باری سے کفر وباطل کا عظیم الشان قلعہ مسمار ومنہدم ہوتا دیکھا تو اپنے مفروضہ دین کی حمایت کے نام پر داعی اسلام کے خلاف خم ٹھوک کر میدان میں نکل آئے شروع شروع میں افہام وتفہیم اور گفت وشنید سے دین ہدیٰ کی ترقی کو مسدود کرنا چاہا جب اس طرح بھی فتح ونصرت نے ان کے قدم نہ چومے تو انہوں نے مال وزر، عزت واقتدار اور عیش وعشرت کے سامان کی فراہمی کے حتمی وعدے کر کے بیسیوں دام پھیلائے مگر اس عنقا کا آشیانہ ان کے دام تزویر سے بلند وبالا تر تھا۔ آخر قتل کی دھمکیوں تک معاملہ آیا جب یہاں تک نوبت پہنچ کر بھی ان کے خواب پریشان کی تعبیر ان کے حسب منشا نہ نکلی تو

تو انہوں نے آستینیں چڑھا لیں اور خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکال کر ہر اس مقدس گردن کو فرق مبارک سے جدا کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے جو خدا پر تروتوانا کی آستان پر سجدہ ریز ہو۔ جنگ بدر اس خون آشامی کی پہلی قسط تھی۔ جنگ احد اسی دیرینہ عناد کا دوسرا خونیں منظر ہے جس نے ریگستان عرب کو شعلہ زار جنگ و جدال بنا کر مادر گیتی کے بہت سے معصوم فرزندوں کی گردنیں کٹائیں وہ مقدس گردنیں جو خدائے قدوس کی شان قدوسیت کا اقرار کرتی تھیں۔

جنگ احد کے اسباب قریبہ

جنگ احد کے اسباب قریبہ میں سب سے بڑا سبب جنگ بدر ہے جس میں کفار کے بہت سے سربرآوردہ سردار اور چیدہ چیدہ بہادر فرزندان اسلام کی مٹھی بھر جمعیت نے شمشیر خارا شگاف کے گھاٹ اتار دیے تھے اس جنگ میں کفار کی شکست یابی کی تلخ یاد ہی ان کے لیے اس بات کی محرک ہوئی کہ ایک دفعہ پھر مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر جرار کے ساتھ صف آرا ہوں اور ان کے خون سے اپنے انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھائیں اس طرح جنگ بدر ہی جنگ احد کا پیش خیمہ ہوئی لیکن وضاحت کے لیے اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہو سکتی ہے۔

۱۔ جذبہ انتقام :۔

جنگ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کی بے سروسامان جمعیت سے ایک لشکر جرار کا جو سامان حرب سے پورے طور پر مسلح بھی تھا شکست فاش کھا کر آ جانا قریش کی شجاعت و بہادری کی پیشانی پر بدنامی کا ایک بدنما دھبہ تھا جسے وہ ایک دوسری جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر مسلمانوں کے خون سے دھونے کے لیے بے تاب تھے پھر بڑے بڑے سربرآوردہ سرداروں کا قتل ہو جانا ایسی بات نہ تھی جس کی یاد ان کے پسماندگان آسانی سے صفحہ دل سے محو کر دیتے وہ غصہ سے دانت پیس رہے تھے کہ وہ وقت کب آئے کہ مسلمانوں کو

کیجا چا جائیں اور اس طرح اپنے قریبی رشتہ داروں اور عزیز دوستوں کے قتل کا بدلہ لے کر اپنے دل کی آگ بجھائیں۔

۲۔ یہودیوں اور منافقوں کی اشتعال انگیزی :۔

یہودیوں کے شعراء کعب بن اشرف اور سلام بن ابی حقیق نے اپنی آتش بیانی کے نشتر سے قریش کی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا اور انہیں غیرت اور اشتعال دلایا کہ شکست خوردہ ہو کر عورتوں کی طرح پردہ میں بیٹھ رہنا بہادروں کا شیوہ نہیں ہے اگر تم میں کچھ بھی عربی حمیت ہے تو اپنے مقتولوں کا انتقام لو قریش پہلے ہی جذبہ انتقام کی آگ سے جلنے بھنے بیٹھے تھے ان باتوں نے اور بھی جلتی پر تیل کا کام دیا سرداران یہود نے ان کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم تمہاری پوری پوری امداد کریں گے تم خاموش ہو کر نہ بیٹھو بلکہ ایک لشکر جرار لے کر ایک طوفان گردہ باد کی طرح مکہ سے اٹھو اور آن کی آن میں مسلمانوں کا نام و نشان تختہ دنیا سے مٹا دو۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے قریش سے ساز باز جاری رکھی اور ان کے جذبات انتقام کو برانگیختہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا ان کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف کبھی صف آرا نہ ہوں گے بلکہ مسلمانوں کا وجود دنیا سے مٹانے کے لیے حتی الوسع تمہاری امداد کریں گے یہ سب باتیں ایسی تھیں جو قریش کی رگوں میں خون منجمد نہ ہو جانے دیتیں۔

۳۔ سردار قریش کی بیوی کی خون آشام تمنائیں :۔

اسلام کے دشمن ازلی سردار قریش ابوجہل کے میدان بدر میں مسلمانوں کی شمشیر خارا شگاف سے قتل ہونے کے بعد اس کی جہالت کی گدی پر ابوسفیان بیٹھا اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ کے باپ اور بھائی میدان بدر میں کام آ چکے تھے۔ ہندہ شب و روز اپنے مقتول رشتہ داروں کی یاد میں گریہ زاری کرتی۔ ابوسفیان کو غیرت دلاتی تھی کہ میرے بہادر رشتہ دار تو مسلمانوں کے ہاتھوں تیغ کے گھاٹ اتر جائیں اور تو خاموش بیٹھا قریش پر حکمرانی کرے کیوں نہیں ڈیڑھ چلو پانی میں ڈوب مرتا اگر غیرت ہے تو ایک لشکر جرار لے کر جا

اور مسلمانوں کی تکا بوٹی کیے بغیر دن کا چین اور رات کی نیند اپنے لیے حرام سمجھ رہے مسلمانوں نے ہماری قوم کی طاقت کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے ہمارے جانباز اور شمشیر زن بہادر چن چن کر تیغ کے گھاٹ اتار دیے ہیں۔ اس نقصان عظیم کی تلافی تب ہی ہو سکتی ہے جب ہماری آنکھیں اسلامی لشکر کو گاجر مولی کی طرح کٹتا دیکھیں مقتولین قریش کے وارثوں کے دل کی آگ ان کے رشتہ داروں کے قاتلوں کے خون سے ہی بجھ سکتی ہے اگر تم مردوں کی رگوں میں جوانمردی کا خون سرد پڑ گیا ہے تو چلو ہم عورتیں تمہارے ساتھ چلتی ہیں اور تمہارے دوش بدوش داد مردانگی دے کر تمہارے منجمد خون میں از سر نو زندگی اور شجاعت کا جوش پیدا کرتی ہیں۔

۴۔ خود ابو سفیان بھی مسلمانوں سے انتقام لینے کی تاک میں تھا ابوجہل کے قتل کے بعد اس کی جانشینی کے وقت اس نے تمام قریش کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں مقتولین بدر کا انتقام نہ لے لوں ہر قسم کی عیش و عشرت کو اپنے لیے حرام سمجھوں گا نہ اپنی عورت کے باغ حسن کی گل چینی کروں گا نہ اپنے سر میں تیل ڈالوں گا اس لیے قریش کو منہ دکھانے کے لائق تب ہی ہو سکتا ہوں جب اس وعدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا لوں۔

انتقام کی آگ شعلہ زن ہو گئی۔

یہ چاروں وجوہات ایسی تھیں جو قریش کے دلوں میں کینہ وعناد، فتنہ و فساد اور عداوت وانتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہوا دے کر اور بھی بھڑکا رہی تھیں آخر یہ بھڑکتی ہوئی آگ آتشکدہ ایران کی طرح اپنی تمام تمازت اور حدت کے ساتھ شعلہ زن ہو گئی اور اپنے زعم میں تہیہ کر کے ہی اٹھی کہ کشت اسلام کو اپنی بے پناہ چنگاریوں سے جلا کر خاک سیاہ ہی کر دے گی مگر اسلام خود ایک برق خاطف تھا جو کفر و باطل و شرک و معصیت اور ضلالت و جہالت کے خس و خاشاک کو نذر آتش کرنے کے لیے کتم عدم سے شہود پر جلوہ گر ہوا تھا سنگ باری کا خوف اسی بدقسمت کو ہو سکتا ہے جو شیشے کے مکانوں میں بود و باش رکھتا ہو سنگ خارا کی چٹانیں طوفان گرد و باد کی پر آشوب مخاصمت کی کیا

برپا کرتی ہیں۔

لشکر جرار کی عظیم الشان تیاریاں :۔

میدان بدر میں حق و باطل کے پہلے تصادم کے وقت مشرکین مکہ کا جو عظیم الشان قافلہ ملک شام میں تجارت کر کے واپس آ رہا تھا وہ پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ کے بیش بہا منافع سے مالا مال ہو کر آیا تھا کفار کے فیصلہ کے مطابق یہ تمام روپیہ سازو سامان کی فراہمی میں پانی کی طرح بہا دیا گیا تا کہ جلد سے جلد مادر گیتی کے ان معصوم فرزندوں کے خون سے ریگستان عرب کے ذرہ ذرہ کو لالہ فام بنا دیا جائے جن کے رہبر اعظم نے اس کفر و الحاد کے زمانہ میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے قدم رنجہ فرما کر عرب کے ویرانہ ضلالت و جہالت کو محض ہدایت سے متبدل کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا خون آشام تلواریں اور جگر شگاف نیزے خریدے گئے دشمنان باطل کے بے پناہ وار سے بچنے کیلیے مضبوط زرہ بکتر اور زبردست سپر تیار کرائے گئے اپنی حمایت و پشت و پناہی کے لیے دوسرے قبائل میں اپنے شعرا بھیجے گئے تا کہ انہیں حامیان دین متین کو صفحۂ عالم سے مٹانے کی ناپاک کوششوں کے لیے آمادہ کریں، رجز خواں مرد اور دف بجا بجا کر جرات و شجاعت کے جذبات برانگیختہ کرنے والے شعر گانے والی نوخیز حسین لڑکیاں بلا لی گئیں۔ مکہ میں رہنے والے حبشی غلام بھی لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے بہادروں کے زمرہ میں داخل کر لیے گئے اس طرح کیل کانٹے اور دیگر تمام ضروری سازو سامان جنگ سے مسلح ہو کر تین ہزار کا طاغوتی لشکر یزدانی جماعت کو تیغ کے گھاٹ اتارنے کے لیے چل کھڑا ہوا عورتیں جو ہندہ بنت عتبہ کی قیادت میں تھیں رجز خواں، شاعر اور شاگرد پیشہ لوگ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ کے خونخوار ارادے :۔

سردار قریش ابو سفیان کی بیوی ہندہ کو سب سے بڑی عداوت امیر حمزہ کے ساتھ تھی

جن کے ہاتھ سے اس کے قریبی رشتہ دار جنگ بدر میں جہنم داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ اس آتش انتقام کو فرد کرنے کا وہ پورا ساز و سامان فراہم کر کے مکہ سے چلی تھی۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام وحشی نام سے مشہور تھا وہ بہت بڑا جنگ دیدہ اور نبرد آزما تجربہ کار شخص تھا حربہ جو ایک قسم کا چھوٹا نیزہ ہوتا ہے، پھینک کر دشمن کو فنا کے گھاٹ اتار دینا اس کا مایہ الامتیاز کمال تھا۔ چنانچہ ہندہ نے اس خونخوار اور راجل بکف شخص سے وعدہ کیا کہ اگر وہ امیر حمزہ کو موت کا جام پلا کر اس کے دل کی آگ ٹھنڈی کر دے تو وہ اس کو اس بہادری اور جان بازی کے صلہ میں اپنا تمام زیور اتار کر دے دے گی۔ جبیر بن مطعم نے ایسی خون آشام شرط پر اس کی رہائی کا وعدہ کیا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ طاغوتی لشکر کن خونخوار تمناؤں کو اپنے دل میں لے کر فرزندان توحید کے ساتھ نبرد آزما ہونے چلا تھا۔

ابوسفیان کے لشکر جرار کی آمد کی خبر بارگاہ رسالت میں

عباسؓ بن عبد المطلب اگرچہ مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا مگر بوجوہات چند در چند ابھی اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ میں ہی کفار کے درمیان موجود تھا اس نے مشرکین مکہ کی تمام مفسدانہ کاروائی کا حال لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ حضور اقدس نبی اکرم آقائے نامدار احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خونخوار یورش کفار کا حال پڑھتے ہی اپنے متبعین مخلصین کو بلا کر ایک مجلس مشورت منعقد کی اور قریش مکہ کے متشددانہ اور جارحانہ لشکر کے عنقریب مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر وحشت اثر سنا کر ان سے رائے طلب کی کہ تمہارے نزدیک اب ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم حضور انور کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کے لیے تیار ہیں۔ مشرکین کے لشکر کو آنے دو پھر ہم بتائیں گے کہ مسلمان ایسا تر نوالہ نہیں ہیں جسے آسانی سے نگلا جا سکے۔ اگر خدا کی تائید و اعانت ہمارے شامل حال ہوئی تو ایسے دانت کھٹے کریں گے کہ پھر بھول کر بھی یہ لوگ مدینہ کا رخ نہ کریں گے۔" حضور اقدسؐ نے فرمایا یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ تم باطل سے دبنے والے نہیں ہو مگر میں تو

یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنی مدافعت شہر میں پناہ گزین ہو کر کرنی چاہیے یا کھلے میدان میں نکل کر؟ جنگ آزما تجربہ کار اور سن رسیدہ شخص تو اس بات پر متفق تھے کہ ہمیں شہر میں پناہ گزیں ہو کر ہی کفار کے حملے کا جواب دینا چاہیے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی اس مشورت میں شریک تھا اور وہ بھی اس بارے میں یہی رائے رکھتا تھا ممکن ہے اس نے درپردہ طور پر اس میں اپنے لیے کوئی مصلحت دیکھی ہو لیکن جہاں تک ظواہر کا تعلق ہے اس نے فرزندان توحید کی کثرت رائے کو چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ نہیں چنی۔

حضورِ اقدس کا ایک خواب :۔

رب قدیر کی طرف سے اس بات کا تصفیہ کرنے کے لیے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ کفار کا مقابلہ فرزندان توحید شہر میں پناہ گزیں ہو کر کریں یا کھلے میدان میں نکل کر تہ کی بہتر کی جواب دیں لیکن مخبر صادق نبی برحق حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اعماق روح سے یہی صدا بلند ہوتی تھی کہ مشرکین مکہ کے جارحانہ اقدام کا جواب فرزندان اسلام مدینہ میں چھپ کر دیں کیونکہ حضور صادق نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں آپؐ نے دیکھا کہ شمشیر خارا شگاف کی دھار کا کچھ حصہ گر گیا ہے اس کی آپؐ نے یہ خوفناک تعبیر کی تھی کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اس کے علاوہ آپ نے دیکھا تھا کہ ہاتھ زرہ میں ڈال دیا گیا ہے اس زرہ کی تعبیر آپ نے مدینہ کی تھی اس لیے آپ کے نزدیک بہترین طرز عمل یہی تھا کہ حامیان دین ہدیٰ مدینہ سے باہر قدم نکالے بغیر کفار کے طاغوتی لشکر کا مقابلہ کریں۔

نوجوانوں کی تڑپتی ہوئی تمنائیں :۔

جوانی دیوانی ہے۔ سرکش ہے، خود رائے ہے، ضبط کے آئین و قوانین سے ناواقف ہے جن نوخیز بہادروں نے جنگ بدر میں شامل ہو کر اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر نہیں

دکھائے تھے ان کو تجربہ کار بزرگوں کی یہ رائے پسند نہ آئی کہ شہر میں رہ کر ہی قریش کے حملے کا جواب دینا چاہیے وہ کھلے میدان میں نکل کر اپنے محشرستان دل میں بہادری کی تڑپتی ہوئی تمناؤں اور جوانی کی پھڑکتی ہوئی ترنگوں کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے چونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس بارے میں کوئی حکم ربانی تو موجود تھا ہی نہیں اس لیے رحمۃ للعالمین نے اپنی کریمانہ و مشفقانہ عادت کی وجہ سے نوجوان کے مقبول خاطر فیصلہ کو شرف قبولیت بخشا۔

مدافعت کی تیاریاں :۔

حضور اقدس نے جمعہ کی نماز شوق خاطر اور ذوق محبت سے ادا فرمائی اور رب ذوالجلال کی بارگاہ عالیہ میں سجدہ ریز ہو کر فرزندان اسلام کی فتح و نصرت کی دعا مانگی پھر کاشانہ نبوی میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اب بہت سے نوجوانوں کے حاشیہ دل میں یہ خیال گذرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور انور ہماری اس طفلانہ ضد سے ناراض ہو گئے ہوں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اظہار ندامت کر کے فیصلہ ان پہ چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر حضور نے ان کا فیصلہ بحال رکھا اور کہا کہ "ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم"

بے سرو سامان لشکر اسلام :۔

ایک ہزار دعوے داران توحید داعی حق پیغامبر حریت سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ کی قیادت میں احد کی پہاڑی کی طرف حق و باطل کے میدان کارزار میں شریک ہونے کے لیے چل کھڑے ہوئے ابھی بمشکل تمام مدینہ منورہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پہ ہی گئے ہوں گے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے تین سو کی جمعیت کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ چونکہ فرزندان اسلام اس کے مشورہ پہ عمل پیرا نہیں ہوئے اس لیے وہ ان کا ساتھ دینے سے انکار کرتا ہے اب سات سو مجاہدین حق باقی رہ گئے جن کے

دلوں میں سرفروشی کی تمنا کروٹیں لے رہی تھی اور جو منصب شہادت پر سرفراز ہونے کے لیے بیتاب ہو رہے تھے اس لیے ان تین سو منافقوں کی جمعیت کے واپس جانے سے کسی کو رنج و افسوس نہیں ہوا بلکہ مسرت ہوئی کہ منافقوں کی جماعت سرشاران جذبہ شہادت سے الگ ہو گئی۔

اسلامی لشکر کا جذبہ سرفروشی:۔

اسلام کے اس مٹھی بھر لشکر کے جذبہ سرفروشی کا اندازہ اس بات سے نہایت آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مدینہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر جا کر لشکر کی دیکھ بھال شروع ہوئی تاکہ نوعمر اور کمسن بچوں کو مجاہدین کے زمرہ سے خارج کر دیا جائے تو بہت سے بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ اپنی اصلی قد کی نسبت اونچے نظر آئیں اس لیے زبردست دل اور طاقت ور جسم کے مالک کئی چودہ چودہ پندرہ پندرہ سالہ بچے بھی لشکر میں رکھنے پڑے باقی سب واپس کر دیے گئے یہ لشکر تعداد میں کفار کے لشکر کا پانچواں چھٹا حصہ شاید اس سے بھی کچھ کم (کیونکہ بعض تاریخوں میں عورتوں اور شاگرد پیشہ لوگوں کو شامل کر کے قریش کے لشکر کی تعداد پانچ ہزار لکھی ہے اور جنگی سازو سامان کے اعتبار سے مشرکین کے لشکر کا عشر عشیر بھی نہیں تھا اس لشکر میں بعض دختران توحید بھی شامل تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۲۔ ام المومنین حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔

۳۔ ام عمارہ۔ عمارہ بن زیاد اس جنگ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

۴۔ ام سلیط۔

ان [illegible] اسلام نے جنگ میں بقدر ہمت قابل قدر خدمت سرانجام دیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ پائیچے چڑھائے پانی کی مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں ڈالتی تھیں

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بقدر ہمت و طاقت تلوار سے بھی کام لیا ہے آپ کا ایک ہاتھ شانے کے قریب زخمی ہوا۔

میدان اُحد میں صف آرائی :-

جب سر شام اسلامی لشکر احد کی پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو دیکھا کہ کفار کا لشکر پیشتر سے ہی خیمہ زن ہے اس لیے مجاہدین حق کے قائد اعظم نے بھی ڈیرے ڈال دینے کا حکم دے دیا وُصدات دونوں طرف کے جانباز بہادروں کی آنکھوں میں کٹ کر دیکھیے اور تن ٹ کس کر دٹ بیٹھتا ہے۔ آخر روئے شب تار نظروں سے پنہاں ہو گیا اور آفتاب عالمتاب جنگ احد کا خونیں منظر دیکھنے کے لیے کانپتا ہوا افق مشرق سے نکل آیا۔ سرشاران توحید نے اپنی پیشانیوں کو بارگاہ رب العزت میں جھکا دیا اور نماز سحر گاہی کے بعد دعائے فتح و نصرت مانگی اور قوانین جنگ کے اولین اہم اصول بہترین جگہ کے انتخاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے احد کی پہاڑی کو عقب میں رکھ کر صف آرائی شروع کر دی گئی۔ اس پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی جس میں سے ہو کر دشمن عقب سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ حضور انور کی دور بین نگاہوں نے اس مقام کی اہمیت اور نزاکت کو فوراً تاڑ لیا تھا اس لیے عبداللہ بن جبیر انصاری کی سرکردگی سے پچاس تیر اندازوں کی جماعت اس چور دروازہ پہ متعین کر دی گئی اور ان کو حکم دے دیا گیا کہ تا اطلاع ثانی تم اس جگہ کو مت چھوڑو صف آرائی اور اس چور دروازہ کی پوری در بندی کے بعد حضرت امیر حمزہ رضی کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا گیا حضرت مصعب بن عمیر کو علمبرداری کا شرف حاصل ہوا۔ میمنہ پہ زبیر بن العوام اور میسرہ پہ منذر بن عمرو مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار جوہر دار ابودجانہ کو عنایت فرمائی جو اسے لے کر جامے میں پھولا نہ سماتا اور نہایت فخر و غرور سے اکڑ کر چلتا تھا۔

یہ چال خدا کو ناپسند ہے:۔

حضور اقدس غرور و تکبر کو بہت بُرا سمجھتے تھے اس لیے ابو دجانہ سے فرمایا کہ یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔" اگر تمہارے دل پر غرور و تکبر کا جذبہ طاری نہیں ہے تو کفار کے مقابلے میں اس نبرد آزمائی کے موقعہ پر اس طرح اکڑ کر چلنا ادا قرار دیا جا سکتا ہے۔

کفار کی صف آرائی:۔

کفار نے بھی اپنے مشہور جانباز نبرد آزماؤں کی صفیں آراستہ کیں میمنہ پر خالد بن ولید کو سو سواروں کے دستہ کا قائد اعظم بنا کر متعین کیا اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کی معیت میں سو سواروں کا دستہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ دو سو کوتل گھوڑے صفوں کی پشت پر وقت ضرورت کام آنے کے لیے تیار رکھے اس کے بعد جنگ کے نقارہ پر چوٹ پڑی اور خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں۔

پیر فرتوت کا جال مکر:۔

پیشتر اس کے کہ ہم جنگ مبارزت کا ذکر کریں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیر فرتوت کی چالبازی کا بیان بھی کر دیا جائے ابو عامر ایک کہنہ سال راہب تھا جو مدینہ کا باشندہ تھا اس کو اسلام سے خدا واسطے کا بیر تھا پیغامبر توحید اور اس کے متبعین مخلصین کے مدینہ میں داخل ہونے سے ہی وہ جل بھن کر کباب ہی تو ہو گیا اور اس نواز توحید کو چھوڑ کر مکہ کے کافروں میں جا کر رہنے لگ گیا وہ قبیلہ اوس میں سے تھا اب مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کی طاقت کا شیرازہ منتشر کرنے کا خیال دل میں لے کر مشرکین کے لشکر کے ہمراہ آیا تھا اس نے میدان کارزار گرم ہونے سے ذرا پیشتر صفوف مشرکین سے نکل کر اس کے قبیلہ کے لوگوں کو پکارا اگرچہ

اے لیسا آرزو کہ خاک شدہ

انصار مدینہ نے اسے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ اپنا سا منہ لے کر ناکام و نامراد مشرکین کی صفوں میں جا گھسا کچھ ایسے ہی پیران فرتوت کی نسبت ہی لسان العصر نے فرمایا ہے ؎

افسوس سفید ہو گئے بال تیرے ، لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال تیرے
تو زلف بتاں بنا ہوا ہے اب تک
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال تیرے

جنگ مبازرہ :۔

حامیان دین حنیف اور راہ نوردان حقیقت کے خون کے پیاسے کفار مکہ کی صفوں سے ایک مشہور شہسوار طلحہ بن اشرف جوانمردانہ جوش اور دلولہ کے ساتھ العطش العطش پکارتا ہوا نکلا اور ہوا میں اپنی تلوار جوہر دار چمکا کر پکارا کہ کون دراز شمشیر بہادر ہے جو میرے مقابلہ میں آکر میری خون آشام تلوار کی پیاس بجھائے یہ الفاظ سنتے ہی شیر خدا حضرت علی برق صفت تیزی کے ساتھ اسلامی لشکر کی صفوں سے نکلے اور ایک ہی وار میں دعوے دار شجاعت طلحہ بن اشرف کی لاش میدان احد کی ریت پہ خاک و خون میں تڑپتی ہوئے نظر آئی۔

خوں ریز جنگ :۔

اب دونوں طرف کے بہادر نہایت بے جگری سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے گھمسان کا رن پڑا دراز شمشیر نبرد آزما سورمے گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے شجاعت و بہادری کے تڑپتے ہوئے جوہر نمایاں ہونے لگے تلواروں کے جھنکار سے جنگل گونج اٹھا خونریزی کا منظر دیکھ کر پہاڑیاں بھی آہیں بھرتے لگیں ہوا درد و الم سے سائیں سائیں کرتی ہوئی تیزی سے ادھر ادھر دیوانوں کی طرح پھرنے لگی گرد و غبار کے طوفان اٹھ اٹھ کر آسمان کی طرف فریاد کرنے کے لیے لگے کہ مادر گیتی کے سرکش اور ظالم اور خونخوار بیٹے کس طرح اپنے مظلوم بھائیوں کے خون کے پیاسے ہو کر انہیں اپنے ساتھ ملا کر ایک دوسرے کے

خون سے کھیلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

جنگ احد کے چند خونیں مناظر

ہندہ بنت عتبہ قتل ہوتے ہوتے بچی۔

ابو دجانہ حضور انور کی شمشیر خارا شگاف سے مشرکین مکہ کے ٹکڑے اڑاتا ہوا صفوں میں گھسا چلا جاتا تھا لشکر کفار کے قائد اعظم کی بیوی ہندہ اس کی زد میں آگئی اور موت کو سامنے دیکھ کر حواس باختہ ہو کر بھاگی ابو دجانہ نے دل میں یہ خیال کر کے کہ حامی حقوق نسواں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایک عورت کے خون سے رنگین نہ ہو۔ اسے موت کے گھاٹ اتارنے سے انکار کر دیا اور اپنے (ہندہ کے) رشتہ داروں کے قاتل حضرت امیر حمزہ رض کا مثلہ کرنے اور جگر چبانے کا خونین منظر پیش کرنے کے لیے زندہ رہنے دیا۔

حضرت امیر حمزہ کا بزدلانہ قتل۔

حضرت امیر حمزہ اسلام کے سرفروش مجاہدوں اور دھانہ شمشیر بہادروں میں سے تھے جنگ بدر میں آپ نے اپنی فقید النظیر شجاعت اور عدیم النظیر بہادری کا لوہا دشمنان دین متین سے بھی منوا لیا تھا آپ اس جنگ میں بھی صف شکن حملے کر رہے تھے اور مشرکین کے علمبردار تلحہ کو جہنم داصل کرنے کے بعد کافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے جا رہے تھے کہ اس حبشی غلام وحشی نام نے آپؓ کو دیکھا جسے بیش بہا انعام واکرام کے لالچ پر ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور اس کے آقا جبیر بن مطعم نے امیر حمزہ کے قتل کا خونین فرض سپرد کیا ہوا تھا وہ مکار امیر حمزہ کو آگے بڑھتا دیکھ کر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپؓ کفار کے لشکر کو درخت کی شاخوں کی طرح کاٹتے چھانٹتے آگے

بڑھ گئے تو اس بزدل قاتل نے اپنے کمین گاہ سے اٹھ کر تاک کر اپنا تیرہ پھینکا جو امیر کے ایک پہلو میں لگا اور دوسرے پہلو سے پار نکل گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امیر حمزہ کی مرگ حسرت آیات جہاں اسلامی لشکر کے لیے ایک دو شاخہ تیر تھا وہاں وحشی کے لیے باعث صد نازش وافتخار اور موجب صد مسرت وشادمانی تھی وہ چمکتی ہوئی تلواروں سے بچ کر ہندہ کے پاس پہنچا اور اسے امیر حمزہ کے قتل کا مژدہ جانفزا (لاحول ولاقوۃ الاباللہ) جا سنایا ہندہ کا دل جوش مسرت سے بلیوں اچھلنے لگا اس نے آج اپنے رشتہ داروں کے قاتل سے اپنا خوفناک انتقام لے لیا تھا وحشی کو انعام سے مالا مال کرنے کے بعد وہ امیر کی لاش کے پاس پہنچی۔

امیر حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی :۔

دشمن اسلام ابوسفیان کی ڈائن بیوی ہندہ نے اسلامی لشکر کے مایہ ناز بہادر اور رسول اللہ سرور کائنات فخر دو جہاں حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے کے چچا امیر حمزہ کی لاش کی اس بےدردی سے بے حرمتی کی کہ اس کا دردناک بیان ایک دفعہ تو پتھر سے پتھر دل انسان کو بھی آنکھوں میں آنسو بھر لانے کی دعوت الم پرور دے کے بغیر نہیں رہتا اس کافرہ نے اس فرزند توحید کے کان کاٹے۔ ناک کاٹی۔ لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور پیٹ چاک کر کے جگر نکالا اور دانتوں میں لے کر چبانا شروع کر دیا اور چبا چبا کر تھوکتی رہی۔ آہ انسان تجھ میں بہیمیت کا کتنا بڑا حصہ موجود ہے! آہ عورت تیرا انتقام کس قدر خوفناک ہوتا ہے۔

طاغوتی لشکر کا سردار موت کے منہ میں :۔

کفار عورتوں کی سپہ سالار ہندہ بنت اسود کی طرح اس کا خاوند ابوسفیان بھی موت کے پنجہ سے بال بال بچا فرق صرف اتنا ہے کہ ہندہ کی جان بخشی قاتل کے رحم وکرم کا نتیجہ تھی اور ابوسفیان کا زندہ بچ رہنا اس کے قاتل کی شہادت کی وجہ سے تھا اسلامی لشکر کا

ایک جانباز بہادر حنظلہ نامی کفار کو اپنے سامنے سے ہٹاتا ہوا ابوسفیان تک جا پہنچا اور چاہتا ہی تھا کہ اپنی تلوار جوہر دار کے ایک ہی وار سے اسے غرق فی النار کر دے کہ اتنے میں ابوسفیان کی خوش قسمتی سے شداد بن اسود لیثی نے عقب کی طرف سے اچانک حملہ آور ہو کر حنظلہ کو جام شہادت پلا دیا۔

لشکر کفار کے علمبرداروں کا حشر!۔

زمانہ قدیم الایام سے قریش کے علمبردار قبیلہ بنو عبدالدار کے لوگ چلے آتے تھے جنگ احد میں ابوسفیان نے علم جنگ ان کے سپرد کرنے سے پیشتر ان کے دلوں میں شجاعت و بسالت کے جذبات کو بدرجہ کمال برانگیختہ کرنے کے لیے طنزاً کہا "کہ اس علم کی عظمت و وقعت کا برقرار رکھنا ایک ضروری چیز ہے اور ہم اس دفعہ اپنا علمبردار اس عالی حوصلہ شخص کو بنائیں گے جو اس کی شان و عظمت میں چار چاند لگائے نہ کہ تمہاری طرح اس کی قدر و منزلت کو خاک میں ملائے۔ جنگ بدر میں تم نے جو کمال کر دکھایا ہے وہی کمال اگر اب دکھانے کی منشا ہے تب علم تمہارے حوالے کیا جا سکتا ہے ورنہ ہم تمہیں اس منصب جلیلہ سے سبکدوش کرتے ہیں"!

بنو عبدالدار ابوسفیان کے ان طنزیہ نشتروں سے بہت متاثر ہوئے اور لات و عزیٰ کی قسمیں کھا کر ابوسفیان کو یقین دلایا کہ اب ہم اپنے شجاعانہ کارناموں سے دشمنوں کے دلوں میں بھی اپنی بہادری کی دھاک بٹھا کر چھوڑیں گے۔ تب ابوسفیان نے علم ان کے حوالے کیا۔

اس جنگ میں بنو عبدالدار کے بارہ علمبردار اسلامی تیغ کے گھاٹ اترے جن میں سے آٹھ صرف شیر خدا حضرت علی رضی نے جہنم واصل کیے آخری علمبردار صواب کے مارے جانے کے بعد پھر کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ علم اٹھانے کا خوفناک فرض اپنے ذمہ لے۔

طاغوتی لشکر کا پسپا ہونا :-

ابوسفیان کے لشکر کے بہادروں نے بڑی بے جگری سے مسلمانوں پر حملے کیے مگر وہ سنگ خارا کی چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے آخر جب کوئی بس نہ چلا تو کفار نے پسپا ہونا شروع کر دیا آخر تاب مقاومت نہ لا کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کی بدنظمی اور اس کا خوفناک نتیجہ :-

جب لشکر کفار کو شکست یاب ہو کر پسپا ہوتا دیکھا ان عورتوں کو بھی جو مشرکین کی صفوں کے عقب میں دف بجا بجا کر اور جوشیلے شعر گا گا کر ان کو جنگی جوش دلاتی تھیں، بدحواس ہو کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو مسلمان مال غنیمت کی طرف ٹوٹ پڑے حتی کہ تیر اندازوں کا وہ دستہ بھی جو عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں احد کی پہاڑی کے ایک نازک مقام پر متعین کیا گیا تھا فتح و نصرت کے جوش میں آکر جامے سے باہر ہو گیا اور اپنے قائد کے کسی حکم پر ہی کان نہ دہرا بے تحاشہ مال غنیمت کی طرف لوٹ پڑا اس بدنظمی اور ہنگامی جوش نصرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ پہاڑی کی گھاٹی کو غیر محفوظ پا کر خالد بن ولید نے ایک میل کا چکر کاٹ کر اسی راستہ سے مسلمانوں پر یک لخت حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنے سواروں کے دستہ کے ساتھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ ابوسفیان جو شکست فاش کھا کر بمعہ اپنے لشکر کے بھاگ رہا تھا میدان جنگ کا پانسہ الٹتے دیکھ کر فوراً الٹے پاؤں واپس ہو لیا اب تو مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں آ گئے۔ مال غنیمت تو رہا در کنار جانوں کے لالے پڑ گئے اس پیکر شمشیر خارا شگاف پر ہاتھ ڈالا اور بارش کی طرح برستی ہوئی تلواروں کا جواب دینے لگے۔

سرور کائنات تلواروں کی چھاؤں میں :-

سرور کائنات فخر موجودات شاہ محفل کون و مکاں اور مجاہدین حق کے سب سے بڑے

قائد اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معرکہ دار و گیر میں ایک جگہ پارہ پر جوش اور جاں نثار صحابیوں کے ساتھ مخالفین اسلام کے نرغے میں آ گئے۔ فرزندان توحید کے خون کے پیاسے بارش کی طرح تلواریں برسا رہے تھے مگر حضور اقدس کے عاشقان صادق پروانہ صفت آپ پر قربان ہو کر آپ کی تحفظ و نگہداشت کر رہے تھے۔ تلواروں کی بارش اور تیروں کی بوچھاڑ اپنی ڈھالوں اور سینوں پر جھیل رہے تھے مگر جب تک ان کے دم میں دم اور جسم میں خون کی آخری بوند بھی باقی تھی وہ حضور اقدس کو کسی قسم کی ضرب پہنچتی دیکھنے کے لیے تیار نہ تھے۔

حضور انور کی شہادت کی غلط افواہ:۔

اسلامی لشکر کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی آپ کے جاں نثاروں کے نزدیک ہی استادہ تھے کفار کے ایک مشہور شہسوار ابن قمیہ لیثی نے یکایک ان پر حملہ کیا اور ان کو جام شہادت پلا دیا۔ مصعبؓ بن عمیر شکل و شباہت میں بہت کچھ داعی دین ہدیٰ سے مشابہ تھے اس لیے ابن قمیہ لیثی کو کامل یقین تھا کہ اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے جوش مسرت میں آ کر ایک بلند چٹان سے آواز دی کہ میں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے الفاظ سن کر مشرکین مکہ کے اور بھی حوصلے بڑھ گئے لیکن یہی الفاظ مسلمانوں کے دلوں میں دو شاخہ تیر کی طرح لگے۔ اسلامی لشکر میں ایک عام سنسنی اور بدحواسی پھیل گئی لیکن بہت سے عالی حوصلہ اور بلند ہمت لوگ ایسے بھی نکلے جنہوں نے اس جانگسل واقعہ سے ہمت و شجاعت کا درس لیا اور یہ کہتے ہوئے کہ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا گئے ہیں تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ تلواریں سونت کر دوگنے جوش اور ولولے سے کفار پر ٹوٹ پڑے اور بے تحاشا قتل کرنا شروع کر دیا۔

ساقی کوثر زندہ ہیں:۔

شمع محمدی کے پروانے جان توڑ کر لڑ رہے ہیں لیکن نگاہیں اس چراغ عالم افروز نہ

کو ڈھونڈ رہی تھیں جس کی حیات افروز شعاعوں سے ان کے شبستان دل میں روشنی تھی سب سے پہلے کعب بن مالک کی چشم تمنائی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور انور کی صورت زیبا کی دید سے شرف یاب ہوئی۔ اس نے بے اختیار ہو کر جوش مسرت سے نعرا مارا کہ اے سرشاران بادہ توحید افسردہ دل نہ ہو ساقی کوثر زندہ ہیں۔ اس کے بعد حضور اقدس نے بھی آواز دی کہ اسے مجاہدین حق میں خدا کا رسول ادھر ہوں میری طرف آؤ۔

جنگ کا نیا مرکز:۔

اس آواز نے مشرکین کو بھی بتا دیا کہ داعی حق کہاں ہیں اور حضور انور کے جاں نثاروں کے ساتھ وہ بھی آپ کی طرف یکبارگی پورے جوش و خروش سے ٹوٹ پڑے اور وہ جگہ جہاں آپ جلوہ فرما تھے جنگ کا مرکز بن گئی اور پورے دراز شمشیر بہادروں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فرزندان توحید کو جام شہادت پلانے کے حوصلے نکالنے شروع کر دیے۔

حضور انور پر قاتلانہ وار:۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے آگے بڑھ کر حضور پر قاتلانہ وار کیا آپ نے ڈھال پر روکا پھر بھی آپ کا رخسار مبارک گلگوں ہو گیا اتنے میں ایک اور کافر ابن قمیہ جو قاتل مصعب بن عمیر نے پوری ہمت اور جوش سے آگے بڑھ کر حضور انور پر وار کیا جس سے آپ کی خود کی دو کڑیاں چشم مبارک کے چہرہ کی ہڈی میں گھس گئیں۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے بصد مشکل اپنے دانتوں سے ان کڑیوں کو چہرہ مبارک سے نکالا اس کوشش میں ابو عبیدہ کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔

عفو و کرم کا فقید المثال مظاہرہ:۔

زخموں سے چور ہو کر حضور اقدس نے مخالفین اسلام اور اپنے جان لیوا دشمنوں

کے حق میں بددعا نہیں فرمائی بلکہ اس وقت بھی جب آپؐ کے چہرہ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور چاروں طرف ساون کے بادلوں کی طرح تلواریں برس رہی تھیں آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہی الفاظ نکلے اور بصد حسرت نکلے کہ وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی برحق کو صرف اس لیے شمشیر خارا شگاف کے گھاٹ اتار دینا چاہتی ہے کہ وہ انہیں صنم پرستی، انسان پرستی اور توہم پرستی کی سہ گانہ زنجیروں سے آزاد کر کے ایک ہی خدائے وحدہ لاشریک کی محبت کی عالمگیر زنجیر میں جکڑ دینا چاہتا ہے اس کے تھوڑی دیر بعد آپ کے اعماق روح سے یہ صدا اُٹھتی ہے اور یہ الفاظ کا جامہ پہن کر آپ گویائی پر آتی ہے ''اے خدائے حکیم و بصیر اے رب قدیر میری قوم نادان ہے یہ تیرے اور تیرے نبی کے رتبہ کو نہیں پہچانتی تو اسے ہدایت کا نور عطا کر۔

شمع محمدی کے چند ایک پروانے:۔

سب سے زیادہ اثر انداز واقعہ اس نفسا نفسی کے وقت کا وہ جاں نثاری اور جانبازی ہے جس کا رنگین و روشن ثبوت صحابہ کرام نے اس وقت دیا جب دشمن چاروں طرف سے ان کے رہبر اعظم اور نبی برحق کو گھیرے ہوئے تھے۔ حضرت ابو دجانہ آپ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے تاکہ کفار کے تیر آپ کے منہ پر لگیں پشت کر کے اس لیے کہ تیر اندازوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے میں شاید فطرت انسانی کے تقاضا سے مجبور ہو کر جھک جائیں اور مبادا حضور کو کوئی تیر جا لگے۔ آپؓ کی پشت تیروں سے چھلنی ہو گئی مگر آپ نے حضور اقدس کی طرف سے منہ نہ موڑا۔ سعد ابن وقاص، عبدالرحمن ابن عوف، زبیر ابن العوام، حضرت ابو طلحہ وغیرہ حضرات نے بھی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آپ کی حفاظت کی۔

زیاد بن سکن رضؓ ایک جاں نثار صحابی آپ کی حفاظت کرتا ہوا بمعہ اپنے پانچ ہمراہیوں کے شہادت کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوا حضرت ابو طلحہ نے دشمنوں کی تلواروں کے وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے بچائے رکھنے کے لیے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا حتیٰ کہ آپؓ کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہو گیا آفریں اور صد آفریں ہے اس

صبر و استقلال پر کہ پھر بھی اپنے محبوب و مطاع پیغمبر کی خدمت سے منہ نہیں موڑا حضرت عمارہ بن زیاد بھی آپ کی حفاظت کے لیے پروانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

ایک خاتون اسلام کی بہادری :۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے جو معرکہ حق و باطل دیکھنے کے لیے آئی تھیں جب دیکھا کہ کفار کا طوفان بے تمیزی شمع محمدی کو بجھا دینے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہے تو تلوار کھینچ کر جوش عقیدت اور رفرط محبت سے آپؐ کی حفاظت کے لیے لپکیں اور ابن قمیہ لیثی پر پے درپے کئی وار کیے لیکن وہ سخت جان دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے بہادر خاتون اسلام کی تلوار جوہر دار کے وار سے محفوظ رہا۔ البتہ اس نے شمشیر خوں نشان کے ایک وار سے اس دختر توحید کا بازو شانے کے پاس سے زخمی کر دیا۔

حضور کے دندان مبارک کا شہید ہونا :۔

جب خرنخوار اور وحشی درندے فرزندان توحید کی تکا بوٹی کر دینے کی کوشش میں مصروف تھے ایک کافر نے دور سے ایک پتھر پھینکا جس سے حضور اقدس کے لب زخمی ہوئے اور نیچے کے دو دندان مبارک شہادت پا گئے، ضرب شدید کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک میں تعرش ہوئی اور آپؐ ایک گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علی رضؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ نے آپؐ کو گڑھے سے باہر نکالا۔

اُحد کی چوٹی پر :۔

اب جاں نثاروں کی ایک مختصر سی جماعت داعی حق اور مجاہدین اسلام کے قائد اعظم کے گرد جمع ہو چکی تھیں اور مشرکین مکہ کے حملے بھی سست پڑ چکے تھے آپ نے اپنے جانباز بہادروں کو اشارہ کیا کہ پہاڑی پر چڑھ چلیں چنانچہ یہ تجویز نہایت کامیاب ہوئی ابوسفیان

اور اس کے طاغوتی لشکر نے تعاقب کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے مسلمانوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ ان کو پہاڑی پر چڑھنا دشوار ہو گیا جو مسلمان ایک بار شکست یافتہ کفار کے دوبارہ اچانک حملہ سے بدحواس ہو کر منتشر ہو گئے تھے وہ سب موقعہ پا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے شروع ہو گئے۔ اب کفار کے حملہ کرنے کی رہی سہی قوت بھی مفقود ہو گئی۔

جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں:۔

ایک کافر ابی ابن خلف حضور اقدس کو شہید کرنے کا عزم بالجزم کر کے بہت جوش و خروش اور بڑے بلند بانگ دعووں کے ساتھ آپ کی طرف بڑھا آپؐ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو آگے آنے دو۔ مزاحمت مت کرو۔ کافر تلوار چمکاتا ہوا آپ کے نزدیک آپہنچا تو آپ نے ایک صحابی حارث بن صمہؓ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کی گردن کی پیچھے کی ہڈی ہسلی میں مارا۔ زخم کاری نہ تھا لیکن اسی زخم سے وہ بزدل کچھ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگا کہ منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا بزدلی کے اس عدیم النظیر مظاہرہ کا مشرکین نے بھی مضحکہ اڑایا اسی زخم سے وہ اپنے وطن یا لوٹ مکہ معظمہ کے راستہ میں فوت ہو گیا۔ داعی رحم و کرم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ہنگامہ خیز زندگی میں ایک ہی شخص ہے جو آپؐ کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا ہے۔

گرماگرم اور دلچسپ مکالمہ:۔

اب کفار کی حملہ آوری کے تمام حوصلے پست ہو چکے تھے لپسا ہونے سے پیشتر ان کے سردار ابوسفیان نے بلند آواز سے مسلمانوں کو مخاطب کر کے پوچھا کیا تم لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے؟ ارشاد نبوی کے مطابق صدائے برنخاست ابوسفیان نے پھر دریافت کیا تم میں ابوبکرؓ (صدیق) بھی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا گیا۔ ابوسفیان نے پھر بلند آواز میں سوال کیا تم میں عمر بن الخطابؓ

بھی موجود ہے؟ جب اس سوال کا بھی کوئی جواب نہ ملا تو ابو سفیان نے جوش مسرت سے اچھل کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ بہادران قریش کی تلوار کے گھاٹ اتر چکے حضرت عمر بن الخطاب کو یہ الفاظ سننے کی کب تاب تھی اس نے چلا کر کہا " اے دشمن خدا یہ سب لوگ زندہ ہیں اور جلدی تیرے گلے میں رسوائی اور ذلت کا طوق ہوگا یہ الفاظ سن کر ابو سفیان پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے نعرا مارا ہبل کی جے۔ فرزندان اسلام نے ارشاد نبوی کے مطابق اللہ بزرگ و برتر ہے کے نعرے مارے احد کی پہاڑی گونجا دی ابو سفیان نے کہا ہبل ہمارا صنم ہے تمہارا نہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمر بن الخطاب نے جواب دیا کہ اللہ ہمارا ولی ہے تمہارا نہیں ہے اس کے بعد ابو سفیان کہنے لگا " اب تو ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہو گئے تم میدان بدر سے مظفر و منصور گئے ہم میدان احد سے فتح یاب ہو کر جا رہے ہیں۔

ارشاد نبوی کے مطابق عمر بن الخطاب نے جواب دیا " کہ تم مظفر و منصور ہو کر تو تب جاتے اگر اسیران جنگ یا مال غنیمت تمہارے ہمراہ ہوتا یا کم از کم ہم میدان کارزار سے فرار کر دیا ہوتا ہم تو تمہارے سامنے اب بھی دو ہاتھ دکھانے کے لیے ہمہ تن آمادہ بیٹھے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ ہمارے لشکر سے زیادہ لوگوں نے شہادت پائی ہے یہ تو جنگ کے روزمرہ کے واقعات میں سے ایک معمولی بات ہے پھر مقتولین تعداد کے نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو تم ہمارے برابر نہیں ہوئے کیونکہ تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں اور ہمارے جنت میں "۔ ابو سفیان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر کے بعد کہا اگلے سال پھر میدان بدر میں ہمارا مقابلہ ہوگا۔ حضور اقدس کے حکم سے عمر بن الخطابؓ نے جواب دیا کہ اچھا ہمیں یہ بات منظور ہے۔ اس کے بعد ابو سفیان وہاں سے چلا گیا۔

لشکر کفار کی روانگی کا نظارہ :۔

اسلام کے دشمن ازلی سردار کفار ابو سفیان کے پیٹھ موڑنے کے بعد حضور انور نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جا کر قریش کی روانگی کا نظارہ دیکھو اگر تو انھوں نے اونٹوں پر

کجاوے کس لیے اور گھوڑے کوتل رکھے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ کو جا رہے ہیں لیکن اگر انھوں نے اونٹوں پر کجاوے نہ کسے اور گھوڑوں پر سوار ہوئے تو بلاشبہ اس کا مطلب یہی ہو گا کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ موخرالذکر صورت میں ہم ان پر ابھی حملہ کر دیں گے اور ان کو شہر تک پہنچنے کا موقعہ ہی نہ دیں گے۔ ارشاد نبوی کی تعمیل میں حضرت علیؓ مشرکین مکہ کی روانگی کا نظارہ دیکھنے کے لیے گئے اور تھوڑی دیر میں آکر بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کفار نے اونٹوں پر کجاوے کس لیے ہیں اور گھوڑے کوتل رکھے ہیں اب مجاہدین حق نہایت اطمینان سے پہاڑی پر سے اترے اور میدان جنگ میں شہداء کی لاشیں دفن کرنے کے لیے پہنچے

اسلامی لاشوں کی بے حرمتی

کفار نے اسلامی مجاہدوں کی لاشوں کی بہت بے حرمتی کی تھی بہت سی لاشوں کے پرزے پرزے کر دیے تھے امیر حمزہ کے مثلہ کرنے کا دردناک حال پہلے بیان ہو چکا ہے مجاہدین حق نے منصب شہادت پانے والے شیر دل فرزندان توحید کو مجبوراً[1] بلا غسل ہی ایک ایک قبر میں دو دو کر کے دفنا دیا اور دعائے مغفرت پڑھ دی۔

ایک خاتون اسلام کا بے نظیر صبر

زبیر بن العوام کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں اپنے حقیقی بھائی حضرت حمزہ کی لاش کو دیکھنے کے لیے آئیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاشیہ خیال میں گذرا کہ عورتوں کے دل مردوں کی نسبت بہت زیادہ حساس اور نازک ہوتے ہیں۔ حضرت صفیہؓ اپنے حقیقی بھائی کی لاش کی اس بے دردی سے بے حرمتی کی ہوئی دیکھ کر تاب شکیبائی نہ لا سکیں گی اور نوحہ کر کے دوسروں کو بھی خون کے آنسو رلائیں گی اس لیے آپ نے حکم دیا کہ صفیہؓ کو لاش کے پاس جانے سے روکا جائے مگر حضرت صفیہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا

[1] مجبوراً نہیں بلکہ ایسا ہی حکم ہے۔ عبداللہ عفی عنہ

کہ یہ بات مجھے پہلے ہی معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے۔ ہیں کلیجے پر صبر کی سل رکھتی ہوں میں توجہ کرتے نہیں آئی بلکہ لاش کو دیکھنے کے لیے آئی ہوں یہ سن کر حضورِ انور نے اجازت دے دی۔ صفیہ رضہ نے لاش کو دیکھا اور صبر کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا دعائے مغفرت کی اور واپس چلی آئیں آہ اس نازک جسم میں کتنا مضبوط دل تھا۔

عورت کو شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے:۔

احد کے خونیں میدان سے مجاہدین حق مدینہ کو واپس آرہے تھے کہ راستہ میں اسلامی لشکر کے علمبردار مصعب بن عمیر کی بیوی حمنہ بنت جحش ملیں ان کو ان کے ماموں حضرت امیر حمزہ کی شہادت کا حال سنایا گیا انہوں نے انا للہ پڑھ کر صبر کیا پھر ان کے بھائی عبداللہ بن جحش کا جانگسل واقعہ بتایا گیا انہوں نے انا للہ پڑھا دعائے مغفرت کی اور صبر اختیار کیا پھر ان کے شوہر مصعب بن عمیر رضہ کی شہادت کی روح فرسا خبر دی گئی اب حمنہ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ زار و قطار رونے لگیں یہ دردناک نظارہ دیکھ کر حضورِ انور نے فرمایا ایک دفا شعار عورت کے دل میں شوہر کی محبت اور سب رشتہ داروں کی محبت سے زیادہ ہوتی ہے۔

حبِ رسولؐ پر سب کچھ نثار:۔

آگے چل کر ایک عفیفہ ام سعید نامی ملیں ان کو ان کے باپ کی شہادت کی خبر دی گئی انہوں نے انا للہ پڑھ کر صبر کیا مگر بے تاب ہو کر پوچھا کہ یہ تو بتاؤ رسول اللہ صحیح سلامت ہیں اس کے جواب میں ام سعید کو اس کے بھائی کی شہادت کا حال سنایا گیا انہوں نے انا للہ پڑھ کر صبر کی سل چھاتی پر رکھی لیکن بے قرار ہو کر رسول اللہ کی خیریت کی خبر پوچھی اس کے جواب میں اس کے لختِ جگر سعید کی شہادت کا دلسوز واقعہ بتایا گیا انہوں نے اسے بھی نہایت استقلال و صبر سے سن لیا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اسی طرح بیتاب تھیں اس کے بعد اس کے سرتاج کے جنت داخل ہو جانے کا ذکر کیا گیا شوہر کی مرگ کا

دردناک ذکر سن کر بھی اس عفیفہ نے صبر و ضبط کا گوشہ دامن نہ چھوڑا لیکن حضور رالنور کا حال دریافت کرنے کے لیے بے تاب رہیں اتنے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ روشن نظر آ گیا اس عفیفہ کی آنکھوں میں اک نئی چمک پیدا ہوئی چہرہ پر دفور مسرت سے اک نیا رنگ آ گیا اور پکار اٹھی۔ رسول کریم کے ہوتے ہوئے سب مصائب و نوائب ہیچ ہیں۔ یہ تھی فرزندان توحید اور دختران اسلام کی محبت رسول جس کی برکت سے وہ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب و کامران تھیں۔

ایک مار آستین منافق :۔

ایک شخص حارث بن سوید نامی حامی دین متین بن کر لشکر اسلامی کے ہمراہ آیا مگر ہنگامہ کارزار گرم ہونے پر دو مجاہدین حق مخدر بن زیاد اور قیس بن زید کو جام شہادت پلا کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھوڑے دنوں بعد ہی مدینہ میں پہچانا گیا اور گرفتار ہو کر عثمان بن عفان کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

غزوۂ حمراء الاسد :۔

مجاہدین حق کے قائد اعظم اگلے ہی دن مدینہ منورہ سے سرشاران بادہ توحید کو اپنی معیت میں لے کر آٹھ میل کا سفر طے کر کے حمراء الاسد میں پہنچ کر قیام پذیر ہوئے۔ اس لشکر میں صرف وہ تجربہ کار اور آزمودہ فرزندان اسلام شامل کیے گئے تھے جو میدان احد میں اپنی وفاداری اور جاں نثاری کے کارہائے نمایاں دکھا چکے تھے کیونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کوئی حارث بن سوید منافق مجاہدین حق کے زمرہ میں شامل ہو کر آڑے وقت میں کام آنے کی بجائے نقصان عظیم کا باعث ہی نہ ہو۔ حمراء الاسد میں اسلامی لشکر نے تین دن قیام کیا حسن اتفاق سے ایک شخص معبد بن ابی معبد خزاعی مکہ کو جا رہا تھا اس نے دیکھا کہ غالباً اسلامی لشکر قریش مکہ کے تعاقب میں پڑاؤ ڈالے پڑا ہے ادھر روحاء کے مقام پر جا کر مشرکین مکہ کی خونخواری کے ارادے از سر نو زندہ ہو گئے انہوں نے اپنے دلوں میں سوچا کہ ہم کس منہ سے مکہ والوں

کو جا کر کہیں کہ ہم فتح یاب ہو کر آئے ہیں مسلمان اسیرِ جنگ ہمارے ساتھ نہیں مالِ غنیمت ہمارے ہاتھ نہیں لگا اس پر مستزاد یہ ستم کہ ہمارے ہاتھوں مسلمانوں کے تو پانچ چھ قابلِ ذکر بہادر ہی شہادت کے گھاٹ اترے ہیں مگر ہم ستر بڑے بڑے مشہور سرداران قریش قتل کرا آئے ہیں یہ سب باتیں سوچ کر قریش نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا اتنے میں معبد بن ابی معبد خزاعی آ پہنچا اس نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ مسلمانوں کا لشکر تمہارے تعاقب میں آ رہا ہے میں نے حمراء الاسد میں ان کو قیام پذیر دیکھا ہے اس خبر کے سنتے ہی مشرکین بدحواس ہو کر بھاگے اور مکہ جا کر ہی دم لیا ادھر جب لشکرِ اسلام میں کفار کے فرار ہو جانے کی خبر پہنچی تو وہ نہایت اطمینان سے مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

ہجرت کے دوسرے سال کے قابلِ ذکر متفرق واقعات:۔

۱۔ اسی سال کی پندرہ رمضان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور والد بزرگوار شیرِ خدا حضرت علی رض تھے۔

۲۔ اب تک یہ عام دستور رہا تھا کہ مسلمان حسبِ خواہش کسی مشرکہ عورت سے بھی نکاح کر سکتے تھے۔ لیکن اس سال اس قسم کی مناکحت کو ناجائز قرار دیا گیا۔

۳۔ آیتِ میراث بھی اسی سال نازل ہوئی جس میں ذوی الارحام کے حقوق کو بالتفصیل بتایا گیا ہے۔

۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بی بی حفصہؓ سے اسی سال ہوا بی بی حفصہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی صاحبزادی تھیں اور پہلے ابن حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں ابن حذیفہ جنگِ بدر میں شہادت پا گئے تھے اس لیے اب ان کو کاشانۂ نبوی میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان سے اسی سال ہوا۔

ہجرت کا چوتھا سال

مسلمانوں کی کفار سے سات لڑائیاں

یہ ایک عالم آشکارا حقیقت ہے جس کی تفصیل کی اس جگہ چنداں ضرورت نہیں کہ اقطاع عرب کے تمام قبائل بجز ایک دو کے اسلام کے شدید ترین دشمن تھے اور شب و روز زنداں توحید کا نام و نشان تختہ دنیا سے نیست و نابود کر دینے کے خواب دیکھ رہے تھے ان کی استبداد نوازیاں اور ستم رانیاں ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی تھیں جن کے دل نور اسلام سے جلوہ زار صد طور بنے ہوئے تھے اور جن کی مقدس پیشانیاں اک خدائے وحدہ لاشریک کے آستانہ جلال و جبروت پر سجدہ ریز ہونے کے سوا دنیا کی کسی متشدد سے متشدد اور قاہر سے قاہر طاقت کی چوکھٹ پہ جھکنے کے خیال کو بھی سرپائے استحقار سے ٹھکرا تی تھیں آداں باطل پرست لوگوں نے وحدانیت و روحانیت کے علمبردار پیغمبر کے فرق مبارک کو تن مقدس سے جدا کرنے کے لیے بیش بہا اور گرانقدر انعام مقرر کیے۔ ان جہالت کے مجسموں نے ان روشن ضمیر اور پاک منش ہستیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا جو تہذیب و تمدن کے پاکیزہ ترین اصولوں اور اخلاق و شائستگی کے بہترین قوانین کو ملک کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں رواج دینا چاہتی تھیں حق و باطل کے سب سے پہلے معرکہ جنگ بدر میں جب تین سو تیرہ مجاہدین حق کی بے سروسامان جمعیت باطل پرستوں کے ایک ہزار کے کیل کانٹے سے پوری طرح لیس طاغوتی لشکر کے دراز شمشیر بہادروں کے مقابلے میں مظفر و منصور ہوتی تو ایک دفعہ حق کی صدا سے باطل پرست دل سینوں کے اندر دھلنے لگ گئے اور مسلمانوں کی شجاعت و بسالت کا سکہ ہر دل پہ رواں ہو گیا یہ بات مخالفین اسلام کے دلوں پہ ایک نقش حقیقت بن کر ثبت ہو گئی کہ ع یہ غازی مسلمان

سے ہے پر خاش قضا سے۔ مگر قابل صد افسوس ہے چند سر پھرے مسلمانوں کی وہ بدنظمی اور غلط کاری جس کا مظاہرہ انھوں نے جنگ اُحد میں کیا اور جس کی وجہ سے میدان جنگ کا بالنس ہی اُلٹ گیا اور ایک دفعہ پھر معتدوں اور فتنہ پردازوں کو سر اٹھانے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ ہجرت کا چوتھا سال جنگ و جدال ہی کی ایک طویل داستان ہے اس سال مجاہدین حق کو سات دفعہ حفاظت حقوق اور صیانت دین کے لیے مخالفین اسلام کے خلاف صف آرا ہونا پڑا اور اس صف آرائی میں ملک کے امن و رافت کے خرمن سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں بجھانے کے لیے طرفین کے شمشیر زن بہادروں کا خون بہنا ضروری قرار پایا ان ساتوں جنگوں کی خونریز داستان ذرا طویل ہے صرف چند مشہور واقعات قلمبند کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سریۂ قطن :۔

تاریخ اسلام میں سریہ ایسی جنگ کا نام ہے جس میں مجاہدین حق کے قائد اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک نہ ہوں۔

محرم کی ابتدائی تاریخوں میں بارگاہ رسالت میں یہ خبر معتبر ذرائع سے پہنچی کہ قطن کے مقام پر قبیلہ بنی اسد کے بہت سے شریر النفس اور مفسدہ پرداز لوگ مسلح ہو کر مجتمع ہو رہے ہیں اور فرزندان توحید پر حملہ آور ہونے کی خونین تجاویز پر غور و خوض ہو رہا ہے۔ آپ نے باطل پرستوں کی اس شرارت کو فرد کرنے کے لیے ابوسلمہ مخذومی کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو مجاہدین حق کا ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا مگر کفار مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر ہی بدحواس ہو کر بھاگ گئے بعض دوسرے معتبر مورخ اس واقعہ کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسد کی مفسدہ پردازی کو دور کرنے کے لیے ابوعبیدہ ابن الجراح کی قیادت میں دو سو مجاہدین حق کا لشکر بھیجا گیا تھا قطن میں حق و باطل کا تصادم ہوا مگر باطل حق کی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا بنی اسد کے تمام بہادر دو گھنٹے کے اندر اندر مغلوب ہو گئے اگلے دن اسلامی لشکر فتح و نصرت کی خوشی میں اللہ اکبر کے

نعرے لگاتا ہوا مدینہ کو واپس ہوا اس جنگ میں تین مجاہدین حق نے شہادت کا منصب جلیلہ پایا اور تیس کافر جہنم واصل ہوئے اس کے بعد قبیلہ بنی اسد نے کبھی اسلام کی مخالفت نہیں کی اور نہ فرزندان توحید کے خلاف کسی خفیہ سازش میں حصہ لیا۔

متشدد کافر سفیان بن خالد کا قتل :۔

وادی عرفات کے قریب ایک مقام عرنہ ہے جہاں سفیان بن خالد ہذلی نامی ایک متشدد کافر رہتا تھا وہ شب و روز اسلام کو تختہ دنیا سے مٹا دینے اور فرزندان اسلام پر عرصہ حیات تنگ کر دینے کی تجاویز سوچنے میں مصروف رہتا تھا۔

ایک دفعہ بارگاہ نبوت میں یہ خبر پہنچی کہ وہ دشمن اسلام مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے کفار کا ایک لشکر ترتیب دے رہا ہے جب حضور اقدس کو اس خبر کی معتبر ذرائع سے تصدیق ہو گئی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اگر سفیان بن خالد کی خون آشام کوششیں چند روز اور جاری رہیں تو وہ دن دور نہیں جب ریگستان عرب کے ذرے کتنی ہی معصوم ہستیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائیں گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس فتنہ و فساد کی جڑ کو ہی کاٹ دیا جائے آپ نے عبداللہ بن انیس کو اس اہم فرض کی بجا آوری پر مجبور فرمایا۔ عبداللہ بن انیس دن کو کفار کی نگاہوں سے چھپ کر گھر بیٹھے رہتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے عرنہ پہنچ کر اس فرزند اسلام نے اس ہوشیاری سے اس کافر کا سر تن سے جدا کیا کہ کوئی شخص آپ کو گرفتار نہ کر سکا۔ اٹھارہ دن کے بعد یہ مسلمان بہادر واپس مدینہ پہنچا اور سفیان بن خالد کا سر حضور اقدس کے قدموں میں ڈال دیا۔

رجیع کا پر فریب ظالمانہ واقعہ :۔

کفار کے ظلم و ستم نے کشت اسلام کو اپنے فتنہ و فساد کی چنگاریوں سے نذر آتش کرنے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا لیکن اب تک ان کو کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا مجاہدین حق کے دراتہ شمشیر بہادروں نے باطل پرستوں کی تمام

معاندانہ کارروائیوں کو خاک وخون میں ملا دیا تھا اس لیے اب انھوں نے سوچا کہ کسی طرح مکر وفریب کا جال بچھا کر مسلمانوں کو اس میں پھانسنا چاہیے آخر ذہن رسا لڑ گیا (صد لعنت وپھٹکار بریں ذہن رسنا) قریش مکہ نے قوم عضل وکارہ کو اپنے فریب کار مقصد کے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنا آلہ کار بنایا۔ تجویز یہ تھی کہ چند باطل پرست بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں اور برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں جب دربار نبوی میں ان کا اعتبار قائم ہو جائے تو اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے بہانے سے کچھ اسلامی مبلغ لے آئیں اور پھر ان کو تہہ تیغ کر دیں یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی اور عضل وکارہ کے دس آدمی مکر وفریب کا دام اپنے کندھوں پر رکھ کر مسلمانوں کو پھانسنے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

مکر وفریب کا جادو چل گیا۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قریش کی مکارہی کی تجویز کامیاب ہوئی اور عضل وکارہ کے فریب کار لوگوں کے مکر وفریب کا جادو چل گیا۔ سردار کائنات مجسم رحم وکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کو رشد وہدایت کے لیے تڑپتے ہوئے سمجھ کر دس مبلغین اسلام کو ان طالموں کے ساتھ روانہ کر دیا جب یہ ریاکار لوگ رجیع کے قریب پہنچے تو ان میں سے ایک شخص آہستہ سے کھسک گیا اور دو سو باطل پرستوں کو مسلح کر کے لے آیا تاکہ ان فرزندان توحید کی تکا بوٹی کر دیں مسلمان بھی تلواروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے تھے قریب کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور مدافعت کے لیے جانستان تلواریں نیاموں سے باہر نکال لیں کفار نے معاملہ بے ڈھب کرتے دیکھ کر ایک اور پہلو بدلا اور ان فرزندان اسلام کے سردار عاصم بن ثابت کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم نے تو تمہاری شجاعت وبسالت کے جذبہ کا امتحان کرنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا تھا ورنہ ہمارا مقصد جنگ آزمائی نہ تھا۔ لیکن سردار عاصم بن ثابت کے دودھ کے دانت نہ تھے کہ ان طفل تسلیوں کے دام میں آجاتا اس نے پہاڑی پر سے اترنے سے صاف انکار کر دیا کفار نے پھر یقین دلایا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ

ہمارا مقصود جنگ آزمائی ہی تھا پھر بھی ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں تم نیچے اتر آؤ۔ عاصم بن ثابت نے کہا کہ میں باطل پرستوں کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اب کفار نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔

مسلمانوں کی شہادت اور گرفتاری :۔

مسلمانوں نے بھی اپنی مدافعت کے لیے کوشش کی لیکن ایک رواں دواں طوفان کی حشر خیز موجوں کے سامنے چند عظیم الجثہ شہتیر بھی کب تک ٹھہر سکتے ہیں ایک طرف کیل کانٹے سے پوری طرح لیس شیطانوں کا جم غفیر تھا۔ دوسری طرف بے سروسامان مسلمانوں کے نقطہ ذیل آئی مگر آفریں ہے ان فرزندان توحید کی جوانمردی اور ہمت مردانہ پر کہ جب تک ان کے جسم میں خون کی آخری بوند بھی باقی تھی انہوں نے باطل پرستوں کے طاغوتی فوج سے پناہ نہیں مانگی بلکہ دم واپسیں تک صدائے حق بلند کرتے اور مدافعت کے لیے اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھاتے رہے۔ آخر ۸ مظلوم مجاہدین حق تو ان مشرکین خونخوار کی جانستان تلواروں کے گھاٹ اتر کر جنت الفردوس کی روح پرور بہاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے عالم جاودانی کو سدھار گئے اور دو نحیف الجثہ اور کمزور جسم لیکن شیر دل بہادر فرزندان توحید حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ ان ظالموں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان خونخوار بھیڑیوں نے وحشت اور درندگی کا جو ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک ان دو فرزندان توحید سے روا رکھا وہ اس قابل ہے کہ ہر انصاف پسند اور غیر متعصب غیر مسلم بھی اس پر تاقیام قیامت لعنت بھیجتا رہے اور جس عدیم النظیر شجاعت اور فقید المثال ہمت و بسالت کا مظاہرہ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ نے کیا وہ یقیناً اس لائق ہے کہ تاریخ عالم کے صفحات ہی میں سنہری حروف سے لکھا جائے بلکہ ہر جذبات سلیم رکھنے والا شخص اسے لوح دل پر ثبت کرے۔

قصہ دار ورسن کا اعادہ :۔

ے
عمر ہیست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

مشرکین نے ان دو نوں گرفتاران دام فریب کو مکہ میں لے جا کر دشمنان اسلام کے ہاتھ فروخت کیا۔ جنگ بدر میں حضرت خبیبؓ نے حارث بن عامر کو واصل جہنم کیا تھا اس لیے اسے اس کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے قاتل کا خوفناک انتقام لیں گے۔ حضرت زید کو صفوان بن اُمیہ نے جو ایک مشہور اور متشدد کافر تھا خرید لیا۔ دو مہینے تک تو یہ دونوں بزرگ مشرکین کے زندان بلا میں قید و بند کی سختیاں جھیلتے رہے آخر قتل گاہ میں لائے گئے تاکہ ان گردنوں کو جو خدائے قدوس کی شان معبودیت کا اقرار کرتی ہیں۔ جسم مقدس سے جدا کر دیا جائے۔

آزمائش کے نازک ترین لمحے :۔

بھاشا کے ایک شاعر کا قول ہے۔

ے
دھیرج دھرم متر اور ناری
آپت کال پرکھیے چاری

انسان کے حوصلے اور استقلال کی پختگی، مذہب کی پابندی، دوست کی وفاداری اور عورت کی محبت ان چاروں چیزوں کا امتحان مصیبت کے وقت ہوتا ہے۔ سرور کائنات فخر موجودات داعی حق حضرت محمد مصطفےٰؐ احمد مجتبےٰؐ کی حیات طیبہ کے دور کے مسلمانوں کو اگر اس معیار کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کے ایمان کی پختگی ہر انصاف پسند شخص کو داد دینے پر مجبور کرتی ہے " میں تختہ موت کو فرش گل سمجھتا ہوں " " مجھے صداقت کی قیمت پر زندگی خریدنے کی تمنا نہیں ہے " " میں مسلم ہوں اور موت میرے لیے جنت الفردوس کا پیغام عشرت لاتا ہے اس لیے میں قصہ دار و رسن کو ایک حیات بخش رنگین داستان سمجھتا ہوں "

ایسے بلند بانگ دعوے زبان سے کر لینا تو کچھ مشکل نہیں ہے مگر اس معیار پہ پورا اترنا اس وقت ذرا ٹیڑھی کھیر ہو جاتا ہے جب ایک طرف موت اپنے خون آشام دانت نکالے گھور رہی ہو اور دوسری طرف دنیاوی عیش و عشرت کا ساز و سامان اپنی سحر کاریوں سے دامن دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ ایسے آزمائش کے وقت میں جو بلند حوصلہ اور شیر دل بہادر اپنے جادہ صداقت سے لغزش نہ کرے وہ بے شک اپنے قول کا صادق اور اپنے اصول کا پابند ہے جب حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ پابجولاں قتل گاہ میں لا کر کھڑے کر دیے گئے تو یہ وقت ان کے لیے انتہائی آزمائش اور امتحان کا وقت تھا ایک طرف مشرکین مکہ ان دعویداران صداقت اسلام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے جان بخشی کے ساتھ عزت و دولت اور عشرت و اقتدار کا سامان وافر مہیا کر دینے کے وعدے کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنے ایمان پر پختہ رہنے کی صورت میں آنکھوں کے سامنے دار کی صورت تھی جگر شگاف نیزوں کی انیاں تھیں مگر اس صداقت پرستی اور ایمان پروری کے فقید المثال مظاہرے کو دیکھ کر کوئی سنگدل اور جذبات قدر دانی سے ناآشنا شخص بھی اتنا سنگدل اور ناقدر شناس نہ رہے گا کہ ان دونوں بہادران اسلام کے کوہ وقار استقلال کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نہ ہو شمع اسلام کے ان جانباز پروانوں نے دنیاوی عیش و اقتدار کے ساز و سامان کو اسلام کی قیمت پر خریدنے سے انکار کر دیا اور بصد خوشی دار پر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئے حضرت خبیب کو دار پر کھینچنے سے چند لمحے پیشتر پھر دریافت کیا گیا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہ کرو گے کہ تمہیں ہم زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے جیتا چھوڑ دیں اور تمہارے بجائے تمہارے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دار پر چڑھا دیں۔ حضرت خبیبؓ کے تن بدن میں یہ الفاظ سنتے ہی ایک آگ سی بھڑک اٹھی اس نے کچلے ہوئے سانپ کی طرح غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ یہ کیا بدتمیزی ہے اپنی زبان کو سنبھالو خدا کی قسم میں خود ہر قسم کی ذلت اور مصیبت برداشت کر لینے کو تیار ہوں لیکن اپنے رسول کریم کی شان اقدس کے خلاف ایک حرف بھی سننے کی برداشت نہیں رکھتا اور کسی قیمت پر یہ دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا کہ ان کو کسی قسم کا ذرا بھر آزار بھی پہنچے پھر تم مجھ سے کس طرح امید رکھ سکتے ہو کہ میں

نعوذ باللہ تمہاری اس ناپاک درخواست کو منظور کر لوں۔ ؎

من کوئے تو با ملک سلیمان نہ فروشم | خار و خس راہ تو بہ بستان نہ فروشم
روشن کنم از جلوہ نہاں خانہ دل را | حسن تو چہ آں یوسف کنعاں نہ فروشم
ہرگز نہ فراموش کنم لذت زخمش! | دل چیست خدنگے تو بصد جاں نہ فروشم
زنداں چو میسر شدم از کرم عشق! | با راحت فردوس بریں ہاں نہ فروشم

منت کش اغیار نہ باشم بہ رہ شوق
ہرگز خلش خار بیاباں نہ فروشم

اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے دار پر کھینچے جانے سے پیشتر دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی جو دے دی گئی۔ نماز ختم کرنے کے بعد حضرت خبیبؓ نے کہا نماز تو بہت دیر پڑھنے کے لیے دل چاہتا تھا مگر یہ خیال گذرا کہ تم یہ نہ کہو کہ موت سے ڈر کر حیلے بہانے کرنے میں مصروف ہے اس لیے جلد فارغ ہو گیا ہوں۔

بارگاہ رسالت میں حضرت خبیبؓ کا آخری سلام:۔

آخر مشرکین نے اس مقدس ہستی کو جس کا سینہ نور اسلام سے منور تھا خالص خدا پرستی کے جرم میں دار پر چڑھا ہی دیا۔ حضرت خبیبؓ نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا کفار کو یہ بات ناگوار گذری اس لیے انہوں نے زبردستی آپؓ کا رخ دوسری طرف پھیر دیا آپ نے کہا اچھا یوں ہی سہی جس طرف دل چاہے پھیر دو اس طرف اللہ موجود ہے۔

اس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور نہایت خضوع اور خشوع سے بارگاہ خداوندی میں دعا مانگی کہ یا خدا تو ہی میرا سلام اپنے حبیب تک پہنچائے۔ کیونکہ یہاں سب میرے دشمن ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو میری عقیدت کا پیام تیرے رسول تک پہنچا سکے۔ ؎

بجرم عشق تو مارا کشند و غوغا نیست | تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا نیست

سرورِ عالم کو خبیبؓ کا سلام پہنچ گیا:۔

سرورِ عالم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ پر وحی کے نازل ہونے کے آثار طاری ہوئے اور آپؐ نے زبانِ مبارک سے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ پھر آپ نے سب لوگوں کو جو وہاں موجود تھے بتایا کہ کفار نے اس وقت حضرت خبیب کو دار پر کھینچ دیا ہے۔ روح الامین مجھ سے اس کا سلام کہنے آئے تھے۔ بعد میں چند آدمی قتل گاہ خبیب سے واپس آئے تو ان سے تصدیق ہو گیا کہ حضرت خبیبؓ کو سولی پر چڑھانے کا وقت وہی تھا جب حضور انور کو آپ کا سلام پہنچا تھا۔

حضرت خبیبؓ کا واصل جنت ہونا:۔

خونخوار مشرکین نے خبیب کو دار پر لٹکا کر اپنے سینہ شگاف نیزوں کی انیوں سے اس فدائے اسلام کا جسم مبارک چھیدنا شروع کر دیا اسی حالت میں دنیا سے اسلام کا یہ بہادر ایمان پرست مسلم جان بحق تسلیم ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت زید کا جسم مبارک دار پر:۔

حضرت زید کو بھی حضرت خبیبؓ کی طرح مشرکین نے اسلام کے پاک اور درخشاں مذہب سے برگشتہ کرنے کی حتی الوسع پوری پوری کوشش کی لیکن اس ایمان پرست فرزند اسلام نے بھی اپنے پیشرو کی طرح اپنے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آنے دی اور تختہ موت کو پھولوں کی سیج سمجھ کر ہنستا ہنستا سولی پر چڑھ گیا۔ ایسے بہادر اور مستقل مزاج انسانوں کی قابل رشک کارگذاریوں اور سرفروشیوں کی گرمی یاد سے ہی افسردہ دلوں اور منجمد روحوں میں حیات کا شعلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

روحِ انسان زندہ تر ہے عشق کے آزار سے
بزم گیتی کو بقا ہے عاشقانِ زار سے،

ستر مبلغین اسلام کی شہادت :۔

عرب کا ایک سردار ابو براء عامر بن مالک اتفاق سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا حضور پر نور نے دعوت توحید دی اس نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ اس کی تمام قوم بھی مشرف بہ اسلام ہو جائے کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کی مخالفت سے خوف زدہ تھا اس کی قوم کے دلوں کو نور اسلام سے منور کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ حضور پر نور گمراہوں کو صراط مستقیم دکھانے کے لیے مبلغین اسلام ابو براء عامر بن مالک کے ساتھ بھیج دیں آپ کو قوم عضل و کارہ کے دام فریب نے دشمنان اسلام قبائل میں مبلغ بھیجنے کا تلخ تجربہ کرا دیا تھا اس لیے آپ نے بہت کچھ تامل کیا مگر ابو براء عامر نے وعدہ کیا کہ آپ مجھ پر پورا پورا بھروسہ کریں میں آپ کے آدمیوں کو اپنی پناہ میں لوں گا۔ مگر افسوس اس کا وعدہ کچھ نہ کر سکا بیر معونہ پہنچنے پر ابو براء کے بھتیجے عامر بن الطفیل نے ستر مبلغین اسلام تہ تیغ کرا دیے جو آپ نے اشاعت و ترغیب اسلام کے لیے منذر بن عمر کی قیادت میں بھیجے تھے۔ ابو براء عامر اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا چند روز میں ہی رنج و غم کی وجہ سے راہی ملک بقا ہوا اس کا ظالم و ستمگر بھتیجا بھی ایک مہینہ کے اندر اندر ہی طاعون کی بلا میں گرفتار ہوا اور راہی دوزخ ہوا۔

ایک خون آشام غلطی :۔

حضور پر نور نے جو مبلغین اسلام ابو براء عامر بن مالک کے ساتھ بیر معونہ کو بھیجے تھے ان کی تعداد ستر تھی باقی تمام لوگ تو تہ تیغ کر دیے گئے تھے صرف ایک شخص۔۔۔۔۔ عمر بن امیہ ضمری جیتا چھوڑا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ عامر بن الطفیل کی۔۔۔۔۔۔ ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی اس منت دیرینہ کو پورا کرنے کی آرزو میں دشمن اسلام عامر بن الطفیل نے باقی مبلغین اسلام کے ساتھ اس کو قتل نہ کرایا تھا۔ بلکہ زیر حراست اپنے گھر لے گیا تھا اور وہاں سے اس کے چہرہ کے جان تراش کرا سے چھوڑ دیا تھا۔

عمرو بن امیہ ضمری نے اس ظالم کے پنجہ سے رہائی پاتے ہی مدینہ کا قصد کیا۔ راستہ میں اسے قبیلہ بنو عامر کے دو شخص ملے جس نے ان کو دشمن سمجھ کر جذبہ انتقام سے مشتعل ہو کر تہہ تیغ کر دیا یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مبلغین اسلام کو بنو عامر نے قتل نہیں کیا تھا۔

خون بہا دینا پڑے گا:۔

مدینہ پہنچ کر عمرو بن اُمیہ نے تمام مبلغین اسلام کو نہایت سنگدلانہ طریقہ پہ تہہ تیغ کر دینے کا پورا حال پر ملال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار کر دیا اور اپنی خون آشام کارگذاری کا ذکر بھی کر دیا آپ کو ستر فرزندان توحید کا یوں قتل ہو جانا بہت رنجدہ ثابت ہوا اور آپ کئی روز تک مغموم و ملول رہے۔ بنو عامر کے دو شخصوں کے قتل کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ تو ہماری پناہ میں تھے اور ہم سے عہد و پیمان کر گئے تھے۔ اس لیے خون بہا دینا ضروری ہے۔

یہودیوں کی فریب کار سازش:۔

مدینہ کے یہودی قبائل میں سے ایک سرکش و فتنہ گر قبیلہ بنو نضیر بھی بنو عامر کا ہم خون تھا۔ اس لیے حضور انور نے اس کے سرداروں سے مشورہ کرنا بھی ضروری سمجھا اور آپ خود بہ نفس نفیس ان کی بستی میں تشریف لے گئے آپ کے مشہور جان نثار حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے بنو نضیر کے سرکش و فتنہ گر لوگوں نے آپ کو بظاہر یقین دلایا کہ ہم خون بہا میں شرکت کریں گے اور ادھر ادھر لوگوں کو بلانے کے بہانے سے منتشر ہو گئے اور در پردہ وہ آپؐ کو جنت واصل کرنے کی تدابیر کرنے لگے آپؐ کو اپنے قلعہ کی دیوار کے زیر سایہ بٹھا دیا گیا تھا اس دیوار کے اوپر ایک بڑا بھاری پتھر موجود تھا اس لیے تجویز یہ ٹھہری کہ کوئی شخص قلعہ کی منڈیر پہ چڑھ کر اس پتھر کو ذرا نیچے کی طرف حرکت دیدے پس پھر داعی حق اور ان کے تینوں یار راہی ملک عدم ہوں گے اور اس سرزمین جہالت پر کوئی شخص خدا کا نام لیوا نہ رہ جائے گا اس خونناک اور ناپاک مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے

کے لیے ایک شخص عمر بن محاسن دیوار پر چڑھا ۔

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

عمر بن محاسن ابھی اپنے شرمناک ارادے کی تکمیل ہی نہیں کرنے پایا تھا کہ خدائے علیم وبصیر نے حضور اقدس کو وحی کے ذریعہ اس خوفناک سازش کا حال بتا دیا۔ آپؐ فوراً اس فریب گاہ سے اُٹھے اور مسجد نبوی کو چل دیے۔ یہودیوں نے آپ کو واپس بلانے کی کوشش کی مگر آپؐ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ تم نے خفیہ طور پر سازش کر کے ہم کو راہی ملک بقا کرنا چاہا ہے اس لیے ہم اب تم پر بھروسہ نہیں کرتے اس جواب پر بھی یہودیوں نے نہ اپنے جرم کا اقرار کیا اور نہ اس سازش سے انکار ہی کیا آپؐ نے مدینہ پہنچ کر یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ چونکہ تم نے پرانے عہدنامہ کا پاس نہیں کیا ہے اس لیے از سرِ نو عہدنامہ لکھو۔ لیکن یہودیوں نے عہدنامہ لکھنے سے قطعی انکار کر دیا۔ آپؐ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ اگر تم عہدنامہ نہیں لکھنا چاہتے تو حفظ امن کے لیے ہم تمہیں یہ حکم دینے پر مجبور ہیں کہ تم جلاوطن ہو جاؤ۔

یہودی خونریزی پر مستعد ہو گئے۔

یہودیوں نے جلاوطن ہونے سے انکار کر دیا اور خونریزی پر مستعد ہو گئے۔ حضور اقدس نے مجاہدین حق کے لشکر کے ساتھ ان پر چڑھائی کی اور ان کو قلعہ میں محصور کر لیا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی قلعہ میں ان کو اپنی وفاداری اور ہمدردی کا یقین دلاتا رہا کہ ہم ہر حال میں تمہارا ساتھ دیں گے اگر تم قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما ہو گے تو ہم بھی مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے میں دریغ نہ کریں گے اگر تم جلاوطنی اختیار کرو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے یہودیوں کے دلوں کو ان باتوں سے بہت تقویت پہنچتی رہی وہ پندرہ دن تک اپنے قلعہ میں محصور رہے آخر تنگ آ کر عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم ہماری جان بخشی کرا دو تو ہم جلاوطن ہو جائیں گے۔

جلاوطنی کا حکم مل گیا :-

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کا پیغام بارگاہ رسالت میں بھجوا دیا اور بڑے زور سفارش کی کہ ان کی جان بخشی کا فرمان جاری کر دیا جائے تو ان کو جلاوطن ہو جانے میں کوئی عذر نہ ہوگا آپ نے جان بخشی کا وعدہ کیا اور یہودیوں کو حکم دے دیا کہ اسلحہ آتش نشاں کے سوا تمام جائداد منقولہ جو اونٹوں پر بار ہو سکتی ہو جلاوطن ہوتے وقت تمہیں لے جانے کی اجازت ہے چنانچہ بنو نضیر نے محاصرہ سے نکل کر حضور کی شرط کے مطابق ساز و سامان اونٹوں پر بار کیا اور جلاوطن ہو گئے آپ نے ان سرکش و فتنہ گر یہودیوں کا بقیہ مال و جائداد اور ہتھیار مہاجرین میں تقسیم فرمائے ایک منتقد و کاج مفسدہ پردازوں کے فتنہ و فساد سے بھی چھٹکارا نصیب ہو گیا اور غریب الوطن مسلمانوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ لگ گیا۔ اگرچہ حضور انور یہودیوں سے از خود کبھی ایسا سلوک نہ کرتے اگر وہ ایسا کرنے پر مجبور نہ کیے جاتے مجبور کیے جانے پر بھی آپ نے ایسا کریمانہ اور مشفقانہ سلوک کیا ہے جس کی یاد سے اب بھی انسانی اخلاق میں ایک رفعت و بلندی پیدا ہوتی ہے۔ جنگ میں دشمنوں کو مغلوب کر لینے کے بعد کون غارت گری اور لوٹ مار سے باز رہ سکتا ہے مگر حضور انور نے کسی کی جان و مال سے تعرض نہیں کیا۔ ہتھیار اس لیے رکھ لیے گئے تھے۔ کہ آزاد ہو کر ابھی کوئی اور فتنہ برپا نہ کریں۔ تھوڑا ابت مال جو باقی رہ گیا تھا وہ تاوان جنگ سمجھ لیجیے۔ اس لیے ایسی صورت میں یہ سلوک انتہائی رحم و کرم کا ہے جو عربی تہذیب و تمدن کے لیے اس وقت ایک نئی بات تھی۔

غزوہ ذات الرقاع

دشمنان اسلام ہر طرف سے اس تاک میں لگے ہوئے تھے۔ کہ کب موقعہ ملے اور کب مسلمانوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ آپ کو ایک مہینہ بھی امن و آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا تھا

کہ معتبر ذرائع سے خبر پہنچی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ آمادہ جنگ ہیں۔ اور لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ آپؐ نے اس خبر کو سنتے ہی عثمانؓ بن عفان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود چار سو صحابہ کرامؓ کا لشکر لے کر ان تشنہ کامان خون فرزندان اسلام کی پیاس تلوار جوہر دار سے بجھانے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ مگر خوش قسمتی سے خونریزی کی نوبت نہیں آئی۔ مشرکین تاب مقاومت نہ لا کر منتشر ہو گئے۔ تاریخ میں یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کے نام سے اس لیے مشہور ہے کہ پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے مجاہدین حق کے پائے مقدس زخمی ہو گئے تھے۔ اور ان پر کپڑے کی دھجیاں لپیٹنی پڑی تھیں۔ رقاع کا غذ یا کپڑے کی دھجیوں کو کہتے ہیں۔

غزوہ بدر آخری

قارئین کرام گذشتہ اوراق میں مطالعہ فرما چکے ہیں۔ جنگ احد کے خاتمہ پر اسلام کے دشمن ازلی ابوسفیان نے مسلمانوں کو دھمکی دی تھی۔ کہ اگلے سال میدان بدر میں پھر ایک لشکر جرار کے ساتھ تمہارے جنگی حوصلے دیکھنے کے لیے آؤں گا۔ اور مجاہدین حق کے قائد اعظم نے ابوسفیان کے جواب میں وعدہ کیا تھا کہ فرزندان توحید کبھی باطل سے دب کر نہیں رہیں گے اگر تم خونریزی کے لیے آؤ گے تو ہم بھی تمہارے خلاف صف آرا ہو کر تمہیں اپنی قوت مدافعت کے جوہر دکھائیں گے۔ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اب وہ وقت آگیا تھا۔ کہ جنگ بدر پھر ایک دفعہ مادر گیتی کے فرزندوں کے خون سے لالہ زار بنے۔ مگر کارکنان قضا و قدر کو یہ خون آشامی منظور نہ تھی۔ اس لیے باطل پرستوں کے دل سینوں میں دہل کر رہ گئے اور تلوار کو نیام سے باہر نکالنے سے پیشتر ہی بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔

خط سے خالی رنگین لفافہ :۔

ابوسفیان خود تو ایک دفعہ اور میدان بدر کو شعلہ زار جنگ و جدال بنانے کے لیے جنگی سازوسامان کی فراہمی اور ایک لشکر جرار کی تیاری میں شب و روز مصروف رہنے لگا۔ اور نعیم بن مسعود کو جو ایک ہوشیار اور آتش بیاں شخص تھا اس کام پر مقرر کیا۔ کہ مدینہ میں جا کر اپنی قادر الکلامی کی وساطت سے لوگوں کے دلوں پہ یہ بات نقش کر دے کہ مکہ والوں نے جنگ کی اس قدر عظیم الشان تیاریاں کی ہیں کہ اس دفعہ بلاشک و شبہ مسلمانوں کے دانت کھٹے کر دیں گے اور پھر ان کو کبھی تاب مقاومت نہ ہو گی۔ ابوسفیان نے اس سے یہ بھی وعدہ کر لیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو اس قدر مرعوب کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ لشکر مکہ کے خوف سے مدینہ سے باہر قدم بھی نہ رکھیں تو اسے بیس اونٹ انعام میں دے دیے جائیں گے۔

مدینہ میں نعیم بن مسعود کی مبالغہ آرائیاں :۔

نعیم بن مسعود نے مدینہ میں آ کر اپنی مبالغہ آرائیوں سے لشکر قریش کی قوت و طاقت کی مسلمانوں کے دلوں پر دھاک بٹھا دی۔ کئی فرزندان اسلام خوف زدہ ہو گئے کہ اب ہماری خیر نہیں۔ حضور انور نے سب کو تسلی دی اور کہا کہ حق کو کبھی شکست نہیں ہوتی۔ شکست ہمیشہ باطل کو ہوتی ہے۔ حق پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ مظفر و منصور ہو کر رہے۔ اور باطل کی پیدائش ہی اس لیے ہوئی ہے کہ حق سے دب کر اور اس کے زیر نگین ہو کر رہے۔ تم اس طوفان گرد و باد کو دیکھ کر ہراساں کیوں ہو رہے ہو۔ اسلام ایسی شمع نہیں جو کسی تیز و تند ہوا کے جھونکوں سے بجھ سکے۔ یہ بھی خوب یاد رکھو کہ اگر تم میں سے ایک شخص بھی میری قیادت میں کفار کے مقابلے کو جانے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ میں تب بھی اپنے گذشتہ سال کے وعدہ کے مطابق تن تنہا شمشیر بکف ہو کر میدان بدر میں پہنچ جاؤں گا۔ حضور انور کی تسلی سے مسلمانوں کے دلوں کو بہت تقویت پہنچی اور وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو بیٹھے۔

ابوسفیان کا لشکر فرار ہو گیا :-

ابوسفیان کو یہ یقین تھا کہ مسلمان نعیم بن مسعود کی مبالغہ آرائیوں سے مرعوب ہو کر مدینہ سے باہر قدم بھی نہ رکھیں گے۔ مگر اس کا یہ اندازہ غلط نکلا۔ ایام جنگ آنے پر حضور انورؐ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو عامل مدینہ مقرر فرمایا اور خود ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) مجاہدین حق کا لشکر اپنی معیت میں لے کر میدان بدر میں کفار کے مقابلے کو جا پہنچے۔ کفار کا وہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ ابوسفیان دو ہزار (۲۰۰۰) شمشیر زن بہادروں کا لشکر لے کر مقام عسفان تک آیا تھا۔ مگر جب اسے وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہوا۔ کہ داعی حق ڈیڑھ ہزار کا لشکر اس کے مقابلے کو لیے بدر میں خیمہ زن ہیں تو وہ بدحواس ہو گیا۔ اس کا لشکر بھی مرعوب ہو گیا کیونکہ وہ اسی بدر میں ایک دفعہ پہلے مسلمانوں کے صف شکن حملے اور جانستان شمشیر زنی دیکھ چکے تھے اور ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے تین سو تیرہ (۳۱۳) بے سروسامان نوعمر اور کہن سال مجاہدوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسی میدان بدر سے بھاگ چکے تھے۔ جنگ احد میں بھی کوئی نام کر کے نہیں گئے تھے۔ اب تو لشکر بھی تقریباً برابر تھا۔ ان کو اپنی فتح و نصرت کا خیال خواب پریشان کی تعبیر کی طرح لغو اور لایعنی سا معلوم دینے لگا پس انہوں نے اپنا سامنہ لے کر واپس چلے جانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔

ستو پینے گئے تھے لڑنے نہیں :-

مکہ میں اس سال قحط سالی اور گرانی کا دور دورہ تھا اس لیے لشکر کے سامان خورد نی میں صرف ستو ہی تھے۔ اسی رعایت سے اس لشکر کا نام مکہ میں جیش السویق پڑا۔ جب قریش مسلمانوں سے معرکہ آرا ہوئے بغیر ہی واپس آگئے تو مکہ کی عورتوں نے ان کے لیے یہ طنزیہ فقرہ تجویز کیا۔ جو اس جنگ کے ذکر کے ہر موقعہ پر خواہ مخواہ دخل در معقولات کے طور پر بولا جاتا تھا۔ "تم تو ستو پینے گئے تھے لڑنے نہیں "

لشکر اسلام میں لشکر قریش کے فرار ہونے کی اطلاع :۔

لشکر اسلام آٹھ دن تک میدان بدر میں خیمہ زن رہا اور لشکر قریش کا نہایت بے تابی سے انتظار کرتا رہا۔ آٹھویں دن معبد بن ابی معبد خزاعی کے ذریعہ ابو سفیان کے لشکر کے فرار ہو جانے کی اطلاع پہنچی تو مسلمان اس طرف سے فارغ ہو کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

ہجرت کے چوتھے سال کے متفرق واقعات :۔

۱۔ تاجدار شہدائے اسلام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کتم عدم سے منصہ شہود پہ جلوہ گر ہوئے۔ جن کو یزید نے کربلا میں تشنہ لب شہید کیا۔

۲۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب رضؓ بنت خزیمہؓ نے انتقال فرمایا۔ آپؓ اسی سال حضور کے حبالہ عقد میں آئی تھیں۔

۳۔ عبداللہ بن عثمان ذو النورین رضؓ نے وفات پائی۔ ان کی آنکھ میں مرغ کا خار لگا تھا۔ تکلیف بڑھ جانے سے جانبر نہ ہو سکے۔ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔

۴۔ حضرت ام سلمہ رضؓ حبالہ عقد میں آئیں۔

۵۔ شراب کو حرام قرار دینے والی آیت نازل ہوئی۔ اس حکم الہیہ کے بعد مدینہ کے بازاروں میں شراب پانی کی طرح بہتی تھی کیونکہ سب فرزندان توحید نے ساغر و پیمانے اور صراحیاں توڑ کر شراب انڈیل دی تھی۔

ہجرت کا پانچواں سال

شام کی سرحد پر فتنہ وفساد

غزوہ بدر صغریٰ سے آنے کے بعد فرزندان توحید کو چھ سات ماہ چین نصیب ہوا۔ اور کسی طرف سے فتنہ و فساد کے شرارے نہیں بھڑکے۔ مگر آغاز ماہ ربیع الاول میں دیرینہ آگ پھر بھڑک اٹھی حضور انور کو اطلاع دی گئی کہ دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر بن الملک عیسائی ایک عظیم الشان لشکر کو لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہے اور نیز ان قافلوں پر بھی ہاتھ صاف کرتا ہے۔ جو شام کی طرف بغرض تجارت جاتے ہیں۔ آپ نے اس نئے دشمن کی سرکوبی کے لیے ایک ہزار مجاہدین حق کو اپنی معیت میں لیا۔ اور دس منزلیں طے کر کے دومۃ الجندل جا پہنچے۔ جس وقت منزل مقصود ایک شب کے فاصلے پر تھی تو رہبر لشکر نے بتایا کہ دشمن کی چراگاہ بھی یہاں قریب ہی ہے اس لیے بہتر ہے کہ اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ فرزندان توحید نے دشمن اسلام کی چراگاہ کے تمام مویشی اپنے قبضہ میں کر لیے مگر جب دومۃ الجندل پہنچے تو دشمن کے لشکر کا نام و نشان بھی نہ پایا۔ ایک کافر کو گرفتار کیا گیا اور اس سے تمام حالات دریافت کیے گئے۔ اس نے بتایا کہ لشکر اسلام کے یکایک آ پہنچنے کی خبر سن کر حاکم دومۃ الجندل بدحواس ہو کر فرار ہو گیا ہے۔ آپ چند روز دہیں قیام پذیر رہے اور ادھر ادھر مشہور بہادروں کی سرکردگی میں اپنے لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجتے رہے۔ مگر کوئی مفسد ہاتھ نہ آیا۔ اسی طرح شام کی سرحد پر اپنا رعب جما کر فرزندان توحید واپس چلے آئے۔

قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی تجاویز پر پانی پھر گیا۔

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اسلام کو تختہ دنیا سے مٹا دینے کے خواب دیکھنے میں مصروف تھا۔ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی مصطلق کے سردار نے اپنے اثر و اقتدار کو بروئے کار لا کر فرزندان توحید کو شمشیر خون آشام کے زور سے صدائے حق بلند کرنے سے باز رکھنا چاہا، مگر دوسرے مخالفین اسلام کی ناپاک تجاویز کی طرح اس کی تجاویز پر بھی پانی پھر گیا۔ یہودیوں کے اس مفسد اور دشمن اسلام سردار کا نام حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے خرمن اسلام کو نذر آتش کر دینے کیلئے فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کے شرارے بلند کیے۔ مگر یہ شرارے اس کے قبیلہ کی عداوت اسلام کی کشت پر ہی برق سوزندہ بن کر گرے۔ اور تمام بنی مصطلق کو دشمن اسلام سے دوست اسلام بنا دیا اور اس کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہو کر حضور پر نور کے حبالہ عقد میں آئی اس لیے تو ہم کہتے ہیں کہ مخالفین اسلام کی استبداد توانائیاں اور مفسدہ پردازیاں اسلام کا شیرازہ منتشر کرنے کی بجائے اس کی زنجیر میں ہمیشہ چند کڑیوں کا اضافہ کرنے کا ہی باعث ثابت ہوتی رہیں ہیں۔

حارث بن ضرار کی مفسدہ کاریوں کا راز افشا ہو گیا۔

قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی تجاویز پر پانی پھر گیا کے زیر عنوان جو کچھ مختصر طور پر بیان کیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حارث بن ضرار نے اپنے وسیع حلقہ اثر و اقتدار میں اسلام کی ترقی کو مسدود کرنے کی کوشش کرنے کے خیالات کا اظہار کیا۔ یہودان عرب تو مخالفت اسلام پر بہمہ وجوہ آمادہ تھے ہی اس صدا پر فوراً لبیک کہتے ہوئے اٹھے۔ حارث بن ابی ضرار نے ایک لشکر جرار تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور دیگر قبائل عرب کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ دشمن اسلام تھا۔ حارث بن ابی ضرار کے جھنڈے تلے مشرکین گروہ در گروہ آنے شروع ہو گئے۔ اس دشمن اسلام کے دل میں یہ خیال چپکہ لگا رہے تھے کہ طوفان کی طرح اٹھیں گے اور یکایک مسلمانوں کو جا لیں

گے مگر ؎
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔

دربارِ رسالت میں بھی ان مفسدہ پردازیوں اور فتنہ انگیزیوں کی اطلاع پہنچ گئی۔ داعئ صلح و آشتی نے اپنے ایک قاصد تیز گام کو تمام واقعہ کی تحقیق کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس جا کر عرض کی کہ حارث بن ضرار نے ایک کثیر التعداد لشکر مشرکین کا تیار کر لیا ہے۔ اور جلد ہی مدینہ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ حضورِ انور نے یہ سنتے ہی مجاہدینِ حق کا ایک لشکر تیار کیا، اور بڑے جوش و خروش سے اس نئے فتنہ کی سرکوبی کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ اس دفعہ اس لشکر میں تیس ۳۰ گھوڑے بھی تھے۔ جن میں سے کچھ انصار کی ملکیت کے تھے اور کچھ مہاجرین کے۔ اس لشکر کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ انصار اور مہاجرین۔ انصار کا علمبردار سعدؓ بن عبادہ تھا اور مہاجرین کا علم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں تھا۔

منافقین کی شر انگیز شمولیت۔

اس لشکر میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی اپنی جمعیت کو لے کر شامل ہوا تھا کیونکہ روزمرہ کے مشاہدات نے اس پر روزِ روشن کی طرح سے ظاہر کر دیا تھا کہ مجاہدینِ حق ہمیشہ مظفر و منصور ہو کر میدان کارزار سے لوٹتے ہیں۔ اس لیے مال غنیمت کا حصہ دار بننے کی ہوس اپنے دل میں لیے گروہ مسلمانوں کے لشکر میں شریک ہوا تھا۔ اس ہوس پرستی کی لعنت پر مستزاد یہ کہ اس نے شریک عسکرِ اسلامی ہو کر فرزندانِ اسلام کے دل میں ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ انصار اور مہاجرین کی دیرینہ موانست باہمی کی زنجیر کو توڑ کر انہیں منتشر کرنا چاہا اور زوجہ رسولؐ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر بہتان طرازی کر کے ان کے پاکیزہ دامنِ عفت پر بدنامی کی چھینٹیں ڈالنے کی ناپاک کوشش کی۔ اس اجمال کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

چشمہ مریسیع کے کنارے :۔

چشمہ مریسیع کے کنارے پر مشرکین کے طاغوتی لشکر کا مجاہدین حق سے تصادم ہوا دونوں طرف کے بہادروں نے صف شکن حملے کیے اور بہادری کے خوب جوہر دکھائے ۔ لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ کفار کا لشکر فرار ہو گیا اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے دل میں ہوس پرستی کی جو تمنائیں مچل رہی تھیں، ان کے بر آنے کا کافی سامان مہیا ہو گیا۔ مفتوح لشکر کے دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا چھ سو یہودی گرفتار ہوئے اور دس جہنم واصل ہوئے ۔

دشمن اسلام سردار کی نور نظر حرم نبویؐ میں :۔

اسیران جنگ میں سردار یہود حارث بن ابی ضرار کی نور نظر حضرت جویریہؓ بھی تھیں جو زید بن قیس کے حصے میں آئیں مگر اس نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور رسول کریمؐ نے اسے اپنی زوجیت کا شرف بخش کر اپنے حرم میں داخل فرما لیا۔ جب فرزندان توحید کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے تمام اسیران جنگ کو رہا کر دیا کہ جس قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہمارے پیشوائے اعظم کے حبالہ عقد میں آ جائے وہ غلام نہیں رہنا چاہیے۔ حارث بن ابی ضرار کو جب اس واقعہ کا پتہ لگا تو وہ فوراً حاضر دربار رسالت ہوا اور اپنی سرکشیوں کے لیے معافی مانگی آئندہ کے لیے داعی اسلام کا سمیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا اسیران جنگ کو رہا کرنے کے ساتھ مال غنیمت بھی واپس کر دیا گیا تھا ہمدردی اور رحم کے اس بے نظیر سلوک کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور جو مشرف بہ اسلام نہیں بھی ہوئے وہ بھی ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور دوست رہے۔

واقعہ افک

منافقوں کی شمولیت کا شر انگیز نتیجہ :۔

افک عربی زبان میں تہمت کا ہم معنے ہے حیات نبوی کے تمام واقعات میں واقعہ افک

اپنی نوعیت کا نرالا واقعہ ہے جو منافقوں کے لشکر اسلامی میں شامل ہونے کا ایک افسوسناک نتیجہ ہے مگر چونکہ یہ لوگ ظاہراً طور پر مسلمان تھے اور شعائر اسلامی کے پابند تھے اس لیے مجاہدین حق کے داعی اعظم ان کو لشکر اسلامی میں شامل ہونے سے منع بھی نہیں فرما سکتے تھے۔

رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے کمسن بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں آپ نبی اکرم کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دختر بلند اختر تھیں ایک جید عالم اور متبحر فاضلہ تھیں تمام ازواج مطہرات میں یہ شرف آپ ہی کو حاصل تھا کہ حالت دوشیزگی میں کاشانہ نبوی میں داخل ہوئیں آپؓ کے حالات ظاہری اور کمالات باطنی کی وجہ سے رسولؐ اکرم کو آپ کے ساتھ ایک گونہ شیفتگی تھی اس لشکر میں حضور انور کے ساتھ آپ بھی شریک سفر تھیں۔ واپس مدینہ منورہ کو آتے ہوئے بھی وہ نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا جو اسلامی تاریخ میں واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک دن علی الصبح جب لشکر ایک جگہ رات کے آرام کے لیے ٹھہرا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئیں گوہر آبدار کا ایک ہار آپؓ کے گلوئے مصفا کی زینت تھا شومی قسمت سے وہ ایک خاردار جھاڑی میں پھنس کر ٹوٹ گیا اور موتی فرش زمین پر بکھر گئے آپ ان موتیوں کو چننے میں مصروف ہو گئیں اس لیے معمول سے زیادہ دیر لگ گئی۔ لشکر نے کوچ کر لیا جس اونٹ پر آپ کا پردہ دار کجاوہ تھا وہ بھی چلا گیا کیونکہ اونٹ والے نے سمجھا کہ آپؓ اندر ہی تشریف فرما ہوں گی اس لیے جب آپ لشکر کی قیام گاہ میں پہنچیں تو میدان صاف تھا آپ نے دل میں سوچا کہ جب میرے گم گشتہ ہونے کا پتہ چلے گا لشکر سے ضرور کوئی شخص مجھے لینے آئے گا اس لیے آپ چادر اوڑھ کر وہیں بیٹھ گئیں اور ڈھونڈنے والوں کا انتظار کرنے لگیں۔

صفوان بن معطل کا قیام گاہ لشکر میں آنا۔

قاعدہ تھا کہ کوئی شخص لشکر کے کوچ کر جانے کے بعد قیام گاہ میں ضرور آیا کرتا تھا

تاکہ اگر کوئی چیز پیچھے رہ گئی ہو تو اسے لے جائے یہ خدمت صفوان بن معطل کے سپرد تھی کیونکہ وہ ذرا دیر میں سو کر اٹھتا تھا لشکر چلا گیا تو تھوڑی دیر بعد صفوان بن معطل بھی اپنے اونٹ پر سوار ہر طرف نظر دوڑاتا ہوا آنکلا اس نے دور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور آواز دی کہ کون ہے آپ نے جواب دیا کہ میں عائشہ بنت ابوبکر اور زوجہ رسول یہ الفاظ سنتے ہی صفوان بن معطل فوراً اپنے اونٹ پر سے اتر پڑا اور حضرت عائشہ رض کو سوار کیا خود مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا تھوڑی دیر میں لشکر کو جا ملے تو جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اپنے اس فداکار اور دلدار بیوی کو ایک کجاوہ والا اونٹ پر نہایت آرام سے بٹھا دیا۔

منافقین کی بہتان طرازی:۔

اصل واقعہ سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے منافقین نے اس پر خوب نمک مرچ لگا کر حاشیہ آرائی کی اور بہت سے مسلمانوں کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن اور راہ صداقت سے بھی گمراہ کر دیا مدینہ منورہ ایک منزل باقی تھا وہاں پہنچے تو شہر بھر میں منافقین نے طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ رسول اکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس شرارت کا پتہ چلا تو آپؐ بہت غمگین ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو جب یہ ہرزہ سرائی سنی زار و قطار رونا شروع کر دیا نہایت معتبر راویوں کا بیان ہے کہ تین دن تک آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مصلحتاً کشیدگی اختیار کر لی تو آپ رنج و غم کے مارے اپنے میکے تشریف لے گئیں

جلیل القدر صحابیوں اور صحابیات کی شہادت:۔

جلیل القدر صحابیوں اور صحابیات نے حضور انور کو یقین دلایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت پاکباز، عصمت شعار اور پرہیزگار عورت ہیں ان کا دامن ایسی ذلت آفرین اور کمینہ حرکت کی چھینٹوں سے بالکل پاک ہے وہ لوگ شریر النفس اور شیطان کے مرید ہیں

جنہوں نے ایسی پاکیزہ خیال عورت پر بہتان باندھا ہے آپ کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ صفوان بن معطل جسے اس الزام میں حضرت عائشہ کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے عابد شب زندہ دار اور زاہد ایمان پرست ہے وہ ہرگز کسی ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا شرع کے خلاف ہو ایسے ہی حالات سنتے سناتے ایک مہینہ کے قریب گذر گیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا اس دوران میں اپنے باپ کے ہاں تشریف فرما رہیں اور شب و روز آنسو بہاتی رہیں۔

خدائے علیم و بصیر کی شہادت:۔

حضور پرنور حضرت عائشہ کے گھر پر تشریف لے گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے کچھ دیر کے توقف کے بعد کہا تم جانتی ہو لوگ تمہاری نسبت کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں ان شریر النفس لوگوں کی بہتان طرازی سنتی ہوں اور صبر کرتی ہوں اندریں حالات میں اور کر بھی کیا سکتی ہوں میں جانتی ہوں کہ میرا دامن اس الزام سے جو مجھ پر لگایا جا رہا ہے پاک ہے مگر دنیا کی زبانوں پر قفل لگا دینا میرے بس کی بات نہیں ہے میں تو خدا ہی سے انصاف کی طالب ہوں میں دست بدعا ہوں کہ اگر میں سچی ہوں تو خدا تعالے میری عصمت و عفت کی حمایت ضرور کرے گا اور ان افتراء پردازوں کو ذلیل و رسوا کرے گا!" حضرت عائشہ نے اپنے دل کی تڑپ اپنے دل کے مالک کی بارگاہ میں ظاہر کر دی اور پھر خاموش ہو گئیں کہ اتنے میں رسول اللہ پر وحی کے نزول کے آثار طاری ہو گئے سخت سردی کا موسم تھا مگر پھر بھی آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے تھوڑی دیر بعد آپ نے وہ آیتیں پڑھنی شروع کیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت و عفت پر مہر شہادت ثبت کرنے کے لیے ابھی نازل ہوئی تھیں اب حضرت عائشہ صدیقہ کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ بار بار بارگاہ خداوندی میں سجدے کرتی تھیں کہ اے خدائے کریم تیرے رحم و کرم کا شکریہ میں کن الفاظ میں ادا کروں تو نے اپنی شان کرم سے نہ صرف یہی کہ میری براءۃ ظاہر فرمائی بلکہ مجھے یہ بھی شرف عنایت کیا کہ قیام قیامت تک میری عصمت و عفت

کی شہادت قرآن مجید کے اوراق میں ثبت رہے گی اور تمام لوگ اس کی تلاوت کریں گے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کی برات ظاہر کرنے کے لیے جو دو رکوع نازل ہوئے تھے وہ قرآن کریم میں موجود ہیں

منافقوں کو کیفر کردار :۔

خدائے علیم و بصیر کی طرف سے حضرت عائشہ کی شان عصمت و عفت میں آیات نازل ہونے کے بعد آپ کسی شریر النفس کو ہرزہ سرائی کی جرات باقی نہ رہی اب یہ بھی ضروری ہوا کہ ان شیطان پرست منافقوں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچایا جائے جنہوں نے خواہ مخواہ اس ذلت آفرین بہتان طرازی سے کام لیا تھا۔ چنانچہ چار شخصوں پر حد قذف جاری فرمائی گئی اور ان کے اسّی اسّی درے لگائے گئے۔ ان چار شخصوں کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی۔ ۲۔ حمنہ بنت جحش۔ ۳۔ حسان[1] بن ثابت۔

۴۔ مسطح بن اثاثہ۔

صداقت تمام رشتوں سے وقیع تر ہے :۔

تاریخ عالم میں اس حقیقت کو کئی دفعہ عالم آشکار کیا جا چکا ہے کہ صداقت کے معاملہ میں رشتہ داروں اور دوستوں حتیٰ کہ محبوبوں کی محبت کو بھی دخل انداز نہ ہونے دینا چاہیے۔ رشتہ داروں اور بزرگوں کا حکم ماننا ضروری ہے لیکن وہی حکم جو جائز اور مناسب ہو ہندو دھرم بیٹے کے لیے باپ کی فرمانبرداری پر بہت زور دیتا ہے اور اسے دھرم کا ایک جزو بتاتا ہے۔ چھوٹے بھائی کے لیے بڑے بھائی کی فرمانبرداری بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی بڑے بھائی کے لیے باپ کی۔ اب اگر بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کو یہ حکم دے کہ تم والد صاحب کو ایک چپت لگاؤ تو کیا اس فرض کا ماننا چھوٹے بھائی کے لیے ضروری ہو گا۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ بڑا بھائی خود دھرم سے پتت (مرتد) ہو گیا ہے اس لیے اس کا حکم ماننا ضروری نہیں رہ گیا ہے مشہور بال بھگت پرہلاد کا قصہ ہندوؤں میں زبان زد خاص و عام ہے پرہلاد نے صداقت کے راستہ پر چلتے

---

[1] حسان بعد میں کامل مسلمان ہو گئے تھے۔ عبداللہ عفی عنہ ۱۲

ہوئے باپ کے احکام کو سرپائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا اس سے اس کے دھرم پر کوئی حرف نہیں آیا بلکہ وہ دھرم کی مورت (مجسم ایمان) مشہور ہوا کہا جا سکتا ہے کہ محبت کے لیے اس قسم کے قوانین نہیں تراشے جا سکتے۔ محبت تمام آئین و قوانین کو غلام بنا لیتی ہے لیکن خود کسی قانون کی غلام نہیں بن سکتی محبت مطلق العنان حاکم ہے اس کی قلمرو میں مذہب کی حکمرانی نہیں چل سکتی لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک شاعرانہ رنگین تخیل ہے جو اگرچہ صداقت کا ترجمان ہے اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے جس کی تکذیب نہیں کی جا سکتی لیکن یہ ایک افسوسناک نتیجہ ہے عقل پر جذبات کے غلبہ پا لینے کا جہاں تک واقعات کے وقوع کا تعلق ہے اس کی صداقت قابل تسلیم ہے لیکن جہاں تک اصول کا تعلق ہے اس کی صداقت قطعی غیر مشتبہ ہے میں جانتا ہوں کہ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محبت کی زنجیر میں جو انسان جکڑا جاتا ہے وہ تمام آئین و قوانین مذہب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ محبوب کی پرستش اور اس کے ہر جائز و ناجائز حکم کی تعمیل ہی اس کی زندگی کا منتہائے مقصود بن جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ زندگی تمام تر ایک جنون و دیوانگی ہے اس لیے جنون کسی قسم کا بھی ہو انسان کے لیے کیمیا ہے جو اپنے انقلاب آفرین لمس سے اسے حیوانیت کی سطح سے اٹھا کر ملکوتیت کی سطح پر پہنچا دیتا ہے۔"

میں تسلیم کرتا ہوں کہ قربانی دنیا میں بہت وقیع چیز ہے جو شخص اپنی آزادی کو دوسرے کے احکام کے تابع ہو کر قربان کر دیتا ہے اور اس کے دامن سے سوائے اس کی خوشنودی کے اور کوئی غرض وابستہ نہیں رکھتا، ایک بہت شاندار کام سرانجام دیتا ہے لیکن ذرا غور فرمائیے کہ اس بدقسمت شخص کا جنون کس قدر کوتاہ پرواز ہے جو ایک ضعیف البنیان ہستی کے احکام کے تابع ہو کر اپنی زندگی کو اس کے لیے تباہ و برباد کر دیتا ہے اگرچہ وہ مجنون جو اس قسم کی صحرانوردی کے امتحان میں بھی پورے اتر سکیں دنیا میں اس قدر قلیل تعداد میں ہیں کہ ان کا شمار ہاتھ کی انگلیوں پر کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر ایسے لوگ کثیر تعداد میں بھی ہوں پھر بھی یہ نظریہ کہ محبت آئین و قوانین کی غلام نہیں بن سکتی۔ جذبات کی غلامی کا آئینہ دار ہی رہے گا اور جب تک انسان جذبات کی غلامی سے آزاد نہیں ہو لیتا وہ صداقت کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ ایک سچے مذہب کے قوانین کی پابندی

ایک نیک و پاک انسان کے لیے ناگزیر ہے یہ مذہب ہی ہے جو صداقت کا علمبردار ہے جو ہمیں دین اور دنیا دونوں میں سرخرو کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس کا گوشہ دامن چھوڑ کر ہم کہیں فلاح نہیں پا سکتے۔ مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ جس بات کے ماننے میں خدا کی رضامندی ہو وہ بلا تامل مان لو خواہ ساری دنیا تمہارے خلاف کیوں نہ ہو جائے اور جس بات کے ماننے میں خدا کی ناراضی ہو یا دوسرے لفظوں میں جو بات صداقت سے بعید ہو اُسے کبھی نہ مانو خواہ ساری دنیا تم سے خوش ہوتی ہو۔

صداقت کی پرستاری کا ایک قابل رشک مظاہرہ:۔

اسلامی تاریخ کے صفحات کا دامن ایسے بہت سے عدیم النظیر واقعات سے لبریز ہے جن میں صداقت کی پرستاری میں رشتہ داری کی محبت کو سرمایۂ استحقار سے ٹھکرا دیا گیا ہے اور یہ مذہب اسلام کی مایۂ الامتیاز صفت ہے کہ وہ خدا کے احکام کے سامنے کسی قاہر سے قاہر طاقت کے احکام کی بھی پرواہ نہیں کرتا لیکن افسوس کہ آج دنیا نے اسلام اس درخشاں اصول کو جو کسی وقت ان کا طغرائے امتیاز تھا بھول بیٹھی ہے۔ مذہب اسلام ہی پر کیا موقوف ہے کسی مذہب کے پیروکاروں میں بھی ایمان کی وہ روح نہیں رہ گئی ہے جو مذہب ان کے دل میں پھونکنا چاہتا ہے۔ اب تو مذہب بھی ایک فرسودہ چیز بن چلا ہے مغربیت کی دہریت ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر سحر سامری کی طرح مسلط ہوتی جا رہی ہے۔ زر طلبی اور جاہ طلبی کا بازار ہر طرف گرم ہے جن کے حصول کی قربان گاہ پر دین و مذہب اور شرافت اخلاق کے تمام آئین وقوانین بے دریغ قربان کر دیے جاتے ہیں ایسے دنیا طلب لوگوں کے خواب میں بھی نہیں آسکتا کہ اسی آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں اس آسمان کے نیچے اسی زمین پر ہر قوم میں کچھ ایسے بہادر لوگ بھی ہو گذرے ہیں جنھوں نے صداقت پرستی کے لیے خون کے رشتوں کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی میں اس جگہ ایسے ایک بہادر کا ذکر کروں گا جو اس کتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ بشرط زندگی اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا ذکر پیچھے آچکا ہے کہ اس نے اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر انصار اور مہاجرین کے دلوں میں نفاق کا بیج بونے کی کوشش کی افک کا افسوسناک واقعہ اسی کی شرارت کا نتیجہ تھا بہت سی شرارتوں کے علاوہ اس نے بدکلامی اور بدزبانی سے بھی کام لیا تھا اس لیے ایک فرزند توحید نے اس کی بدزبانیوں اور شرارتوں کا باشہادت ثبوت بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور اس کے قتل کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجسم رحم و کرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا عبداللہ بن ابی کے فرزند ارجمند نے اس واقعہ کی نسبت کچھ سنا کہ میرے باپ کے قتل کا حکم بارگاہ رسالت سے صادر ہو چکا ہے وہ فوراً شمشیر بکف حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مجھے دی جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کی محبت رشتہ داری کی محبتوں سے بڑھ کر ہے حضور اقدس نے مسکرا کر انکار کیا اور یہ بھی بتایا کہ عبداللہ بن ابی کے قتل کا فرمان جاری نہیں ہوا ہے وہ بہادر نوجوان بارگاہ رسالت سے چپ چاپ چلا گیا مگر باپ کا راستہ روک کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ بن ابی ابھی مدینہ نہیں پہنچا تھا کہ ایسے منافق شخص کو خواہ وہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔ ہرگز مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی کے آتے ہی اس بہادر لڑکے نے تلوار نیام سے نکال لی۔ اور باپ سے کہا کہ تو منافق ہے۔ صداقت کا پرستار بن کر صداقت کے خلاف چلتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تو میرا باپ ہے مگر صداقت کی محبت رشتہ داری کی محبت سے دقیع تر ہے۔ تو نے صداقت کی آڑ میں اہل اسلام کو دھوکہ دیا ہے اس لیے میں تجھے مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔

عبداللہ بن ابی ابھی مدینہ میں قدم رکھنے نہ پایا تھا کہ دربار رسالت میں اس واقعہ کی خبر پہنچنے پر حضور انور کا حکم آیا۔ کہ عبداللہ بن ابی کو مدینہ میں آ جانے دو۔

جنگ احزاب

حیات نبوی کی سب سے بڑی جنگ

حیات نبوی میں قبائل عرب نے فرزندان توحید کی اشاعت اسلام کی تمناؤں کو خاک وخون میں تڑپا دینے کے لیے جتنی خون فشاں کوششیں کیں۔ ان میں سے جنگ خندق یا جنگ احزاب سب سے بڑی کوشش تھی۔ جس میں عرب کے تمام مشہور قبائل کے سردار شامل تھے۔ مگر خدا کی قدرت کاملہ نے اس لشکر عظیم کو بھی مٹھی بھر مسلمانوں کی جمعیت سے شکست فاش دلائی۔ اور چار دانگ عالم میں آشکارا ہو گیا۔ کہ دنیا کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت اسلام کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

جلاوطن یہودیوں کی شرارت :-

ہجرت نبوی کے چوتھے سال میں بنو نضیر کے جو مفسدہ پرداز شریر النفس یہودی محافظ دین برحق اسلام کے قائد اعظم نے القاء امن عامہ کے اصول کو مدنظر رکھ کر جلاوطن کر دیے تھے اور جو خیبر میں جا آباد ہوئے تھے۔ ملک بدر ہو کر بھی وہ شرارتوں سے باز نہ آئے۔ بلکہ اپنے حلقہ اثر میں برابر مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلاتے رہتے تھے۔ مجاہدین دین حنیف کو جن چند چھوٹی چھوٹی جنگوں میں شریک ہونا پڑا۔ ان کے محرکات میں بھی ان جلاوطن یہودیوں کی اشتعال انگیزیوں ہی کا بڑا حصہ تھا۔ جب اس قسم کی معاندانہ کارروائیوں سے مسلمانوں کا کچھ نہ بگڑا تو ان دشمنان اسلام نے ایک عظیم الشان لشکر کے ہمراہ مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے اثر و اقتدار کو مٹا دینے کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ قریش کا تو بچہ بچہ پہلے ہی فرزندان توحید کے مخالفت پر تلا ہوا تھا اس لیے یہودیوں کو اپنے ناپاک ارادوں

میں کامیاب ہونا آسان نظر آیا۔

قبائل قریش کی شمولیت کی کامیاب کوشش :۔

ایک خون آشام اور فیصلہ کن جنگ کا پختہ فیصلہ کر چکنے کے بعد یہودیوں نے سردار مکہ مکرمہ میں سرداران قریش کے پاس امداد کے لیے گئے اور ان کے سامنے اپنا عندیہ بلا کم وکاست بیان کر دیا۔ قریش نے دامے درمے سخنے ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا۔ اخراجات جنگ کے لیے ایک معقول رقم فراہم کر کے دی اور ایک لشکر جرار کے ان کے ہمراہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا وعدہ بھی کیا۔ سرداران یہود اور بھی بہت سے قبائل عرب کے پاس گئے اور ہر جگہ سے کامیاب وکامران لوٹے۔ اس کے بعد قبائل عرب کے بڑے بڑے جلیل القدر سرداروں نے جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی۔ خانہ کعبہ میں جاکر قسمیں کھائیں کہ اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کریں گے۔ اور مسلمانوں کو تختہ دنیا سے نیست ونابود کر دینے میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بے دریغ بہائیں گے۔ یہ تمام کاروائی بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھی گئی تاکہ مسلمانوں کو کسی قسم کی جنگی تیاری کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

بارگاہ رسالت میں قبائل عرب کی خونریز تجاویز کی اطلاع :۔

کفار نے چونکہ اپنی خونریز کاروائی کو پوشیدہ رکھنے میں انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا تھا اس لیے فرزندان توحید کو اس کی اطلاع جنگ کے دن سے بہت تھوڑا عرصہ پیشتر مل سکی۔ جب آپ کو کفار کے غضبناک جارحانہ ارادے معلوم ہوئے تو آپ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور فرزندان توحید سے رائے دریافت کی کہ ہمیں مدافعت کے لیے کونسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ سب حاضرین مجلس نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ ایسے عظیم الشان لشکر کے مقابلہ میں کھلے میدان میں نکل کر نبرد آزمائی کرنا مناسب نہیں بلکہ قرین دانش یہ ہے کہ شہر میں رہ کر ہی مدافعت کی جائے۔

خندق کی کھدائی :-

سلمان فارسیؓ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کھود کر جنگ کرنے کے طریقہ سے واقف تھے۔ اس لیے ان کی رائے پر عمل کیا گیا۔ پشت کی طرف ایک پہاڑی کی پناہ لی گئی۔ دوسری طرف مکانات حائل تھے۔ ایک طرف پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی خندق کھودی گئی۔ یہ بیضوی شکل کا گویا ایک قلعہ بن گیا جس میں باحفاظت بیٹھ کر مسلمان اپنی تمام طاقت سے کفار کے مقابلہ کو تیار تھے۔

طرفین کے لشکر :-

اسلام کے لشکر میں کل تین ہزار مجاہدین حق شامل تھے اور دشمنوں کے لشکر کی تعداد چوبیس ہزار کیل کانٹے سے لیس کفار پر مشتمل تھی۔

مفسد اور شرارت پیشہ باطل پرستوں کی ریشہ دوانیوں سے تیار ہوئی افواج قاہرہ کی حملہ آوری کا انسداد کرنے کے لیے جب حق پرستوں کا ایک قلیل گروہ اس خندق کی کھدائی میں معروف تھا جس کی وجہ سے حق و باطل کی یہ آویزش جنگ خندق کے نام سے مشہور ہوئی تو ایک ایسا استعجاب انگیز اور حیرت خیز واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کی فوق العادت نوعیت نے حلقہ بگوش دین ہدیٰ کو اصحوکہ دشمنان اسلام بنائے جانے کا نہایت افسوسناک سامان مہیا کر دیا۔ منافقین اور مشرکین نے اس غیر معمولی واقعہ پر خوب حاشیہ آرائی کی اور اسے فخر صادق سرتاج فلسفیان عالم، رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلال دماغی (نقل کفر کفر نہ باشد) کا نتیجہ بتایا۔ لیکن مستقبل قریب میں پیش آنے والے واقعات نے دشمنان دین ہدیٰ پر یہ حقیقت غیر مشتبہ روز روشن کی طرح واضح کر دی کہ حق ناقابل تسخیر اور ناقابل اختفاء ہے یہ راز درون پردہ ہے جب اس کی سر مستور رہنے کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تہ نقاب پنہاں نہیں رکھ سکتی۔ اس واقعہ کو بہت زیادہ مدت نہ گزرنی پائی تھی کہ اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے نکتہ چینیان حق کی عقلی

نکتہ چینیوں کے نقش ونگار کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔ اور ایک صادق نبی کی زبان صداقت ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ پر مہر توثیق ثبت کر دی۔

مایوسیوں کی شب تار میں ستارہ امید کا طلوع:۔

جب خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو اس کے مساوی حصے کر دیے گئے تھے اور ہر ایک حصہ کی کھدائی کی خدمت دس دس آدمیوں کے گروہ کے سپرد تھی۔ صیانت دین متین اور حفاظت ناموس حلقہ بگوش اسلام کے اہم فرض کے لیے ان ایڑی سے چوٹی تک کا پسینہ بہانے والے سرفروشان توحید میں داعی اسلام آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی عادت مستمرہ کے مطابق اپنے عقیدت مندوں کے دوش بدوش کدال ہاتھ میں لیے مصروف کار تھے کہ خندق کے ایک حصہ کی کھدائی میں ایک ایسا سخت اور بھاری پتھر نمودار ہوا جو باوجود فرزندان توحید کی بے حد کوشش کے نہ کسی طرح ٹوٹ سکا اور نہ کسی طرح اٹھا کر ہی خندق سے باہر پھینکا جا سکا۔ اس حصہ میں کھدائی کا کام کرنے والے پرستاران اسلام مایوس ہو کر اپنے آقائے نامدار اور حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تا کہ بارگاہ رسالت سے خندق کا رخ بدل کر کھدائی کرنے کا فرمان حاصل کر سکیں۔ چنانچہ رسول برحق نے ان شیدایان صداقت کا بیان سنا اور کدال اٹھا کر بہ نفس نفیس "موقعہ واردات" پر تشریف لائے۔ پتھر پر ایک نگاہ ڈالی اور کدال شریف اس زور سے اس پر ماری کہ پتھر میں ایک گہرا شگاف پڑ گیا اور اس شگاف میں سے ایک تیز روشنی کا شعلہ نکل کر آسمان کی طرف بلند ہوا۔ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان سے فدایان دین ہو رہے تھے یہ الفاظ نکلتے سنے "مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں"۔ اب دوسری کدال پھر پتھر پر پڑی تو اس میں سے پھر ایک شعلہ برق کی تابانیوں سے چمک کر نکلا اور آسمان کی طرف بلند ہوا۔ صادق مخبر نے فرمایا "ملک فارس کی قسمت مسلمان حکمرانوں کی حکومت سے وابستہ کر دی گئی"۔ تیسری ضرب پڑتے ہی پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور ایک روشنی چمکی جس پر آپ نے یہ مژدہ طرب خیز سنایا کہ "یمن کی سلطنت کے دروازے میری امت پر کھول دیے گئے"۔

حضور انورؐ کی صداقت کی ایک روشن دلیل :۔

قارئین کرام توحید پرستان اسلام کی حالت کی نزاکت کو بنظر تعمق دیکھیے اور پھر مخبر صادق کی ان حیرت خیز اور استعجاب انگیز پیشین گوئیوں کو دیکھیے۔ دشمنان دین متین اگر فرزندان اسلام کو استحقار کا ہدف نہ بناتے تو آخر کیا کرتے۔ ان کی نگاہیں "حال" کو دیکھتی تھیں۔ "مستقبل"، تو ان کی نگاہوں کیا پرستاران توحید کی نگاہوں سے بھی پنہاں تھا۔ مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان اپنے جان و ایمان کی حفاظت کے لیے خندق کھودنے میں اپنے دن کا آرام حرام اور اپنی راتوں کی نیند پریشان کر رہے تھے۔ چوبیس ہزار کا لشکر جرار ان کا نام و نشان تختۂ دنیا سے نیست و نابود کر دینے کا عزم بالجزم کیے یلغار کرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف آ رہا تھا۔ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ فرزندان توحید کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ مظلوم مسلمانوں کو ظالم باطل پرستوں کے خوف سے سر چھپانے کو کہیں جگہ نہ ملتی تھی۔ اور حضور انورؐ ان کو بڑی بڑی سلطنتوں کی حکومت اور ہفت اقلیم کی فتح کا مژدہ سنا رہے تھے اس وقت یہ فوق العادت پیشین گوئی کیسی ہی ناقابل اعتبار اور اضحوکۂ روزگار کیوں نہ معلوم ہوئی ہو مگر تاریخ کے صفحات اس حقیقت غیر مشتبہ پر شاہد عادل ہیں کہ حضور انورؐ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صداقت سے ہمکنار ہوئی۔ مذکورہ بالا سلطنتوں کے تخت نے مسلمانوں کے پاؤں چومے اور ان کا سکہ ان ملکوں پر بلا شرکت غیرے رواں ہوا۔ کیا یہ پیشینگوئیاں مخبر صادق کے مامور من اللہ ہونے پر دلالت نہیں کرتیں؟

قبیلہ بنو قریظہ کی عہد شکنی :۔

باغبان اسلام نونہالان گلشن کو دشمنان دین ہدیٰ کی شر انگیز خزاں سامانیوں سے بچا رکھنے کے لیے پرستاران توحید کے دوش بدوش خندق کھودنے میں شب و روز مصروف رہ کر محنت کے پسینے سے شرابور ہو رہا تھا کہ اتنے میں ریگستان عرب کی باد صرصر کے دوش پر ایک اڑتی سی دل آزار خبر آئی کہ بنو قریظہ کے وعدہ شکن یہودیوں نے جو مسلمانوں

کے ہم عہد تھے۔ صلح و آشتی اور دوستی و محبت کے تمام عہد و پیمان کو نقش زنگار طاق نسیان بنا دیا ہے اور اپنی بے وفائی اور غداری کا ایک نہایت ہی ذلت آفرین مظاہرہ کرنے کیلیے دشمنان دین سے ان کے لشکر جرار میں شامل ہو کر توحید پرستان اسلام سے نبرد آزما ہو نے اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے دامے درمے، سخنے ہر طرح سے امداد کرنے کا حتمی وعدہ کر لیا ہے۔ دور اندیش پیغامبر صلح و آشتی نے اپنے دو معتبر صحابیوں حضرت سعد بن معاذ رضؓ اور سعد بن عبیدہ رضؓ کو تحقیق حالات اور بنیز قریظہ کے سردار کعب بن اسید کو اپنے معاہدہ صلح و آشتی پر قائم رہنے کی ہدایت و نصیحت کرنے کے لیے بھیجا۔

نقش بر آب وعدے :-

یہودیوں کا صلح و آشتی کا عہد و پیمان صورت حباب اور قصر بر آب سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا جو مسمار ہونے کے لیے ایک ہوا کے جھونکے کا منتظر تھا۔ اب انہوں نے گلشن اسلام کی تابناک فضاؤں کو مکدر کر دینے کے لیے ایک طوفان گرد و باد اٹھتے دیکھا تو اپنے عہد و پیمان کے ہوائی قلعے مسمار کر دیے اور اسلام کی مخالفت پر ہمہ تن آمادہ ہو بیٹھے۔ انہوں نے سعد بن معاذ رضؓ اور سعد بن عبیدہؓ کے پیغام صلح و آشتی اور یاد دہانی عہد و پیمان کو سننے سے ہی صاف انکار کر دیا اور نہایت ترش اور تیز الفاظ میں ان بزرگوں کو مخاطب کیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں بھی ناپاک الفاظ استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا۔ داعیان دوستی و محبت کا استہزا اور استحقار کے کلموں سے استقبال کیا گیا۔ سفیران صلح و آشتی کو جنگ و جدال کا پیغام سنایا گیا۔

لعنت کا ایک بدنما داغ :-

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پرست دل پہ باطل پرست یہودیوں کی وعدہ شکنی اور احسان فراموشی سے ایک ٹھیس سی لگی۔ ان روباہ مزاجوں نے اسلام کے شیر ثریاں کو حوادث کی زنجیر میں پھنستے ہوئے دیکھ کر سرکشی اور گردن زنی کا شیوہ اختیار کر لیا تھا۔ صلح و آشتی

اور دوستی اور محبت کا عہد و پیمان کسی ایسے ہی نازک اور مصیبت زدہ وقت کے لیے تھا جبکہ امن و راحت کے خرمن میں فتنہ و فساد کی بجلیاں کوندنے کے لیے بے تاب ہو رہی ہوں اور ایسے پریشان کن لمحوں میں اپنے ہم عہد سے روگرداں ہونا شیوہ انسانیت کے سراسر منافی ہے اور عرب کے دستور وفاداری اور جوہر شجاعت کی پیشانی کے لیے تو ایسا رویہ لعنت کا ایک نہایت بدنما داغ تھا اور یہ رویہ مزاج باطل پرست تو انسانیت اور شجاعت کے گوہر گرانمایہ سے دامن ہی نکلے۔ یہودیوں کی اس فریب دہی اور وعدہ شکنی سے مسلمانوں کے دل پر ایک چوٹ تو ضرور لگی۔ مگر اس سے ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی وہ حق کی فتح کے لیے قطعی پُر امید تھے۔ مصائب کا تلاطم بڑھتا جا رہا تھا مگر انھوں نے اپنی کشتی کو خدا پر چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ انھوں نے لنگر کو نہیں توڑا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔

جنگ و جدال کی شعلہ ریز ساعت:۔

اب وہ شعلہ ریز ساعت سر پر آ پہنچی تھی جس میں شر انگیز یہودی ریگستان عرب کو شعلہ زار جنگ و جدال بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے جس میں ان کے شمشیر آزما بہادر داد شجاعت دینے کے لیے خنجر بکف ہو کر مظلوم مسلمانوں کے خون سے میدان کارزار کے ذرہ ذرہ کو حال رنگینی صد لالہ زار بناتے کے لیے بے قرار تھے مگر نخل اسلام ظفر مندی اور کامگاری کے گلہائے عنبر بیز کی روح پرور خوشبو سے ساکنان صحرائے عربستان کے دماغوں کو معطر کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا اور کفر کو اپنی تمام نیز بکف زیج کن کارگذاریوں کے باوجود بھی ناکامی و نامرادی سے دوچار ہونا تھا اس لیے کفر کی بجلیاں پہلے کی طرح اب بھی خدا ہی کے خرمن اقتدار کو اپنی شعلہ ریزیوں کی بازی گاہ بنا کر رہ جانی والی تھیں اور حق کے مقابلے میں باطل کی خونریز ریشہ دوانیوں کا شیرازہ اب بھی خزاں رسیدہ اوراق کی طرح منتشر ہو کر رہ جانے والا تھا۔

جان یا ایمان :۔

اس سحر کار گلستان جہاں کی صد جلوہ حسن درآغوش رنگینیوں کے زلف کے دام سیمیں کے اسیروں کے لیے اپنی جان شیریں سے زیادہ اور کوئی شے عزیز نہیں مگر عالم باقی کے پرستاروں کی بلند نظری اور فلک پروازی ایمان کے مقابلہ میں جان کی حفاظت کے خیال کا بھی استہزاء کرتی ہے مٹھی بھر مظلوم توحید پرستاران اسلام اپنے "بیضوی قلعہ" صیانت دین متین کیلیے ظالم اور سرکش دشمنان اسلام کی جوہر دار تلواروں سے سینہ سپر ہو کر اپنی جان سے کھیل جانے کو ایک کھیل سمجھنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

اسلام کی خونریزی جارحانہ تھی یا مدافعانہ :۔

اکثر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی شان و شوکت کے ایام کی کہانی جنگ و جدال کی ایک خونچکاں داستان ہے اور یہ خون آشامی اس کی اس کے حلقہ بگوشوں کی خصوصیت امتیازی قرار دی جاتی ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ قطعی مبنی بر صداقت ہے کہ اسلام نے خون کا دریا عبور کر کے ہی اپنی اس حیرت انگیز شان و شوکت کو حاصل کیا جس کا تصور بھی ہمیں انگشت بدنداں کر دینے کے لیے کافی ہے یہ صحیح ہے کہ ؎

آزادی اسلام کا افسانہ رنگین
لکھا ہوا ہے سرخی خون شہداء سے

اسلام کے گلشن کے گلہائے رنگارنگ کی رنگینیوں میں ان مظلوم سرفروشان توحید کے خون کی جھلک موجود ہے جنھوں نے صیانت دین کے لیے اپنی گردنیں بے دریغ کٹائیں مگر یہ قطعی غلط ہے کہ مسلمانوں کو خونریزی اور جنگ و جدال سے کوئی دلی ذوق و شوق اور قلبی ربط و ضبط تھا قوموں کی تاریخ میں بعض وقت ایسے آتے ہیں جب ان کے لیے خونریزی ناگزیر ہو جاتی ہے اور اس وقت جان دینے سے جان چرانا ایک قسم کا گناہ کبیرہ بن جاتا ہے مسلمان بھی ایسی ہی آزمائش سے دوچار تھے جب تلوار ہاتھ میں لینا

ان کا اہم ترین فرض بن گیا تھا۔

فنا کے پردہ میں بقا کا جلوہ :۔

وہ اپنے سینوں میں ایک دردمند دل رکھتے تھے جس میں حیات انسانی کی بے سامانی کا خیال بھی جاگزیں نہیں تھا ان کی قدر شناس اور حقیقت پرست نگاہوں میں انسانی خون کا ہر قطرہ مقدس تھا وہ اپنے دشمنوں کو بھی خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ لیکن اس وقت جب کہ فرعونیت اور نمرودیت اپنی شیطانی قوتوں سے مذہب و اخلاق کے بلند ترین اصولوں کو صفحۂ دنیا سے نیست و نابود کر دینے پر تلی ہوئی تھی تو وہ اپنے خون کے ہر قطرہ کو آب شور کی ایک بوند سے بھی کم قیمت سمجھنے لگے تھے اب وہ اس ناگزیر خونریزی کو گلشن اسلام کی آبیاری کے لیے ضروری خیال کرتے تھے یہ وہ نشتر تھا جس کی نوک سے وہ سرکش اور فرعون مزاج دشمنان سوار کی رگ حیات سے فاسد خون نکال دینا چاہتے تھے۔

خدا جوئی کسے کہتے ہیں مفہوم خودی کیا ہے
بتاؤں آؤ جانبازو تمہیں یہ زندگی کیا ہے

سوا ہے اس کی قیمت دونوں عالم کے خزینے سے
جھلک ہستی کی ہر شے کو ملی اس آبگینے سے

متاع زندگی ہی کا تحفظ مقصد دین ہے
نگہبانی میں اس کی ہر گھڑی فطرت کا آئین ہے

اسے سب سے بڑی نعمت نظر والوں نے سمجھا ہے
خدائے لم یزل کا یہ گرانمایہ عطیہ ہے

مگر جذبات خودداری کا دشمن آسماں جب ہو
زمانہ غیرت قومی کا لیتا امتحاں جب ہو

خودی کا دم بھریں جب خوتیں دنیائے فانی کی
تو پھر کوئی نہیں قیمت متاع زندگانی کی !

وہ ہو جب پاس انساں کو حقوق نوع انساں کا
گرفتار ستم ہو جب تدبر چیرہ دستاں کا

اثر ہنگامہ جس دم بیکسوں کی آہ پنہاں کا
لہو ہوتا ہے ارزاں اس گھڑی مرد مسلماں کا

اجل سے کھیلنا اسلام کا فرمان ہے اسدم
مٹانا زندگی کا زندگی کی شان ہے اسدم

حق پرستانِ اسلام جانفرسا مشکلات کے نرغے میں۔۔۔

دشمنِ اسلام یہودیوں کی مور و ملخ کی سی جمعیت حق پرستانِ اسلام کا نام و نشان تختہ دنیا سے مٹانے کے لیے یلغار کرتی ہوئی آ پہنچی اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھنگور گھٹاؤں کا یہ نقاب ماہتاب درخشاں کے چہرے پر الٹ کر اس کی ضیاباریوں سے اہل دنیا کو محروم کر دے گا مگر قدرت کا زبردست ہاتھ انسانی نگاہوں سے چھپ چھپ کے باطل کی افواج قاہرہ کی شکست و گریخت کے سامان مہیا کر رہا تھا تمام دنیا بھر کے طفلان بے تمیز کی خاک ریزی سے بھی ماہ درخشاں کا نور پاش چہرہ گرد آلود نہیں ہو سکتا ہاں وہ تاپاک فضائیں جن میں سے گذر کر اس کی ضیا کائنات کے ذرہ ذرہ کو مستنیر بنا رہی ہے، مکدر ہو سکتی ہیں۔ باطل کی جمعیت کثیر نے حق کو تہہ و بالا تو کیا کرنا تھا کہ یہ اس کی قوت و طاقت دونوں سے باہر تھا تھوڑی دیر کے لیے حق پرستوں کو جاں فرسا مشکلات کے نرغے میں ضرور اسیر کر دیا جب یہودیوں کے خنجر بکف سپاہی مسلمانوں کی تکا بوٹی کر کے ان کے خون سے اپنی خون آشام روحوں کی پیاس بجھانے کی تلاش میں اس "بیضوی قلعہ" کے قریب پہنچے جس میں داعی حق اور پیغامبر صلح و آشتی اپنے جاں نثار رفیقوں کے ساتھ باطل کی شر انگیزیوں کی مدافعت کے لیے قیام پذیر تھے تو وہ خندق کو دیکھ کر بہت حیران و پریشان ہوئے کیونکہ خندق کے طریق سے جنگ کا ان کے خواب و خیال میں بھی گذر نہ ہوا تھا وہ خندق کو عبور کرنے سے معذور تھے اب سوائے اس کے اور چارہ کار کیا تھا کہ اس بیضوی قلعہ کا محاصرہ کر کے بیٹھ جائیں اور دور ہی سے تیر و سنگ کی بارش کریں۔ یہ صورت حالات کوئی بیس دن تک جاری رہی جس نے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ محاصرین کفار کو سامان رسد اور کمک دونوں ہر وقت برابر پہنچ رہی تھیں مگر مسلمانوں کو ان میں سے ایک چیز بھی میسر نہ آ سکتی تھی ان کا سامان رسد تقریباً ختم ہو چکا تھا اور وہ فاقہ کشی پر مجبور ہو رہے تھے ایک دن دو صحابیوں نے حضور انورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوک کی شکایت کی اور کمر سیدھی رکھنے کے لیے خالی پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے حضور انورؐ نے اپنی قمیص کا دامن

اٹھایا اور مسلمان تڑپ کر رہ گئے جب انھوں نے دیکھا کہ آپ نے بھی شکم مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے ہیں خورد و نوش کی مشکلات کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جو مسلمانوں کے لیے سوہان روح ثابت ہو رہی تھیں۔

حلقہ بگوشان اسلام کی عدیم المثال قوت برداشت :۔

حلقہ بگوشان اسلام کے فقید المثال صبر اور عدیم النظیر قوت برداشت کی تعریف و توصیف احاطہ تحریر سے قطعی باہر ہے سامان رسد کے ختم ہو جانے کی وجہ سے فاقہ کشی تک نوبت پہنچ گئی تھی شب و روز کے محاصرہ نے بیوی بچوں کی طرف سے فکر مند بنا رکھا تھا کیونکہ وہ مدینہ منورہ کے ایک چھوٹے سے قلعہ میں محصور تھے اور مدینہ کا تو ذرہ ذرہ اب ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا شہر کے یہودیوں نے مخالفت اسلام کا بیڑا اٹھا کر مسلمانوں کی مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا منافقوں کی طرف سے بھی جو تو حید پرستوں میں ملے جلے ہوئے تھے ہر وقت کسی نہ کسی خفیہ ریشہ دوانی کا خطرہ دامن گیر رہتا تھا دن کو آفتاب کی تمازت جلتی ہوئی گرم ہوائیں اور تپتی ہوئی ریت۔ رات کو صحت کش شبنم باریاں گویا رات بھی مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بہا رہی ہو شب خون کے خوف کی وجہ سے شب بیداریاں اس پر دشمنوں اور منافقوں کے طعنے مزید رہے کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے خواب دیکھنے والوں کا حال خراب دیکھیے کہ اب ان پر نہ لیٹ بھی دشوار ہو رہی ہے مسلمانوں کا ہی دل گردہ تھا کہ ایسے روح فرسا مصائب کے پھندے میں پھنس کر بھی دب کر صلح کرنے کے خیال کو بھی ہمیشہ پائے استحقار سے ٹھکراتے اور خدائے کارساز کے رحم و کرم اور دستگیری کے لیے دست بدعا رہے۔

شیر خدا حضرت علیؓ کی بے پناہ شمشیر زنی کا کرشمہ :۔

دوران محاصرہ میں باطل پرستوں نے کئی مرتبہ خندق عبور کرنے کی پورے زور شور سے کوشش کی مگر حق پرستوں کی بے پناہ شمشیر زنی نے ان کے دانت کھٹے کر دیے اور وہ اپنی

خون آشام تمناؤں کو عروسِ کامرانی سے ہمکنار دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے ان میں ایک دراز شمشیر اور شیر دل بہادر عمرو بن عبدود نامی تھا جس کی شجاعت اور دلاوری کی دھاک اقصائے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اکیلا ہی ایک ہزار مسلح سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، سرداران یہود خندق عبور کرنے کی لگاتار کوشش کر رہے تھے کہ ایک دن عمرو بن عبدود کی قضا اسے خندق کے اندر لے ہی آئی اسے اپنی شجاعت اور شمشیر زنی پر نازش و افتخار تھا اس نشہ میں مست ہو کر اس نے اپنی تلوار جوہر دار ہوا میں چمکائی اور عرب کے دستور جنگ کے مطابق نعرہ مارا کہ "اگر مسلمانوں میں کوئی بہادر میرے مقابلے کا ہے تو وہ میرے سامنے آئے کہ ذرا اس سے دو ہاتھ تلوار کے میں بھی کر دیکھوں"۔ حضرت علی ایسے شمشیر زن بہادر کو ایسے کلمات اعلان جنگ سن کر خاموش رہنے کی تاب بھلا کہاں تھی تڑپ کر اسلامی صفوں سے باہر نکلے اور عمرو بن عبدود کو نبرد آزمائی کی دعوت دی عمرو بن عبدود کو اپنی قوت بازو پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اس اسلامی نوجوان کے تصور شجاعت کو کسی خاطر میں نہ لایا اور کہنے لگا "نوجوان! تو کیوں اپنی جان کا دشمن ہوا ہے کہ عرب کے ایک شہرہ آفاق شمشیر زن کے مقابلے میں آتا ہے۔ مجھے تیری نوجوانی پہ رحم آتا ہے جا میں تجھ سے نبرد آزمائی نہیں کرنا چاہتا"۔

حضرت علی رضؓ نے اپنی شمشیر جوہر دار ہوا میں چمکائی گویا ایک برق درخشاں تھی کہ فضا کو شعلہ باریوں سے لبریز کر گئی اور کڑک کر کہا "میں واپس جانے کے لیے نہیں آیا میں مرنے یا مارنے کے لیے آیا ہوں اگر تو مجھ سے نہیں لڑنا چاہتا تو میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں پہلا وار کرنے کی تجھے اجازت ہے میں اس کا جواب دوں گا"

عمرو بن عبدود کی رگوں میں شجاعانہ خون کھولنے لگا اس نے حضرت علیؓ پہ تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا شیر خدا نے اپنی سپر پر روکا پھر بھی شہرہ عرب تیغ زن بہادر کی تلوار پیشانی پہ آ ہی لگی اب اس اسلامی نوجوان کا وار تھا اور عمرو بن عبدود کی ساری شجاعت اور دلیری ایک ہی بھرپور ہاتھ سے خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئی اسلامی صفوں سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور کفار کے لشکر سے ایک آہ سرد۔ داعی حق نے آپ کو اس عدیم النظیر شجاعانہ کارگزاری پر "اسد اللہ" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت صفیہؓ کی ایک مردانہ کارگذاری :-

لشکر یہود کے مدینہ پر حملہ آور ہونے سے پہلے مسلمانوں نے اپنے زن وفرزند کو ایک چھوٹے سے قلعہ میں پناہ گزیں کر دیا تھا اور جب وہ خود اپنے "معیفوی قلعہ" میں محصور تھے تو مدینہ کے مخالف اسلام یہودیوں نے فلک کے ستائے ہوئے مسلمانوں کو ستانے کے لیے ایک عیارانہ چال چلی اور چپکے سے ان کے زن وفرزند کو تہہ تیغ کرنے کا فیصلہ کر لیا ایک سفاک یہودی نہایت ہوشیاری سے قلعہ کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور دروازہ کھولنے کے لیے اندر جانے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے اس عیار کو دیکھ پایا اس بہادر عورت کے دماغ نے برق نما تیزی کے ساتھ فیصلہ کر لیا کہ اسے اس صورت میں کیا کرنا چاہیے خیال کی سی تیزی کے ساتھ اس نے خیمہ کی ہی ایک چوب اکھاڑی اور اس ننگ انسانیت یہودی کے سر پہ دے ماری جو عورتوں اور بچوں پر نہایت کمینہ اور بزدلانہ حملہ کے سامان مہیا کرنے میں مصروف تھا اس سخت ضرب سے اس شقی ازل کا سر پھٹ گیا اور وہ نیم بے ہوش سا ہو کر دیوار سے نیچے گر پڑا حضرت صفیہ بھی شہاب ثاقب کی طرح اس کے تعاقب میں اس کے سر پر آن موجود ہوئی اور اپنا خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔ یہودی نے ایک چیخ ماری اور ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت صفیہ نے اس شقی القلب کا کٹا ہوا سر شرقی دروازہ کی طرف قلعہ کے باہر پھینک دیا جہاں بہت سے یہودی کھڑے ایک نہایت کمینہ اور بزدلانہ حملہ کی تیاریوں کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جب ان کے ایک رفیق کار کا کٹا ہوا سر ان کے درمیان آ کر گرا تو ان کا کلیجہ دھک سے رہ گیا ان کو یقین ہو گیا کہ اس قلعہ کے اندر مسلمانوں کی بیکس عورتوں اور معصوم بچے ہی نہیں ہیں بلکہ جنگ آزما بہادروں کی فوج کا ایک دستہ بھی موجود ہے اس لیے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ چپکے سے وہاں سے چل دیں اور اپنے شیطانی ارادوں سے دست بردار ہو جائیں۔ اس طرح فخر کائنات سردار موجودات حضرت محمد مصطفٰے کی بہادر پھوپھی کی عدیم النظیر فراست اور فقید المثال دلیری نے مسلمانوں کے زن وفرزند کی

آبرو در کھ لی۔

شب تار میں صبح کے انوار:۔

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند
چناں اگر نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

شب تیرہ و تار کی منجمد تیرگیاں بھی آخر جلوہ انوار سحر درخشاں میں گم گشتہ ہست و بود ہو کر رہ جاتی ہیں تو پھر جان فرسا مصیبتوں اور جگر دوز عقوبتوں کے متبدل بہ لمحات نشاط و شادمانی ہونے کا ہی ایک مقررہ وقت کیوں نہ ہو ماہتاب درخشاں کی ضیا بار کرنیں گھنگور گھٹاؤں کی تاریک چادر کے کناروں پر سنہری اور روپہلی گوٹ لگا دیتی ہیں تو پھر شاہد حقیقی ہی کیوں اپنے عاشقان زار کے غم کدوں کی ظلمت کو اپنی تجلیوں کے پر تو سے رشک جلوہ زار انوار نہ بنائے۔ روح فرسا مصائب کی گھنگور گھٹائیں مطلع اسلام پر چھا کر برس چکی تھیں اور اب ان کے منتشر ہونے کی گھڑیاں آ پہنچی تھیں تو پردہ غیب سے خود بخود توحید پرستان اسلام کی امداد کے سامان ہونے لگے۔

یہودیوں کی لشکر کفار سے شکر رنجی:۔

شمع اسلام کی ضیا باریاں فانوس باطل میں گھر کر اپنی فطری قوتوں کو معطل نہیں کر بیٹھی تھیں صداقت کی درخشندگی کذب و افترا کی تاریک گھٹاؤں کا سینہ چیر کر اب بھی سعید روحوں کے دل کی دنیا کے ذرہ ذرہ کو متنیر بنانے میں مصروف تھی انہی ایام میں ایک غسطفانی رئیس نعیم بن مسعود ثقفی کے دامن دل کو اسلام کی قرار بخش تعلیم نے اپنی طرف کھینچا اور وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشان دین ہدیٰ میں شامل ہو گیا اس غسطفانی رئیس کا حلقہ اثر و اقتدار بہت وسیع تھا یہودان مدینہ اور قریش مکہ کے دلوں میں یکساں طور پر اس کی قدر و منزلت تھی اس کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر ابھی عالم آشکارا نہ ہوئی تھی اس لیے اس نے اپنے اس دو طرفہ اثر و اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیغامبر صلح و آشتی

سے اجازت سے کر ایک طرزِ عمل سے کام لیا کہ یہودان مدینہ اور کفار کے لشکر کے سردار ابوسفیان میں باہمی شکر رنجی ہو گئی پہلے تو یہ جہاندیدہ رئیس قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسید کے پاس گیا اور اسے یقین دلایا کہ تم ایک غلط راستہ پر گام فرما ہو کر قریش مکہ تو تین سو کوس دور سے آ رہے ہیں اور مسلمان تمہارے قبیلہ کے دوش بدوش مدینہ کی گلیوں میں آباد ہیں۔ قریش کی رفاقت کا کیا اعتبار؟ ان کو شکست بھی ہو گی تو راہ فرار اختیار کریں گے اور تین سو کوس کے فاصلہ پر اور اپنے شہر میں جا کر دم لیں گے مگر تم تو مسلمانوں کی شمشیر خارا شگاف کے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے اور پھر تم کو اپنے کیفر کردار کو پہنچنے سے کوئی طاقت پناہ نہ دے سکے گی اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم قریش مکہ کی رفاقت سے دست بردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو دیدہ و دانستہ قعر ہلاکت میں نہ گراؤ تم ابوسفیان سے کہو کہ اگر اسے تمہاری رفاقت کی ضرورت ہے تو اپنے کچھ معزز سردار بطور یرغمال تمہارے پاس بھیج دے کہ اس صورت میں تمہیں کسی قدر اطمینان تو رہے گا کہ قریش مکہ تمہیں فرزندان اسلام کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار تو نہ ہو جائیں گے۔ کعب بن اسید کے دل میں نعیم بن مسعود کی غایت درجہ عزت اور قدر تھی اور پھر اس کا مشورہ بھی تو نہایت معقول تھا کعب بن اسید کو یقین کامل ہو گیا کہ واقعی میں ایک غلط طرزِ عمل اختیار کر رہا ہوں اس نے نعیم بن مسعود کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی ایک بہت بڑی غلطی پر اسے متنبہ کرنے کی سعادت بخشی۔ کعب بن اسید سے فارغ ہو کر نعیم بن مسعود قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کے پاس پہنچے ابوسفیان اس مشہور و معروف رئیس کی ہر ممکن تعظیم بجا لایا تھوڑی دیر کی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد نعیم بن مسعود نے حالات جنگ پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا اور ابوسفیان سے کہا کہ "میں تمہیں ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جس کے جان لینے میں تمہاری سلامتی کا راز مضمر ہے اور جس سے ناواقف رہنے میں تمہاری تباہی کا سامان پوشیدہ ہے" ابوسفیان چونک اٹھا جیسے کوئی چھوٹا بچہ کسی متوحش خواب کو دیکھ کر چونک پڑے اس نے نہایت بے تابی سے کہا "آپ کی ہر بات ہمارے نزدیک احکام سماوی کا سا حکم رکھتی ہے آپ قابل تعظیم شرفائے عرب میں سے ہیں اگر آپ از راہ عنایت مجھے

اس اہم راز سے آگاہ کریں گے جس کے ساتھ ایک گونہ آپ ہماری قسمت کو دالبستہ بتا رہے ہیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔"

نعیم بن مسعود کے چہرے پر اپنی کامیابی کے خیال سے ایک نیا رنگ آگیا لیکن اس نے ذرا سنبھل کر نہایت پرمتانت لہجہ میں کہا" دوست نما دشمن سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز خطرناک نہیں ہوتی ہر قبیلہ بنو قریظہ کے لوگ جو پہلے مسلمانوں کے ہم عہد تھے اب اگر تم سے رفاقت کے عہد و پیمان کر رہے ہیں تو یہ اخفائے حقیقت کے لیے ایک نہایت عیارانہ چال ہے جسے تم ایسا جنگ آزما اور تجربہ کار سردار بھی اب تک نہیں سمجھ سکا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو شب و روز فرزندان اسلام کے دوش بدوش رہتے ہیں انہیں چھوڑ کر وہ تمہاری رفاقت کا دم کیونکر بھرنے لگیں گے کیا وہ نہیں جانتے کہ تمہاری لشکر آرائی ایک ہنگامی چیز ہے جسے چند روز میں ہی مدینہ کو الوداع کہہ جانا ہے اور اس کے بعد وہ ہر وقت ان مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہوں گے جنہیں تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے فریب دے رہے ہیں۔ ابوسفیان! واقعات کو ان کی اصلی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرو ورنہ وہ دن دور نہیں جب تمہاری افواج قاہرہ کا ایک فرد بشر بھی مدینہ سے زندہ بچ کر جانا ناممکن کے برابر ہو جائے گا بنو قریظہ کے پیش نظر اب یہ مسئلہ ہے کہ کس طرح سے تمہیں مسلمانوں کے پھندے میں پھنسا کر حق ہمسایہ ادا کر سکیں ایک دو دن میں ہی شاید تمہارے پاس کوئی اس قسم کا پیغام آئے گا کہ اگر تم بنو قریظہ کی دائمی رفاقت چاہتے ہو تو اپنے چند ایک معزز سرداروں کو ضمانت کے طور پر ہمارے پاس بھیجو ان معزز سرداروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ آئندہ پیش آنے والے واقعات اس کو بخوبی ظاہر کر دیں گے"، اس کے بعد نعیم بن مسعود نے رخصت چاہی ابوسفیان نے بصد عزت اس معزز مہمان کو رخصت کیا۔ نعیم بن مسعود کی گہری پالیسی کا جادو ابوسفیان پر بھی چل گیا تھا جب کعب بن اسید کی یہ شرط اس کے سامنے پیش ہوئی کہ اگر تم بنو قریظہ سے کسی ہمدردی اور امداد کے طالب ہو تو اپنے چند ایک معزز سردار بطور یرغمال ہمارے حوالے کر دو تو ظاہر ہے کہ وہ کس قدر سٹ پٹایا ہوگا اس نے غضبناک ہو کر کعب بن اسید کو لکھ دیا کہ ہم

اپنا کوئی سردار تمہارے حوالہ نہ کریں گے تمہارا دل چاہے ہمارا ساتھ دو یا نہ دو یہودی سردار نے اس کے جواب میں ابوسفیان کو لکھ دیا کہ ہم تمہاری رفاقت سے دست بردار ہوتے ہیں اب تم ہم سے کسی قسم کی امداد یا ہمدردی کی امید نہ رکھو اب ابوسفیان کو یقین کامل ہوگیا کہ جو کچھ نعیم بن مسعود عنسطفانی نے کہا تھا وہ حرف بحرف مبنی بر صداقت ہے یہ خیال آنا تھا کہ اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ باوجود اپنی جمعیت کثیر کے دشمنوں کے نرغے میں بہت بری طرح پھنسا ہوا ہے وہ توحید پرستان اسلام کے بینوی قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے ایک مہینہ کے قریب ہونے کو آیا تھا اور ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے کسی کمزوری کا اظہار نہیں ہوا تھا وہ کسی صورت قریش کی طاقت کے آگے سر جھکانے کے لیے تیار نہ تھے اس بات نے ابوسفیان کو پہلے ہی دل برداشتہ کر رکھا تھا اب بنو قریظہ کی علیحدگی نے اس کی امیدوں پر اور بھی پانی ڈال دیا۔ مزید براں یہودیوں اور مسلمانوں کی کسی "موہوم" ریشہ دوانی کے خوف نے اس کے ہوش حواس بجا نہ رہنے دیے اور مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی کامیابی کی امید اس کا تو اب خیال بھی فضول تھا۔

پردہ غیب سے سامان ہو گئے:۔

نعیم بن مسعود کی گہری پالیسی اور بہادران اسلام کے عدیم النظیر استقلال نے ابوسفیان کے پائے ثبات میں پہلے ہی لغزش پیدا کر رکھی تھی اب اس کے لشکر جرار کے تشنہ خون فرزندان توحید باطل پرستوں کی متعلہ ریزہ امیدوں پر پانی ڈالنے کے لیے بھی پردہ غیب سے از خود کئی سامان پیدا ہو گئے اُن کی اُن میں ایک گھنگور گھٹا آسمان کی وسعتوں پر چھا گئی اور موسلا دھار بارش ہونے لگی رات کی منجمد تاریکیاں اس پر کالی گھٹاؤں کا ہجوم اور بارش کا زور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا تھوڑی دیر بعد ہوا اس زور و شور سے چلنی شروع ہو گئی کہ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئیں دیکھتے دیکھتے چولھوں پر الٹ گئے کفار کے پاؤں جمنے بھی مشکل ہو گئے سامان رسد پہلے ہی کم تھا اب رہا سہا طوفان باد و باراں کی نذر ہو گیا صاف ظاہر ہے کہ اب دشمنان اسلام کے لیے سر پہ پاؤں رکھ کر

بھاگ نکلنے کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا، پناہ کے لیے کوئی جگہ نہ تھی اس لیے جدھر کسی کے سینگ سمائے ادھر ہی وہ اس قیامت خیز رات کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے لیے چل دیا وہ جو حق کی ناقابل تسخیر طاقت کو اپنی فرعونیت اور نمرودیت کی شیطانی کارگذاریوں سے تہہ و بالا کرنے کے لیے آئے تھے خود ہی تباہ حال اور شکستہ دل ہو کر اپنی چالوں کو صحیح وسلامت لیے کہ گھروں تک پہنچے اسلام کے مقابلے میں عرب کے کفر کی انتہائی شوکت وصولت کا یہ آخری مظاہرہ تھا جو اس ذلت آفریں طریقہ پر پایۂ اختتام کو پہنچا اس کے بعد داعی حق کی حین حیات میں اسلام کو کفار عرب کی ایسی کثیر جمعیت سے کبھی جنگ آزما ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

مسلمانوں کا قدم بنو قریظہ کی بستی میں:۔

رات کو مخبر صادق رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر کفار کے فرار ہونے کی اطلاع بذریعہ وحی مل گئی تھی۔ صبح آپ نے حذیفہ بن الیمان کو لشکر گاہ کفار کی طرف تمام حالات اپنی آنکھوں مشاہدہ کرنے کے لیے بھیج دیا اس نے واپس آکر عرض کی کہ دشمنان اسلام کا کہیں نام ونشان نہیں لشکر گاہ ان کی تباہ حال شکست یابی پر سوگواری کرنے کے لیے قبرستان کی طرح سر بزانو خاموشی میں محو ہے یہ خبر فرحت اثر سنتے ہی مسلمانوں کے دل میں شکر خداوندی کے جذبات موجزن ہو گئے اور ان کے پژمردہ اور اداس چہروں پر نشاط وشادمانی کا رنگ جھلکنے لگا اب حضور انور نے تمام فرزندان توحید کو ایک حکم عام دے دیا کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد سب قبیلہ بنو قریظہ کی بستی کی طرف کوچ کر دیں تاکہ ان دعدہ شکن اور عیار یہودیوں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچایا جائے جنھوں نے مسلمانوں کے ہم عہد ہوتے ہوئے ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا اور ایک ایسے نازک وقت میں جب مسلمانوں کو ان کی مدد کی سخت ضرورت تھی ان سے پہلو تہی ہی نہیں کی بلکہ ان کی مخالفت کا بیڑا بھی اٹھا لیا اور ہدایت و نصیحت کرنے والے بزرگوں کی شان میں بھی گستاخانہ کلمات استعمال کرنے میں دریغ نہ کیا۔ چنانچہ نماز صبح ادا کرتے اور اپنی ظفرمندی وکامگاری پر خدا کا ہزار ہزار شکر

ادا کرنے کے بعد پرستاران توحید نے سرکش بنو قریظہ کی بستی کا رخ کیا۔ شیر خدا حضرت علی رضؓ کو مقدمۃ الجیش کے طور پر اسلامی علم دے کر پہلے روانہ کر دیا گیا اور باقی سب سرفروشان دین متین نماز ظہر کے وقت تک یہودیوں کی بستی میں پہنچ گئے۔

یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ:۔

بنو نضیر کے قبیلہ کا ایک نہایت ہی مفسد، شر انگیز، اور بدباطن سردار حی بن اخطب حضرت علیؓ سے پیشتر بنو قریظہ کے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور یہودیوں کو ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرنے کے لیے اشتعال دلا رہا تھا اسی اشتعال انگیزی ہی کا ناپاک نتیجہ تھا کہ کچھ یہودیوں نے سرور کائنات کی شان پاک میں نازیبا کلمات بھی استعمال کیے مگر حضرت علی کی تشریف فرمائی نے سب کی زبانوں پر قفل لگا دیے تھوڑی دیر بعد جب فرزندان توحید کی ایک معتد بہ جمعیت وہاں آ پہنچی تو یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا تا کہ ان کو ان کی عہد شکنی کا مزا چکھا دیا جائے اور تلوار کی زبان سے بتا دیا جائے کہ سے

پرخاش مسلماں سے ہے پرخاش قضا سے

یہودیوں کی سراسیمگی:۔

بنو نضیر ایسے سرکش یہودی قبیلہ کا شر انگیز اور فتنہ پرداز سردار حی بن اخطب بھی بنو قریظہ کے قلعہ ہی میں اشتعال انگیزی کی غرض سے موجود تھا جب مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو وہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی محصور ہوا یہ محاصرہ بیس تا تیس دن تک جاری رہا اس عرصہ میں یہودی بالکل سراسیمہ ہو گئے اور صلح و آشتی کی ہر ممکن تدبیر پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ انہیں اس کے سوا اور چارہ کار بھی کوئی دکھائی نہ دیتا تھا یوں قلعہ میں محصور ہو کر کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے یہ سامان رسد ختم ہونے کو تھا اور باہر سے کسی قسم کی مدد پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اب حی بن اخطب بھی

اشتعال انگیزی کو بھول کر صلح و آشتی کی ترغیب دینے لگا۔

کعب بن اسید کی تین تجویزیں :۔

مسلمانوں کے محاصرہ سے تنگ آکر بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسید نے اپنے آدمیوں کے سامنے تین تجویزیں پیش کیں جن میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہونے سے اس کے خیال میں یہودیوں کے مصائب کا خاتمہ ہو سکتا تھا اس نے کہا کہ یہ تو اب روز روشن کی طرح آشکارا ہو چکا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی صادق ہیں۔ ہمدرد بنی نوع انسان ہیں، جامع جمیع کمالات انسانیہ ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ان کی رفاقت کا شرف حاصل کرنا خوش نصیبی کا باعث اور حفاظت جان و مال کا موجب ہوگا تو پھر کیوں نہ ہم اس سعادت کے انوار سے اپنے دل کی دنیا تجلی زار بنالیں مگر دوسرے یہودیوں نے جن کے دلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے اس ہدایت و نصیحت کو جو ان کے لیے کامرانی دنیا اور سرخروی دین کا باعث ہو سکتی تھی۔ سرپائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہم اپنے آبائی دین سے منحرف ہونے کے لیے کسی صورت تیار نہیں ہیں ہمارے لیے وہی شاہراہ حیات بہترین ہے جس پر اب تک ہمارے بزرگ گام فرسا رہے ہیں۔

کعب بن اسید نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ ہم خنجر بکف ہو کر اپنے کلیجوں پر پتھر رکھ کر جنگ آزما بہادروں کے ایسے مضبوط دلوں سے پہلے تو اپنے زن و فرزند کو اپنے ہاتھوں تہ تیغ کردیں اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اگر کامیاب و کامران رہے تو زن و فرزند پھر بھی میسر آسکتے ہیں لیکن اگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی تیغ کے گھاٹ اتر تا پڑا تو ننگ و ناموس کی طرف سے تو بے فکر رہیں گے یہودیوں نے اس تجویز پر بھی عمل پیرا ہونے سے انکار کردیا کہ فتح و شکست تو نصیبوں سے ہے ہم پہلے اپنے گھروں ہی کو خونریزی کا میدان کیوں بنائیں۔ اب کعب بن اسید نے کہا کہ اگر تم یہ بھی منظور نہیں کرتے تو ایک تیسری تجویز بھی ہے کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے سبت کے روز ہم خونریزی کو حرام سمجھتے ہیں اسلیے اس روز مسلمان ہماری طرف سے غافل ہوتے ہیں پس ہم اسی روز شبخون ماریں اور

مسلمانوں کو چپکے سے جالیں اس طرح ہماری کامیابی بہت حد تک یقینی ہے مگر یہودیوں نے اس تجویز پر بھی عمل کرنے سے انکار کیا کہ ہم مقدس سبت کی بے حرمتی نہیں کریں گے اب کعب بن اسید کے پاس خاموش ہو جانے کے سوا اور کیا چارہ کار تھا وہ اپنی زریں تجاویز پیش کر چکا تھا مگر اس کے آدمیوں نے ان کو ٹھکرا دیا تھا اس کے دل میں کشاکش نے ایک کرب آفرین جنگ چھیڑ رکھی تھی اسے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب ان کا کیا انجام ہونے والا ہے وہ اس منحوس گھڑی پر لعنت بھیجنے لگا جب اس نے باطل کی سراب نما صولت و شوکت کو دیکھ کر اسلام کی وقعت کو ٹھکرا دیا تھا اور مسلمانوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ کر چکنے کے باوجود ان کی مخالفت کا بیڑا اٹھا لیا تھا نہ وہ اور نہ اس کی قوم عہد شکنی کرتے نہ اس روح فرسا مصیبت میں گرفتار ہوتے مگر اب گذرے ہوئے زمانہ کو واپس نہیں بلایا جا سکتا تھا اب تو پانی سر سے گذرنے والا تھا اس میں غرق ہونے سے بچنے کے لیے کوئی علاج سوچنا تھا۔ کعب بن اسید ہی اس فکر میں مستغرق نہ تھا بلکہ اس کی ساری قوم اپنے کیفر کردار کے نتیجہ سے خائف تھی اور کسی طرح پاداش عمل سے ایمن رہنے کی کوئی تجویز مل جانے کے لیے بے قرار تھی۔

یہودیوں کی صلح و آشتی کی درخواست :۔

بہت غور و فکر اور بحث تمحیص کے بعد مقتدا یان یہود کا فیصلہ اس بات پر ہوا کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن معاذ انصاری کو حکم منظور فرمالیں تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ سعد بن معاذؓ انصاری قبیلہ اوس کا سردار تھا اور یہودیوں کا قدیمی دوست اس لیے بنو قریظہ کو یقین کامل تھا کہ اگر ہماری اس درخواست کو دربار رسالت سے شرف پذیرائی عطا ہو گیا تو ہماری خوش نصیبی میں کوئی شبہ نہیں۔ چنانچہ صلح و آشتی کی یہ درخواست حضور پرنور کی خدمت اقدس میں گذار لی گئی۔ آپ تو خونریزی سے بچنے کی تجاویز پر ہر وقت عمل فرمانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اس درخواست پر جھٹ مہر قبولیت ثبت کر دی یہودیوں کے دلوں میں اس خبر سے مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی کہ جب فیصلہ اپنے ہی ایک دوست کے ہاتھ میں ہے تو پھر فکر کس بات کی ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری کی صداقت پرستی۔

انصار مدینہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ حضور انور نے یہودیوں کے تند د آشتی کے پیغام کو سنا اور آپ نے دوسرے تیسرے شخص کو حکم دیا اور اس کے فیصلہ کو ناطق قرار دیا جائے تو قبیلہ اوس کے بہت سے آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ایام جاہلیت میں جب ہمارے اور خزرج کے درمیان جنگ وجدال کے شعلے بھڑکتے تھے تو بنی قریظہ ہمارے ہم عہد ہوتے تھے آپ نے خزرج کے حکم کے فیصلہ کے مطابق بنو قینقاع کو چھوڑ دیا تھا اس لیے اب کی دفعہ حکم بننے کا شرف ہمارے کسی سردار کو عطا ہونا چاہیے حضور انور نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی تمہارے سردار سعدؓ بن معاذ انصاری کو یہ خدمت سپرد کر دی ہے انصار یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

سعد بن معاذ انصاری جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اور اس وقت زیر علاج تھے اس لیے انہیں کسی سواری میں بٹھا کر حضور انور کی خدمت میں لایا گیا۔ راستہ میں لوگ ان سے کہتے آ رہے تھے کہ اب تمہیں سنہری موقع حاصل ہے اپنے قدیمی دوستوں سے خوب جی بھر کر رعایت کا سلوک کرو مگر ان کا جواب ایک ہی دلیرانہ جواب تھا کہ میں اپنے ضمیر کی میزان میں تول کر فیصلہ دوں گا اور کسی کی رتی بھر رعایت نہ کروں گا بنو قریظہ کو اب بھی یقین کامل تھا کہ سعد بن معاذ ان سے ان کی امیدوں سے بڑھ کر رعایت کا سلوک کریں گے اسی لیے انہوں نے اسے حکم تجویز کیا تھا مگر کسے پتہ تھا کہ وہ مرد خدا جو کچھ کہے گا اپنے ضمیر کا ہمنوا ہو کر کہے گا جو کچھ کرے گا صداقت کے اصول کی پیروی کرتا ہوا کرے گا اس کے غیر متوقع فیصلہ نے یہودیوں کی روشن تمناؤں سے سینکڑوں من پانی ڈال دیا ہے

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سعد بن معاذ انصاری کا غیر متوقع فیصلہ:۔

جب سعد بن معاذ انصاری کی سواری حضور انور کی خدمت اقدس میں پہنچی تو آپ نے انصار کو حکم دیا کہ اپنے سردار کے استقبال کو اٹھو۔ چنانچہ سعد بن معاذ کا خوب پرتپاک استقبال کیا گیا اب یہودان بنو قریظہ کی موجودگی میں آپ کو حکم بنایا گیا سب سے پہلے آپ نے طرفین سے دریافت کیا کہ تم مجھے حکم تسلیم کرتے ہو جواب اثبات میں ملا اب آپ نے یہودیوں سے کہا کہ تم خدا کو حاضر ناظر جان کر میرے اور سب لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کرو کہ تم میرے فیصلہ کو خواہ وہ کچھ بھی ہو ناطق سمجھو گے اور قطعی کوئی چون وچرا نہ کرو گے یہودان قریظہ نے اقرار کر لیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی اقرار لیا گیا اب لوگ ہمہ تن انتظار تھے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہودیوں کو یقین تھا کہ فیصلہ ہمارے حق میں نہایت اچھا ہوگا لیکن ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی اور ان کے چہروں پر قبل از موت مردنی چھا گئی جب سعد بن معاذ انصاری کی زبان سے یہ الفاظ نکل کر مدینہ کی فضاؤں میں گونجنے لگے۔

"میں تجویز کرتا ہوں کہ یہودان قریظہ کو تہہ تیغ کر دیا جائے ان کے زن و فرزند سے اسیران جنگ کا سا سلوک روا رکھا جائے اور ان کے مال و املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں"۔

اس فیصلہ پر ایک مختصر تبصرہ:۔

اب طرفین اپنے اقرار کے مطابق اس فیصلہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور تھے چنانچہ سعد بن معاذ انصاری کی زبان کی ایک معمولی جنبش سے چار سو سے زائد یہودی خاک وخون میں تڑپ کر رہ گئے ممکن ہے کہ موجودہ خیالات کی رو سے اس فیصلہ میں ظلم و ستم اور خونریزی کی ایک جھلک نظر آئے مگر جو کچھ دنیائے جدید میں عملی طور پر یہ وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کے نقطہ نگاہ سے یہ ایک فیصلہ معمولی ہے جس پر کسی کو حرف گیری کی کوئی گنجائش نہیں پھر

اگر یہودیوں کی فریب کاری اور وعدہ شکنی اشتعال انگیزی اور فتنہ پردازی کو سامنے رکھ لیا جائے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ محسن کم جہاں پاک اس بلائے بے درماں کا یہ بہترین درماں تجویز ہوا کہ ایک دشمن صعب سے جو ہر وقت ملک کے امن وامان میں فتنہ وفساد کی چنگاریاں بھڑکانے کے لیے تیار رہتا تھا نجات مل گئی اخلاق اور رحم کرم کے انتہائی اصولوں کے مطابق ممکن ہے اس فیصلہ کو ظالمانہ اور وحشیانہ کہا جا سکتا اگر اس میں ذاتی عناد وکینہ کا کوئی شائبہ موجود ہوتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اسلام کی شکر آرائی ذاتی مفاد سے بلند تر تھی اس کا مقصد صیانت دین متین اور مصالح ملکی تھا اور سعد بن معاذ انصاری کا فیصلہ بھی مصالح ملکی اور صیانت دین متین کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے نہ کہ ذاتی کینہ وعناد کے تحت میں حضور انور تو رحمۃ للعالمین تھے اس لیے آپ نے بعض ایسے موقعوں پر بھی انتہائی رحم وکرم سے کام لیا ہے جہاں مجرم انتہائی ظلم وستم کا سزاوار تھا ورنہ قدرت کو تو مادر مہربان کہا جاتا ہے اپنے بچوں کی ذرا سی بے راہ روی کو بخشنے کی روادار نہیں ہے قدرت میں رحم وکرم کا کوئی شائبہ نہیں ہے صرف انصاف علت اور معلول، سبب اور نتیجہ۔ آگ میں ہاتھ ڈالو ہاتھ جلے گا۔ بلندی پر سے کود و چوٹ آئے گی صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرو بیماری کی مصیبت کے تلخ گھونٹ چکھنے اور ڈاکٹر کا بل ادا کرنے کے لیے تیار رہو پھر کیا وجہ ہے کہ انسان اخلاق کے اصولوں کی خلاف ورزی کرے اور اس کی سزا عبرت ناک نہ ہو؟ یہود ان مدینہ نے صلح وآشتی کا عہد وپیمان کیا مسلمانوں کے ہم عہد رہنے کا معاہدہ کیا لیکن عین اس وقت جب مسلمانوں پر چاروں طرف سے ظلم وستم توڑے جانے لگے اپنے عہد وپیماں کو بالائے طاق رکھ کر ان کے دشمنوں کا ساتھ دے کر ان کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کرنے لگے یہ صلح وآشتی کا معاہدہ یہ دوستی ومحبت کے پیمان آخر کس دن کے لیے تھے؟ کیا ان دنوں کے لیے جب مسلمانوں کا ستارہ اقبال انتہائی عروج پر موجب ملک میں ہر طرف امن وامان ہو یا اس دن کے لیے جب ہر طرف سے مصیبت اور ظلم وستم کی گھنگور گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہی ہوں اور ملک کے امن وامان کے خرمن پر فتنہ وفساد کی بجلیاں کوندنے کے لیے بے تاب ہوں۔ ے

دوست مشمار انکہ در نعمت نہ ند — لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دوست — در پریشاں حالی و درماندگی ،

واقعات کو ان کی اصلی روشنی میں دیکھا جائے تو سعد بن معاذ انصاری کا فیصلہ کسی مزید تبصرہ کا محتاج نہیں ہے یہ روز روشن کی طرح صداقت سے ہمکنار رہے نیز مصلحت وقت کے لحاظ سے بھی بہترین ہے اس صداقت بکنار فیصلہ نے جہاں شیدایان دین توحید کو ایک دشمن قوی کی ہر وقت کی فتنہ پردازیوں سے امین کر دیا وہاں دشمنان اسلام کے دلوں میں مسلمانوں کی شوکت و صولت کا سکہ بھی بٹھا دیا اور یہ صداقت روز روشن کی طرح عالم آشکارا ہو گئی کہ مسلمان فقط رحم و کرم کا مجسمہ ہی نہیں بلکہ وہ سنگین جرائم کی سنگین سزا بھی دینا جانتا ہے اگر وہ اسیران جنگ سے مہمانوں سے بڑھ کر سلوک روا رکھنے کا داعی ہے تو دشمنان حق کا سر تن سے جدا کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا وہ حق کا پرستار ہے حق کے مقابلہ میں اس کے نزدیک اپنی یا دوسروں کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے وہ حق کی قیمت اپنے خون کے قطروں سے ادا کرنا جانتا ہے تو پھر اگر اس کے استحکام کے لیے اس کے دشمنوں کا خون بہانے کو بھی روا رکھتا ہے تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش ہی کیوں ہو؟

حضور انور کی کریم النفسی :-

داعی اسلام حضور انور کو مسلمان عالم کی ایک بہت بڑی تعداد پر اس خصوصیت امتیازی میں ایک خاص شرف و برتری حاصل ہے کہ آپ کا قول و فعل یکساں تھا قول و فعل کا تطابق ایک ایسا نایاب وصف اور کمیاب جنس ہے کہ بازار جہاں کی بڑی بڑی نادرہ روزگار اور شہرہ آفاق ہستیوں کے سوانح حیات میں بھی نایاب ہے لیکن حضور انور کا دامن ایسے بہت سے گوہر ہائے نایاب سے لبریز تھا جن کی درخشندگی سے کائنات کا ہر گوشہ روشن ہو سکتا ہے اسلام جس رحم و کرم اور کریم النفسی و مروت کا داعی ہے وہ دیگر مذاہب کے صحیفوں میں بہت کمیاب ہے جانی دشمنوں سے بھی رحم و کرم کا سلوک

ایک ایسا نایاب وصف ہے جو صف آرایان لشکر اور فاتحان ملک کی مصلحت میں زندگیوں میں تو درکنار امن و امان اور صلح و آشتی کے علمبرداران میں بھی شاذ و نادر ہی ملتا ہے لیکن داعی اسلام نے عملی طور پر اور تعلیم اسلام نے علمی طور پر اپنے جانی دشمنوں سے بھی حتی الوسع رحم و کرم اور مروت و کریم النفسی کا سلوک کرنے کی مثالیں پیش کی ہیں۔ حضور انور کی مروت اور کریم النفسی کی ایک ادنیٰ مثال مندرجہ ذیل واقعہ میں موجود ہے۔

ثمامہ بن اثال کی اسلام دوستی:۔

ملک یمامہ کا ایک سردار ثمامہ بن اثال مشرف باسلام ہوا تو اس نے اپنے ملک میں جا کر قریش مکہ کی طرف غلہ جانا قطعی بند کر دیا ساکنان مکہ کو قلت غلہ کی وجہ سے بہت سی تکالیف کا سامنا ہوا جب حضور انور کو اس بات سے آگہی ہوئی تو آپ نے فوراً ثمامہ بن اثال کو لکھا کہ مکہ کی طرف غلہ بدستور جاتے دیا جائے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ کفار مکہ کس قدر سخت دشمن اسلام تھے وہ دشمن جن کی پیہم کوششوں نے عرب کو سالہا سال تک شعلہ زار جنگ و جدال بنائے رکھا جنہوں نے مسلمانوں کا نام و نشان تختہ دنیا سے نیست و نابود کر دینے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا جنہوں نے داعی اسلام کا سر مقدس تن مبارک سے جدا کرنے والے شخص کے لیے بڑے بڑے انعام مقرر کیے جنہوں نے آپ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا جنہوں نے آپ کی صاحبزادی کا حمل نیزہ مار کر گرایا۔ غرضیکہ جنہوں نے ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی کوشش کی جانی دشمنوں کے بارے میں حضور انور کی اس انتہائی کریم النفسی اور مروت کا زمانہ جدید کی دعویداران تہذیب و تمدن حکومتوں کی ان شرمناک عیارانہ چالوں سے مقابلہ کیا جائے جو انہوں نے ۱۹۱۴ء کی عالمسوز جنگ میں ایک دوسرے کو سامان خورد و نوش سے محروم کرنے کے لیے استعمال میں لائیں تو اس کی قدر و وقعت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ حضور انور کی جنگ آرائی اور لشکر کشی کا مطمع نظر ان خود غرضانہ مقاصد اور مصالح ذاتی سے بہت وقیع اور بلند تر تھا جو زمانہ حال کی استعمار پرست حکومتوں کا

طغرائے امتیاز ہیں۔ اس لیے آپ دشمنوں پر ظفر مندی اور کامگاری حاصل کرنے کے لیے بھی ان انسانیت سوز ذرائع سے کام لینے میں دریغ فرماتے تھے جو موجودہ جنگی طاقتوں کی ایک دوسرے کے مقابلہ میں عیارانہ چالوں کا جزو لاینفک ہیں۔

ہجرت کے پانچویں سال کے دیگر مشہور و معروف واقعات :۔

اسلام کی پرورش ہی تلواروں کے سایہ میں ہوئی تھی اس لیے جنگ و جدال سے اسے بہت کم امن رہنے کا موقعہ ملتا تھا جنگ احزاب کے علاوہ اور بھی کئی جگہ لشکر کشی کی ضرورت پیش آئی کیونکہ عربستان کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا مگر اور کوئی جنگ ایسی مشہور و معروف نہیں ہوئی جس کا تذکرہ اس سال کے واقعات میں ضروری سمجھا جائے جنگی شعبوں کے علاوہ دیگر شعبوں کے کئی واقعات قابل تذکرہ ہیں جو امید ہے کہ ناظرین کی ضیافت طبع اور ازدیاد واقفیت کا باعث ہوں گے۔

شمع عصمت پردہ فانوس میں :۔

اب تک مسلمان عورتیں کھلے منہ آزادانہ طور پر بازاروں میں جا سکتی تھیں مگر اس سال پردہ کی آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ آئندہ شمع عصمت پردہ کے فانوس سے باہر کبھی جلوہ ریز نہ ہو اس سے پیکر نسائیت کے حسن میں اور بھی چار چاند لگ گئے اور اس کی قدر و وقعت عوام کی نگاہوں میں اور بھی بڑھ گئی۔

تیمم کی مشروعیت :۔

ہجرت کے پانچویں سال کے احکامات میں سے ایک حکم تیمم کی مشروعیت بھی ہے جب پرستاران توحید غزوہ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ کو واپس آ رہے تھے تو ایک منزل پر پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا ادھر سپیدہ صبح سحر کا دامن وسیع ہونا شروع ہوا ادھر عاشقان جمال حقیقی کے دل میں جذبات محبت کا ایک وسیع سمندر موجیں مارنے لگا جبیں نیازمیں

آستانہ عالیہ کے لیے سجدے تڑپنے شروع ہوئے مگر وضو کے لیے کہیں سے پانی کی ایک بوند بھی میسر نہ ہو سکی جنگل کا ذرہ ذرہ چھان مارا مگر پانی نہ ملتا تھا اور نہ ملا عاشقان صادق کے دل کی تڑپ کی دیکھ کر علام الغیوب نے اپنے محبوب پر تیمم کی آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کی مشکل کو سہل کیا۔

ناجائز خوشہ چینی جمال کی سزا:۔

کسی پیکر عصمت کے گلشن جمال کو ناجائز خوشہ چینی سے تاخت و تاراج کرنے کی سزا ایک سو درے اسی سال مقرر فرمائی گئی اور نیز پرہیزگار و متقی لوگوں کے زہد و نفس کشی کو بہتان تراشی سے داغدار کرنے کی سزا بھی اسی درے مقرر کی گئی تا کہ کسی نفس پرست کی ہوسناک نگاہیں کسی پیکر عصمت کی طرف اٹھنے سے پہلے دیکھ لیں کہ اسی دنیا میں اس ناپاک فعل کی وجہ سے ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اور محشر کے فیصلہ سے جو عذاب ابدی نصیب ہو گا وہ اس پر مزید رہا اور نیز بہتان طراز اور جھوٹی تہمتیں لگانے والے بھی اس حقیقت کو فراموش نہ کر دیں کہ چاند کے چہرے پر جو خاک اچھالی جائے گی وہ ان کی اپنی روسیاہی کا باعث بھی ہو گی۔

حضرت زینبؓ حضورؐ کے حبالہ عقد میں ایک سخت غلط فہمی کا ازالہ:۔

اسی سال ایک ایسا غیر متوقع واقعہ پیش آیا جس کی ایک گونہ ناقابل فہم نوعیت کی وجہ سے آپ کو کفار و مشرکین عرب نے بہت مطعون کیا اور جس کی وجہ سے اب تک آپؐ کی فقید المثال نفس کشی دشمنان اسلام کے دار و گیر کی آماجگاہ بنی چلی آتی ہے آج ہم اس روز روشن کی طرح صاف اور نمایاں واقعہ پر سے غلط فہمی کی وہ نقاب اٹھانے کی کوشش کریں گے جس کی وجہ سے یہ ایک گونہ ناقابل فہم نوعیت کا حامل بن گیا ہے۔

حضرت زیدؓ آپ کے ایک وفادار و جاں نثار غلام تھے جن کی گردن سے آپؐ نے طوق غلامی اتار دیا تھا اور ایک متبنٰے بیٹے کی حیثیت سے اسے کاشانہ نبوی اور کاشانہ دل

دونوں میں جگہ دے چھوڑی تھی آپ کی ایک پھوپھی زاد بہن حضرت زینب تھی جو حسن و جمال میں چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھی تو کمالات باطنی میں بھی ہر تعریف و توصیف سے بالا تر تھی آپ نے اسے حضرت زید کے حبالہ عقد میں دے دیا تھا مگر حضرت زید چونکہ غلام رہ چکے تھے اس لیے زینب اس سے متنفر رہتی تھی بیوی کی نفرت حضرت زید کی برداشت سے باہر تھی اس لیے ان دونوں ناکام دلوں کی محبت کبھی شمع و پروانہ اور گل و بلبل کی محبت میں تبدیل نہ ہو سکی روز افزوں شکر رنجیوں نے دونوں کی زندگی تلخ بنا دی۔ آخر حضرت زید نے تنگ آکر زینب کو طلاق دے دی بھلا ہو اس متبرک قانون اسلامی کا جس نے دو ناکام تمناہستیوں کے پہلو سے کھٹکتا ہوا خار نکال دیا۔ حضرت زید کو تو شاید حضرت زینب سے بہت کچھ محبت تھی مگر بیوی کی شغافل شعاری اور روز افزوں نفرت نے اس کی زندگی تلخ بنا دی تھی اس لیے باوجود اپنی محبت کے اس نے اپنی متنفر بیوی کو سوائے طلاق دے دینے کے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔

محبت کسی حد تک اختیاری اور بہت حد تک ایک غیر اختیاری جذبہ ہے اس کے لیے اسی حد تک آئین و قوانین تراشے جا سکتے ہیں جب تک عقل و شعور کے تحت ہو مگر جب یہ اندھے جذبہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو تمام آئین و قوانین کی آہنی گرفت سے باہر جا کھڑی ہوتی ہے۔ حضرت زینب کو حضرت زید سے شاید اس وجہ سے بھی محبت نہ ہو سکی کہ اس کا دل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف کا اسیر تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں حضور پرنور کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل کرنے کے جذبات نہایت جوش و خروش سے موجزن تھے وہ بھی آخر ایک عورت تھی دوسری عورتوں کی طرح جس کے سینہ میں دل تھا اور دل میں آرزوں کا ہجوم اور تمناؤں کا اژدھام حضرت زید کے حبالہ عقد میں آجانے کے باوجود اس سے محبت کرنے سے قاصر رہی وہ ہمیشہ اس سے متنفر رہی اس کی غلامی کی یاد کی وجہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے یا دونوں وجوہات سے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقی وجہ کیا تھی۔ طلاق حاصل کر لینے کے بعد حضور پرنور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اپنے دل کی تمنا عرض کی کہ حضور انور مجھے اپنی زوجیت

کا شرف بخشیں مگر آپ متامل تھے کیونکہ یہ بات عرب کے رسم و رواج کے خلاف تھی کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے شادی کی جائے۔ حضرت زینب نے پھر عرض کی کہ میں نے حضور انور ہی کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنے تئیں زید کی زوجیت میں دیا تھا حالانکہ مجھے اس سے کوئی محبت نہ تھی میں نے آپ کی خواہش کو پورا کر دیا ہے اب وقت ہے کہ آپ میرے دامان تمنا کو گلہائے مراد سے پر کریں! یہ سن کر حضور کسی گہری فکر میں مستغرق ہو گئے۔

حضرت زینب کی دلی خواہش کے خلاف اس کو زید کی زوجیت میں دینے کا تلخ نتیجہ آپ دیکھ چکے تھے اب اگر دوبارہ یہی طرز عمل اختیار کیا جاتا تو شاید اس کا حشر پہلے سے بھی زیادہ افسوسناک ہوتا خود اپنے نکاح میں لیں تو زبان خلق کی نشتر کاریوں کا خوف چند روز تک آپ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا رہے آخر کار ساز عالم نے آپ کو بذریعہ وحی اس پیچیدگی سے نکال دیا خداوند کائنات کی خواہش کے مطابق حضرت زینب نے حضور پر نور کے حبالہ عقد میں آ کر اپنی تڑپتی ہوئی تمنا کو پورا کر لیا۔

از منہ قدیم سے اقوام عرب میں یہ رواج چلا آتا تھا کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ عورت سے شادی کرنے کو گناہ کبیرہ کی ذیل میں شمار کرتے تھے مگر چونکہ حق سبحانہ تعالےٰ کو اس قدیم دستور کی بجائے اپنا کوئی نیا دستور قائم کرنا تھا اس لیے بذریعہ وحی حضور انور کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے متبنٰے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کر کے ایک نئے رواج و رسم کی بنیاد ڈالیں۔

دستور قوم اور رواج ملک سے قطع نظر ایک ایسے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے شادی کر لینے میں جو اپنے نطفہ سے نہ ہو کوئی قباحت نہیں ہے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی محبت عطا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس تعلق کو واقفیت اور خون کے رشتے کا رنگ دینا انسانی فطرت اور طاقت دونوں سے بالاتر ہے زبان سے بیٹا کہہ دینے سے محبت کے اعتبار سے ممکن ہے کوئی بیٹا بن جائے مگر خون کے اعتبار سے اس کا بیٹا بن جانا ناممکن ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک حور طلعت حسینہ آپ کے

حبالہ عقد میں آکر اپنے من کی تجلیوں سے آپ کے کاشانہ دل کو تبسم زار بنا دیتی ہے آپ بصد ذوق و شوق حجلہ عروسی میں تشریف لے جاتے ہیں اور اس کے رخ روشن پر سے نقاب اٹھا کر اپنی تشنہ محبت نگاہوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ یکایک برق نما تیزی کے ساتھ آپ کے دماغ میں یہ خیال گذرتا ہے کہ یہ تو وہی حسینہ ہے جسے آج سے چھ سال پہلے فلاں باغ میں ہم دیکھ چکے ہیں اس کی خوبصورت پنکھیا تانگہ میں سوار ہوتے وقت باغ کی سڑک پر گر گئی تھی جسے ہم نے لپک کر اٹھا لیا تھا اور بہن یہ اپنی پنکھیا لیتے جانا کہہ کر اسے واپس دے دیا تھا آپ کو یقین کامل ہے کہ آپ کا حافظہ آپ کو دھوکا نہیں دے رہا۔ حسین چہرہ پر شباب کے رنگ دلوز کی لطیف موجوں اور معصوم آنکھوں میں جوانی کی شوخ مقبول نے نگاہوں کو کسی قدر دھوکا دینے کی کوشش کی ہے مگر تاہم ہم یہ ایک حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ یہ وہی بھولی بھالی ہوش حسینہ ہے جسے کسی دن آپ نے بہن کہہ کر مخاطب کیا تھا مگر جواب جوان ہو کر آپ کی بیوی کی حیثیت میں آپ کی تاریک راتوں کو روشن کرنے کی غرض سے آپ کے پاس چلی آئی ہے خدارا سینہ پہ ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ اب آپ کیا طرز عمل اختیار فرمائیں گے؟ آج سے چھ سال پہلے آپ نے اسے بہن کہہ کر مخاطب کیا تھا اور شاید اپنے پوشیدہ ترین خیالات میں بھی اسے بہن ہی سمجھا تھا مگر براہ عنایت اب بتائیے کہ اب آپ اسے کیا سمجھیں گے؟

اب دستور قوم اور رواج ملک کو لیجیے تو یہ ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے جو گرگٹ کی طرح اپنا رنگ اور چہروں کی طرح اپنا ڈھنگ بدلتی رہتی ہے کسی ملک کا رسم و رواج اس ملک کی تہذیب و تمدن کا پرتو ہوتا ہے اور چونکہ تہذیب و تمدن کو امتداد زمانہ کے ساتھ کمال و زوال ہوتا رہتا ہے اس لیے یہ امید رکھنا کہ کسی قوم یا ملک کا رسم و رواج ہمیشہ یہی رہے گا جو اس زمانہ میں ہے ایک طفلانہ خام خیالی ہے جس میں حقیقت کی کوئی جھلک موجود نہیں جو رواج آج عین شرافت قوم اور فخر ملک سمجھا جاتا ہے بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مستقبل بعید میں وہی رواج ذلت قوم اور لعنت ملک قرار پا جائے یورپین تہذیب و تمدن اور قدیم ہندوستانی تہذیب و تمدن اور ہندوں کے رسم و رواج اور مسلمانوں کا فرق اس بات کا بین

ثبوت ہیں آج سے چند ہزار برس پہلے کے ہندؤں کے طرز معاشرت اور موجودہ زمانہ کے ہندؤں کے طرز بود و ماند میں بعد المشرقین ہے مغربی عورت کی ایک ادا جو اس کے لیے خوش خلقی اور خوش مزاجی کی سند حاصل کر سکتی ہے ایک مسلمان عورت کے لیے انتہائی بے حیائی اور بے شرمی کا تمغہ بن جائے گی اگر کسی شریف ہندوستانی گھرانے کی ایک نوجوان دوشیزہ اپنے کرایہ دار دل کے ساتھ سیر گاہوں میں جا کر خوش گپیاں ہانکتی پھرے تو انگشت نمائے عالم بن جائے گر یورپی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نگاہ سے وہ اپنا ایک ادنیٰ فرض ادا کر رہی ہے اور کسی شک و شبہ کی نگاہ سے اسے دیکھنا گویا اس کی توہین کرنا اور اپنی فرد مائیگی کا بدترین ثبوت مہیا کرنا ہے پس ثابت ہوا کہ جو بات کسی ملک کے طرز تمدن یا کسی قوم کی تہذیب کے خلاف ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ دراصل قبیح بھی ہو ایسی بہت سی باتیں ہیں اور ہو سکتی ہیں جو کئی ملکوں اور قوموں کے رسم و رواج کے خلاف ہیں مگر عقل انسانی اور فطرت صداقت ان میں کوئی قباحت نہیں دیکھتیں۔

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے جس کا جواب مجھے دینا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے عرب کے رسم و رواج کے خلاف ایک متنبے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے کیوں شادی کی؟ اس اعتراض میں میں نے اس بات کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرنے میں دراصل کوئی قباحت ہے بھی یا نہیں اور کیا کسی ملک کا رسم و رواج اور صداقت درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا الگ الگ دو چیزیں ہیں اس میں فرض کر لیا گیا ہے کہ ملک کا رسم و رواج ہی سب کچھ ہے صداقت بھی شرافت بھی اور نیکی بھی اب اعتراض صرف یہ ہے کہ حضرت نے کیوں اس رسم و رواج کو توڑا اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عرب کے ایک اسی رسم و رواج کی کیا سینکڑوں دیگر رسم و رواج کی بھی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں ان کی تو ساری زندگی ہی عرب کے طرز معاشرت خیالات۔ اعتقادات عبادات وغیرہ کے خلاف ایک زبردست صدائے احتجاج تھی جس نے ذرہ ذرہ میں ایک انقلاب کی دنیا پیدا کر دی آپ ایک اسی رسم و رواج کی پابندی برقرار نہ رہنے کا ماتم کرتے ہیں اور ایک زاہد نفس کش پر طرح طرح کی بہتان طرازیاں کرتے ہیں مگر اس نے تو عرب کی تمام

کائنات ہی بدل ڈالی اور ملک کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔

جو کچھ اوپر تحریر ہو چکا ہے اس سے قطع نظر آپ ایک مصلح اعظم سے اس بات کی توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ دنیا کے ہر رواج اور ہر رسم کی پابندی کرے۔ اصلاح کے معنی ہی یہ ہیں کہ جس شعبہ میں کوئی خرابی نظر آئے اس کو بدل ڈالا جائے خواہ ابتدائے کائنات سے لے کر اب تک اس کی پرستش اور پابندی کیوں نہ ہوتی رہی ہو۔ جو مصلح قوم ملک و قوم کے ہر رواج اور ہر رسم کی پابندی کرتا ہے وہ مصلح کس چیز کا ہے۔؟ ایک حقیقی مصلح قوم کی تمام دکمال زندگی اپنی قوم کے رسم و رواج، عادات و اطوار اور طرز و طریق کے خلاف ایک زبردست صدائے احتجاج ہوتی ہے اور اس نئی زندگی کی جسے وہ قوم کے افسردہ اور مردہ تن میں پھونکنا چاہتا ہے ایک کامل و اکمل تفسیر وہ خود ہوتا ہے وہ قوم کو جس شاہراہ ترقی پہ گامزن دیکھنا چاہتا ہے پہلے خود اس پر سب سے آگے آگے چلتا ہے۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے شادی کرنا کسی صورت میں خلاف اخلاق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مصلحت وقت اور ایک نئی راہ و رسم کی داغ بیل ڈال لینے کے خیال کا تقاضا یہی تھا کہ آپ وہی کچھ کرتے جو کچھ آپ نے کیا ہے اس لیے کسی شخص کو جو دلیانہ نہ ہو آپ کے اس عین جائز فعل پہ حرف رکھنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہجرت نبوی کا چھٹا سال

کفار کی عیارانہ چالوں کا ایک ادنیٰ نمونہ

میدان کارزار میں شمشیر بکف ہو کر توفرزندان توحید کے مقابلے میں مشرکین عرب کو کبھی ظفر مندی اور کامگاری نصیب نہ ہوئی ۔ البتہ ان کی عیارانہ چالوں نے بعض دفعہ مسلمانوں کے دلوں کو سخت ٹھیس لگائی شب کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر شبخون مارنا بہادروں کی شان کے شایاں شان نہیں ہے یہ بزدلی کا ایک بدترین مظاہرہ ہے فریب کاری کا ایک ملعون نمونہ ہے مرد میدان جان کی بازی لگا کر دشمنی کرتا ہے مگر بزدل ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتا ہے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے کفار عرب نے بہت سی عیارانہ چالیں چلیں ہم ٔ دن ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آتا رہتا تھا جس میں مسلمانوں کے احسان کا بدلہ تارہ آستینی عنیوہ سے دیا جاتا تھا ذیل میں دو واقعات اس قسم کے درج کیے جاتے ہیں جن سے دشمنان اسلام کے عزائم فاسدہ کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے ۔ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ جو ایک میدانی علاقہ عرینہ کے باشندے تھے ۔ مدینہ منورہ میں وارد ہوئے اور حضور رسالتِ پرنور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بصد رغبت اسلام قبول کر لیا یہ لوگ بظاہر احکام اسلام کی بجا آوری کو اپنا فرض اہم خیال کرتے تھے مگر ان کے باطن میں نہایت خوفناک عزائم فاسدہ کے جذبات خوابیدہ تھے جن کی آتش خاموش بھڑک کر خرمن اسلام میں چنگاریاں گرانے کے لیے کسی مناسب موقع اور فضا کی منتظر تھی ۔ چند روز مدینہ میں قیام کرنے کے بعد انھوں نے دربار رسالت میں عرض کی کہ ہمارا گذارہ بیشتر دودھ پر ہے ہم غلہ کھانے کے عادی نہیں ہیں مدینہ کی غلہ خوری نے ہمارے جسم میں خارش پیدا کر دی ہے ۔ حضور رسالت نے ان کی یہ شکایت سن کر ان کو اندازہ کرم قبا کی پہاڑیوں پر جہاں آپ کے اونٹوں کی

چراگاہ تھی بھیج دیا ان اخوان شیاطین نے اپنی فرضی شکایت سے اپنے پیے من وسلوئے کا سامان مہیا کرالیا تھا اونٹنیوں کا دودھ خوب سیر ہو کر پیا اور خوب لحیم وجسیم ہو گئے اب گویا وہ نشاط آفریں لمحات آپہنچے تھے جن کا ان سیاہ باطن احسان فراموش منافقوں کو انتظار تھا ان کی شر انگیزیوں نے حضور انور کے خادم لیسار نامی کا خرمن زندگی جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس کو نہایت بے رحمی اور سفاکی سے قتل کرنے کے بعد اس کی سر بریدہ لاش کو ایک درخت کی شاخ سے آویزاں کر دیا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لے کر فرار ہو گئے حضور انور کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے کرز بن خالد الفہری کو بیس آدمیوں کا قائد بنا کر ان شیطانوں کے تعاقب میں بھیجا انھوں نے جلد ہی ان احسان فراموش عیاروں کو جالیا اور دست وپا بجولاں مدینہ لے آئے جہاں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا جیسا اس قماش کے ظالم وسیاہ باطن لوگوں کو شایان شان ہوا کرتا ہے۔

کفار کی احسان فراموشی کی ایک اور مثال :-

جب حضور انور بعد اپنے جاں نثار فرزندان توحید کے غزوہ دومۃ الجندل سے مدینہ منورہ کو تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک سردار عیینہ بن حصین نامی خدمت اقدس میں باریاب ہوا اور التماس کی کہ اگر رحمۃ للعالمین میری کچھ دستگیری کریں تو میں قحط سالی کے تباہ کن اثرات سے امن رہ سکتا ہوں قلت بارش کی وجہ سے میری چراگاہوں میں مویشیوں کو شکم سیر کرنے کے لیے تو درکنار ان کی زندگی قائم رکھنے کے لیے بھی گھاس نہیں ہے اگر آپ ازراہ ذرہ پروری اجازت دیں تو میں اپنے مویشی آپ کی سرسبز وشاداب چراگاہوں میں بھیج دوں رحمت للعالمین نے بلا تامل اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سردار نے دو سال تک اس ذرہ پروری سے خوب فائدہ اٹھایا اس کے بعد حضور انور کے احسان فراواں کا معاوضہ یہ دیا کہ آپ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا بنو غفار کے ایک بے گناہ شخص کو خاک وخون میں تڑپا کر اس کی شریک زندگی کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔

آخر مسلمانوں کو مسلح ہو کر تعاقب کرنا پڑا اور ایک صحابی کی جان اس راہ میں ناحق قربان ہوئی اس قسم کے بہت سے تلخ تجربات اٹھا چکنے کے باوجود بھی رحمۃ للعالمین کے رحم و کرم اور ایثار و مروت کا دروازہ ہر کس و مہ کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا ابر باراں کی طرح جس کی لطافت طبع کیلیے شہر اور بن دشت اور چمن میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

اسلامی تاریخ کا ایک مشہور و معروف واقعہ

صلح حدیبیہ

متذکرہ بالا قسم کے بیسیوں چھوٹے چھوٹے دلآزار واقعات اور جنگ فدک وغیرہ کی تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے اب ہم اس مشہور و معروف واقعہ کی طرف آتے ہیں جو اپنے دامن میں اسلامی صلح و آشتی کی ایک فقید المثال نظیر رکھنے کی وجہ میرے نزدیک اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے یہ ایک عہد نامہ ہے جو قریش مکہ اور فرزندان توحید کے درمیان مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہوا اور حدیبیہ کے کنوئیں پر لکھے جانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور رہے۔

فرضیت حج :۔

بیت اللہ کی زیارت، دیار محبوب کی زیارت ہے یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں بڑے بڑے پیغمبروں کی پیشانیاں خداوند کائنات کے حضور سجدہ ریز ہوئی ہیں یہ اس قابل رشک عروس البلاد میں واقعہ ہے جس کی گلیوں کی خاک کو محبوب خدا کے قدموں کی خاک چھونے کا شرف حاصل ہوا ہے عاشقان رسول کے لیے اس کی خاک پاک کے فلانں میں وہ درخشانی اور تابانی موجود ہے جو مہر و ماہ کے جلوہ انوار افشاں پر خندہ زن ہے مہر و ماہ کی درخشانیاں تو فقط ارضی دنداں کو روشن کرتی ہیں مگر بلاد محبوب کی خاک پاک دل کی دنیا کو بھی رشک تجلی زار صد مہر و ماہ بنا دیتی ہے زندگی بھر کم از کم ایک دفعہ خانہ کعبہ کی زیارت کرنا حسب استطاعت شخص کے لیے ایک مذہبی فرض ہے اور علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبہ کا حج

ہجرت کے چھٹے سال فرض ہوا ہے۔

فرزندان توحید کی حج کے لیے روانگی:۔

توحید پرستی کی شمع روشن شرک کی آندھیوں سے بجھ چکی تھی۔ بیت اللہ اگرچہ بیت الاصنام بنا ہوا تھا پھر بھی کعبہ کی حرمت اقوام عرب کے نزدیک مسلم تھی طرز عبادت اگرچہ مسخ ہو چکا تھا مگر جذبہ عبادت اب بھی مشرک دلوں میں موجود تھا اطراف وجوانب سے ہر سال اقوام عرب دلوں میں عقیدت کے جذبات لیے خانہ کعبہ کی زیارت کو آتیں اور ان پیشانیوں کو جو صرف اک خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے بنائی گئی تھیں بے شمار بیکس و بے بس بتوں کے حضور نہایت ذلت سے جھکاتیں اور چلی جاتیں مگر خانہ کعبہ کی خاک پاک جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے بت شکن پیغمبر کے قدموں کی خاک چھونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا اب ایسے فرزندان توحید کی منتظر تھی جن کی گردنیں خداوند کائنات کے آستانہ عالیہ کے سوا اور کسی چوکھٹ پر جھکنے کی ذلت گوارا نہ کر سکتی ہوں جو شرک کے خیال کو بھی سرمایۂ استحقار سے ٹھکراتے ہوں جو ملک عرب کی پیشانی سے بت پرستی کی لعنت کا داغ دھونے کے لیے ہر ممکن قربانی کر رہے ہوں اور جو بیت اللہ کو ان مخلوق خداوندوں کی نحوست سے بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

ایام حج قریب آ رہے تھے کہ داعی اسلام نے اپنے متبعین مخلصین سے زیارت کعبہ کے بارے میں رائے لی تو مہاجرین نے یک زبان ہو کر اپنے انتہائی ذوق و شوق کا اظہار کیا کیونکہ انہیں اپنے وطن سے بچھڑے ایک عرصہ طویل ہو چکا تھا اور ان کی نگاہیں مقتضیات فطرت انسانی کے مطابق اپنے وطن کے در و بام کا نظارہ کرنے کے لیے بے تاب تھیں مہاجرین کے علاوہ انصار کی ایک کثیر تعداد نے بھی اس سعادت سے شرف اندوز ہونے کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ چودہ سو فرزندان توحید کا ایک قافلہ حضور انور کی قیادت میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا اس خیال سے کہ قریش مکہ کو لشکر کشی کا شبہ نہ ہو آپ نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی مسلمان مسلح ہو کر آمادہ سفر نہ ہو صرف

ایک تلوار ساتھ لے جانے کی اجازت تھی وہ بھی برہنہ نہیں بلکہ میان میں پوشیدہ۔

قریش مکہ کی تگ و دو:۔

ادھر سے تو چودہ سو فرزندان توحید احرام باندھے قربانی کے اونٹ اپنے ہمراہ لیے بغیر کسی سامان جنگ کے حج کے لیے روانہ ہوئے اور ادھر کسی نے مکہ میں قریش کو یہ خبر جا سنائی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر جرار ہمراہ لیے مکہ کو فتح کرنے کے لیے آ رہا ہے یہ خبر کیا تھی ایک شعلہ تھا جس نے کفار کے تن بدن میں ایک آگ سی لگا دی انہوں نے سراسیمہ ہو کر افواج جمع کرنے کے لیے اِدھر اُدھر تگ و دو شروع کر دی۔ قبائل عرب کے پاس اپنے قاصد بھیجنے شروع کیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک لشکر جرار اپنے ہمراہ لیے قریش کی طاقت کو تہ و بالا کرنے کے لیے مکہ کی طرف یلغار کرتا ہوا آ رہا ہے۔ چنانچہ اطراف و جوانب اور قرب و جوار سے لوگ اسلحہ جنگ سے مسلح ہو کر آنے شروع ہوئے اور مکہ کے قریب بلدح کا میدان لشکر گاہ بن گیا۔ مشہور شمشیر زن بہادر خالد بن ولید کو سواروں کا ایک دستہ دے کر اع النعیم کے مقام پر" افواج اسلام" سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ غرضیکہ ایک بے بنیاد خبر اور ایک بے اصل احتمال نے ایک بڑا ہنگامہ برپا کر دیا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کے جنگی ارادوں کی اطلاع:۔

کسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قریش مکہ کے جنگی ارادوں اور تگ و دو کی اطلاع مل گئی آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص بشیر بن سفیان کو تحقیق حالات کے لیے بھیجا جو عسفان کے مقام پر مکہ کی تمام خبریں لے کر آپ سے آ ملا اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ قریش نے مزاحمت کا ارادہ کر لیا ہے وہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ اگر مسلمان حج کے ارادہ سے بھی مکہ معظمہ آ رہے ہوں تب بھی ان کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اب یہ قافلہ منزل بمنزل سفر کرتا ہوا کراع النعیم کے مقام پر پہنچا تو خالد بن ولید مسلمانوں کی یکایک آمد کی

اطلاع پاکر اپنے سواروں کے دستہ کو لے کر فرار ہو گیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین کامل ہو گیا کہ قریش مکہ کی نیت میں ضرور فرق ہے مگر آپ کسی جنگی ارادہ سے نہیں بلکہ صرف حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے جا رہے تھے اس لیے آپ نے ان باتوں کا کچھ خیال نہ کیا اور سرگرم سفر رہے۔

چاہ حدیبیہ پر باران رحمت :۔

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر چاہ حدیبیہ پر حضور انور قیام فرما ہوئے وہاں پانی کی سخت قلت تھی چاہ حدیبیہ میں جو تھوڑا بہت پانی تھا وہ بہت جلد ختم ہو گیا اس لیے آپ کے متبعین مخلصین آپ کی خدمت اقدس میں تشنہ کامی کی شکایت لے کر حاضر ہوئے آپ نے براء بن عازب کو اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر عنایت کیا اور فرمایا کہ اسے کنوئیں میں پھینک دو تیر پھینکتے ہی آپ کی روحانی قوت کی برکت سے کنوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا کہ تمام فرزندان توحید کو کافی ہوا۔ پرستاران سائنس اور شیدایان تہذیب تو ممکن ہے میری اس قسم کی تحریروں پر ناک بھوں چڑھائیں اور انہیں میری اوہام پرستی یا کورانہ عقیدت پر محمول کریں مگر میرا اعتقاد ہے کہ عاشقان خدا کی نگاہوں کے اشاروں میں ہی وہ فوق العادت قوت روحانی پیدا ہوتی ہے جو دم زدن میں خشک صحراؤں کو رشک صد لالہ زار اور سرسبز و شاداب گلزاروں کو لق و دق بیابانوں میں تبدیل کر سکتی ہے مگر چونکہ اس نوع کے فوق العادت کرشمے طالبان شاہد حقیقی کی دلچسپیوں کا مرکز نہیں ہوتے اور اس کے علاوہ روشن ضمیر اور صاحب کرامت بزرگوں کی خواہش اپنے کمالات باطنی کو دنیا کی نگاہوں سے چھپائے رکھنے کی ہوتی ہے اس لیے ایسے عجیب و غریب واقعات پرستاران سائنس کی نگاہوں سے بہت کم گذرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شیدایان تہذیب تو ہر اس بات کو جسے ان کی محدود عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے اوہام پرستی کی ذیل میں داخل کر دیتے ہیں مگر اب تو جدید سالوں ہی میں ایسے بہت سے خرق عادات واقعات کئی مشہور و معروف سائنسدانوں کے سامنے روز روشن میں دکھائے گئے تو سائنس کو بھی

اس حقیقت پر مہر توثیق ثبت کرنی پڑی کہ انسان میں ایک ایسی ناقابل فہم لیکن لامحدود روحانی قوت خوابیدہ حالت میں موجود ہے جسے اگر بیدار کر لیا جائے تو کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے اشاروں پر رقص کر سکتا ہے اس روحانی قوت کی پوری خلاقی میں اپنے اس بسیط مقالہ میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا جو میں مستقبل قریب ہی میں معجزات محمدی پر سپرد قلم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

قریش مکہ کے دو صلح جو سردار:۔

جب قریش مکہ کو چاہ حدیبیہ پر فرزندان توحید کے قیام پذیر ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کے ارادے معلوم کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے دو سرداروں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ان میں سے پہلا بدیل بن ورقا خزاعی تھا اور دوسرا حلیس بن علمہ کنانی بدیل بن ورقا نے حضور ختمی مآب کی خدمت میں حاضر ہو کر سب حالات معلوم کیے اور مطمئن ہو کر واپس چلا گیا کہ مسلمان کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں بلکہ حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ آئے ہیں اور ان کو حج سے روکنا کسی صورت جائز نہیں ہو سکتا مگر قریش مکہ کو اس کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی انہوں نے کہا کہ خواہ مسلمان کسی ارادہ سے آئے ہوں ہم ان کو شہر میں داخل ہونے نہ دیں گے۔ اب قبائل احابیش کا سردار حلیس بن علمہ کنانی تمام حالات کی تحقیق و تفتیش کے لیے مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا جب اس نے حج کے احرام باندھے ہوئے قربانی کے اونٹ ہمراہ لیتے ہوئے اور بغیر کسی سامان جنگ کے بے سروسامان مسلمانوں کو دیکھا تو چپکے سے واپس چلا گیا اور قریش سے جا کر کہنے لگا کہ تمہیں تو خبط ہو گیا ہے مسلمان تو حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ آئے ہیں نہ ان کے پاس کوئی سامان جنگ ہے اور نہ ان کے دلوں میں کوئی غبار و کدورت اس لیے ان کو شہر میں بلا تامل چلے آنے کی اجازت ہونی چاہیے۔" قریش نے کہا تم ان باتوں کو کیا سمجھو ہم کسی صورت مسلمانوں کو داخل شہر نہ ہونے دیں گے حلیس بن علمہ کنانی قریش کے یہ الفاظ سن کر چراغ پا ہو گیا اس نے کڑک کر کہا کہ تمہیں کسی کو حج سے روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے مسلمان محض حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔ اب اگر تم ان کو شہر میں داخل

نہ ہوتے دو گے تو میں اپنے قبائل کو ساتھ دے کر تم سے لڑوں گا"۔ قریش نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ شیر کی طرح بپھرے ہوئے اعرابی کی آتش غیظ و غضب دوستی و محبت کے الفاظ سے ٹھنڈی کر لیں انہوں نے اسے آہستہ آہستہ سمجھا بجھا کر اپنی طرف کا کر لیا۔

مسلمانوں کے دو آدمی مکہ معظمہ میں :۔

مسلمانوں نے قریش کے عزائم فاسدہ کے پورے حالات کی تحقیق کے لیے ایک فرزند توحید خراش بن امیہ خزاعی کو مکہ معظمہ بھیجا مگر قریش نے اس کا اونٹ چھین لیا اور اسے اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی اگر حلیس بن علمہ کنانی کے آدمی آڑے نہ آجاتے تو اس کی بے گور و کفن لاش مکہ کے کفرستان میں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آتی جب وہ خونخواران مکہ سے بھاگ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کسی اور آدمی کو مکہ بھیجنے کا فیصلہ کیا کیونکہ مشرکین کے مقاصد و عزائم سے آشنائی حاصل کرنا نہایت ضروری تھا پیشتر اس کے کہ آپ اپنے متبعین مخلصین کو اپنی معیت میں لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوں آپ کی نگاہ انتخاب عمرؓ فاروق ایسے شمشیر زن اور شیر دل بہادر پر پڑی مگر چونکہ اس کے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی شہر میں موجود نہ تھا جو اسے عندالضرورت دشمن سے پناہ دے سکے اس لیے اس خدمت پر عثمانؓ بن عفان مامور ہوئے جن کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے بااثر اور صاحب اقتدار لوگ مکہ میں موجود تھے ان کو شہر میں داخل ہوتے ہی اپنے قبیلہ کے ایک بارسوخ شخص ابان بن سعید بن العاص مل گئے ان کی پناہ میں آپ قریش کے پاس پہنچے تاکہ ان کو فرزندان توحید کے نیک ارادوں سے واقف کر کے صلح و آشتی کا پیغام دیں اور بغیر کسی جنگ و جدال کے شہر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر سکیں مگر قریش کب کسی کی سننے والے تھے ان کو تو اسلام سے خدا واسطے کا بیر تھا انہوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو تم کو اجازت دے سکتے ہیں کہ تم اکیلے بیت اللہ کا طواف کر لو۔ مگر مسلمانوں کی اس جمعیت کثیر کو جو چاہ حدیبیہ پر ڈیرے ڈالے پڑی ہے ہم کبھی شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے قریش کا یہ جواب سن کر کہا "یہ ناممکن ہے کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

اور دیگر برادران اسلام کے بغیر اکیلا خانہ کعبہ کا طواف کروں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر برادران اسلام کا نام سنتا تھا کہ قریش آپے سے باہر ہو گئے اور عثمان بن عفان کو اپنی حراست میں لے لیا۔

بیعت رضوان :۔

فرزندان توحید کی عثمان بن عفان کے انتظار میں آنکھیں سفید ہو گئیں مگر ان کو نہ آنا تھا نہ آئے اتنے میں کسی شخص نے خبر دی کہ عثمان کو تو قریش نے قتل کر دیا ہے اس ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کا خیال کر کے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا کہ ہم تو عمرے کی نیت سے آئیں اور صلح و آشتی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں مگر قریش ہمارے صلح جو قاصدوں کو قتل کر کے آتش جنگ بھڑکائیں اچھا اگر ان کا ارادہ یہی ہے گو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں اب ہماری تلوار بن عثمان بن عفانؓ کا انتقام لیے بغیر میان میں داخل نہ ہوں گی حضور سالنور نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب سے بیعت لی سب جاں نثاروں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کیا کہ اگر قریش مکہ نے عثمان بن عفان کو قتل کر دیا ہے تو ہم ان سے جنگ کریں گے اور جب تک ہمارے جسم میں خون کی آخری بوند بھی باقی ہے میدان چھوڑ کر ہرگز فرار نہ ہوں گے ہمارے پاس سامان جنگ نہ سہی مگر ہمارے دل مضبوط ہیں اور ہم قریش کے مفسدہ پرداز جنگ جو نوجوانوں سے خوف زدہ نہیں ہو سکتے ہم ان کو بتلائیں گے کہ ایک بے گناہ کو تہ تیغ کر دینے کا نتیجہ کس قدر خونچکاں ہوتا ہے جب سب فرزندان توحید حضور سالنور کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے تو عثمان قریش کی حراست سے نکل کر آ گئے اور مسلمانوں کی جان میں جان آئی ان کو ایسا معلوم ہوا گویا عثمان اپنی قبر سے اٹھ کر آ گئے ہیں۔

عروہ بن مسعود کی طعنہ زنی کا دندان شکن جواب :۔

قریش مکہ نے بنو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود کو اپنا وکیل بنا کر مسلمانوں کے پاس

بھیجا اس نے آتے ہی حضور انور کی خدمت میں نہایت گستاخانہ طریقے سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تو اس فاقہ زدہ اور بے سروسامان لشکر کے بھروسے پر مکہ فتح کرنے آیا ہے یہ تو قریش کے جنگ آزما بہادروں کی شوکت وصولت کی دیکھ کر ہی راہ فرار اختیار کر لیں گے اور تم کو کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی فرزندان توحید کو اپنے محبوب ومطاع پیغمبر کی شان اقدس میں ایسے گستاخانہ الفاظ سننے کی بھلا کہاں تاب تھی۔ چنانچہ ابوبکر صدیق نے آگے بڑھ کر عروہ بن مسعود کو اس کی طعنہ زنی کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اسے یہ امید نہ تھی کہ حضور انور اپنے متبعین مخلصین میں اس قدر محبوب ومکرم ہوں گے کہ فرزندان اسلام ان پر ہزار جان سے شیدا ہوں گے اور ان کی شان میں کوئی سخت کلمہ سننا گوارا نہ کر سکیں گے جب عروہ بن مسعود کا مزاج ذرا درست ہو گیا تو حضور انور نے اپنی زبان حقیقت ترجمان سے یوں گوہر فشانی کی " قریش سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں میں جنگ کے ارادہ سے نہیں آیا ہوں بلکہ میرا ارادہ تو زیارت کعبہ ہے لیکن تمہاری روز افزوں سخت گیریوں کو دیکھ کر اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر تمہاری قوم مجھے اپنے اس نیک وپاک ارادہ سے بھی باز رکھنے کی کوشش کرے گی تو میں ان سے لڑوں گا اور اس وقت تک لڑوں گا جب تک کہ میری ہڈیاں گوشت سے الگ نہ ہو جائیں یا اللہ تعالےٰ اپنا کوئی نیا حکم نہ دے۔

عروہ بن مسعود کو "ساعد شکن" جواب :-

ایک دفعہ اپنے گستاخانہ طرز تکلم کا ترکی بہ ترکی جواب سن کر بھی عروہ بن مسعود کے ہوش وحواس پورے طور پر بجا نہ ہوئے اور اس کا مزاج اچھی طرح اصلاح پذیر نہ ہوا تھا اب جب کہ وہ حضور انور سے " جنگ گفتگو" میں مصروف تھا تو اپنے جوش میں اپنا ہاتھ پھیلا پھیلا کر آپ کی ڈاڑھی تک لے جاتا تھا مغیرہ بن شعبہ کو اس بے ادب کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری اور اس نے اپنی تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ پہ دے مارا اور با ادب طریقہ سے گفتگو کرنے کی ہدایت کی یہ "ساعد شکن" جواب پا کر عروہ بن مسعود کی آنکھیں کھلیں

اور اس کا مزاج اچھی طرح اصلاح پذیر ہوگیا وہ سمجھ گیا کہ میں سخت غلط فہمی میں مبتلا تھا یہ لوگ کسی طرح اپنے قائد کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں یہ تو اس کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔

حضور انورؐ کی قدر و عظمت :۔

جب عروہ بن مسعود حضور انورؐ کا ارادہ حج معلوم کرنے کے بعد قریش کے پاس واپس گیا تو جو کچھ اس کی نگاہوں نے دیکھا تھا اس نے قریش کو دکھانے کی کوشش کی جو کچھ اس کے کانوں نے سنا تھا اس نے ان کو بھی سنانے کی کوشش کی اور جو کچھ اس کے دل نے محسوس کیا تھا وہی کچھ اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی محسوس کرانا چاہا اس نے کہا میں نے اکاسرہ ایران اور ہر اقلہ روم کے پرستان دشوکت دربار دیکھے ہیں مگر کسی مطلق العنان اور صاحب جاہ وحشم بادشاہ کو بھی اپنے محفل نشینوں میں اس قدر محبوب و مکرم نہیں پایا جیسا کہ اس نقیر منش قائد کو اپنے متبعین میں۔ اس کے رفیق کار اور اس کے پیرو اس کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو ہر دم تیار ہیں وہ اپنی جان سے دست بردار ہونا بصد خوشی پسند کر لیں گے مگر اس سے جدا ہونا انہیں کسی قیمت پر منظور نہ ہوگا وہ اس کی ایک گونہ پرستش کرتے ہیں اس کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے ہاتھوں پر لیتے ہیں آنکھوں پر لگاتے ہیں جب وہ گفتگو کرتا ہے تو نہایت ادب سے سنتے ہیں اور پاس ادب سے اس کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھتے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم جس طرح سے بھی ہو سکے اس سے صلح و آشتی ہی کا سلوک روا رکھیں وہ حج کے ارادہ سے آیا ہے مصلحت اسی میں ہے کہ اس کو بصد خوشی حج کر لینے دیں اس کی مخالفت کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا۔

قریش مکہ کا مختار کل :۔

اب قریش مکہ نے بہت سی بحث و تمحیص کے بعد سہیل بن عمرو کو اپنا مختار کل بنا کر

مسلمانوں کے پاس بھیجا تاکہ جس طرح سے بھی ہو سکے ان کو اس سال عمرے کے ارادہ سے بھی باز رکھنے کی کوشش کرے اور ایک معاہدہ صلح و آشتی کا بھی مرتب کرا لائے جب سہیل حدیبیہ پہنچا تو مخبر صادق نے فرمایا کہ اب سہیل آگیا ہے اس لیے معاملہ بھی سہل ہو گیا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا صلح و آشتی کا معاہدہ مرتب ہو گیا اور شاید ایک خونخوار جنگ ہوتے ہوتے رک گئی اس معاہدہ کی شرائط میں وہ شواہد و دلائل پنہاں ہیں جو اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ مسلمانوں کو خونریزی سے سخت نفرت اور صلح و آشتی سے غایت درجہ محبت تھی ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایسے موقعہ پر جب کہ قریش مکہ ان کے ایک مذہبی فرض کی ادائیگی میں بھی مزاحم ہو رہے تھے ان کی سخت گیری کا جواب نیزہ کی نوک اور تلوار کی دھار سے نہ دیتے مگر چونکہ یہ مذہبی فرض ایک سال کے لیے ملتوی بھی کیا جا سکتا تھا اس لیے آپ نے اس التوا کو خونریزی پر ترجیح دی اور جس طرح بھی ہو سکا صلح و آشتی کا معاہدہ مرتب ہونے میں آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی اور بظاہر نہایت ذلت آمیز شرائط پر صلح کی کیا ان شرائط کو پڑھ کر بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو صلح و آشتی سے محبت نہ تھی۔؟

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی شرائط

۱۔ فرزندان توحید اگر حج کے ارادہ سے آئے ہیں تو وہ اپنا یہ ارادہ اگلے سال پر ملتوی کر دیں اور یہ ضروری ہے کہ جب حج کے لیے آئیں تو مسلح ہو کر نہ آئیں ہر شخص کو صرف ایک تلوار کی اجازت ہو گی وہ بھی میان میں بند ہونی چاہیے۔

۲۔ اس صلح و آشتی کے معاہدہ کی میعاد دس سال ہو گی اس عرصہ میں قریش ایک دوسرے کے جان و مال سے قطعاً متعرض نہ ہوں گے۔

۳۔ فریقین کو حق حاصل ہو گا کہ عرب کے جس قبیلہ کے ساتھ چاہیں ہم عہد ہو جائیں اور اسی طرح قبائل عرب کو بھی اجازت ہو گی کہ کوئی قبیلہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہے ہم عہد ہو جائے اور اس صلح و آشتی کے معاہدہ کی تمام شرائط ان ہم عہد قبائل

میں بھی نافذ ہوگی۔

۴۔ اگر قریش کا کوئی آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جا گزیں ہو جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

صلح و آشتی کا جذبہ فراواں :۔

پیغامبر امن کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں صلح و آشتی کے جذبات کا ایک بحر بیکراں موجزن تھا مندرجہ ذیل دو باتیں بھی اسی بحر کی دو امن پاش لہریں ہیں۔ نگارش معاہدہ کی خدمت حضرت علی کے سپرد ہوئی آپ نے حسب قاعدہ اسلامی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے آغاز کیا تو سہیل بن عمرو معترض ہوا کہ عرب کے قدیم طرز نگارش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باسمک اللہم سے شروع کرو۔ ہم تمہارے اس اسلامی قاعدے کو تسلیم نہیں کرتے حضور انور نے فرمایا اچھا علی جس طرح یہ چاہتے ہیں اسی طرح لکھ دو۔ حضرت علی نے قدیم روش کے مطابق معاہدہ کی پیشانی پہ باسمک اللہم لکھ دیا اس کے بعد معاہدہ کی شرائط میں جب حضور انور کا نام "محمد رسول اللہ" لکھا تو سہل بن عمرو نے اس پر بھی اعتراض کیا کہ محمد رسول اللہ مت لکھو فقط محمد بن عبد اللہ لکھو کہ یہی بات تو بنائے مخاصمت ہے اگر ہم محمدؐ کو رسول اللہ تسلیم کر لیں تو پھر مصالحت ہی نہ ہو جائے۔ حضور انورؐ نے فرمایا سہیل تم میری تکذیب کرتے ہو مگر خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اس کے بعد حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے لفظ کو قلمزن کر دو اور اس کی بجائے بن عبد اللہ لکھ دو مگر حضرت علی کی محبت فراواں نے جو آپ کو حضور انور سے وابستہ کیے ہوئے تھی اس بات کو گوارا نہ کیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے لفظ پر قلم پھیر دے جب حضرت علیؓ متامل نظر آئے تو حضور نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ کہ وہ لفظ کہاں ہے میں خود اس کو قلمزن کیے دیتا ہوں۔ حضرت علی نے اس مقام پہ انگلی رکھ دی جہاں رسول اللہ کا لفظ لکھا ہوا تھا اور رسول اللہ نے خود قلم اٹھا کر صلح و آشتی کی خاطر اس لفظ کو کاٹ دیا۔ آہ جذبہ مصالحت کا کس قدر فقید المثال نمونہ!

ظلم وستم کی ایک دلدوز داستان:-

نگارش معاہدہ کا کام پایہ انجام کو پہنچ چکا صحرائے عرب کی دو عظیم الشان قوتوں میں ایک خونریز جنگ کے آثار ناپید ہو گئے اور کچھ دیر کے لیے مصالحت ظاہری کی بنیاد مستحکم ہو گئی عین اسی وقت کفار کے ظلم وستم کی ایک دلدوز داستان مسلمانوں کے کانوں میں پہنچی مصیبت زدہ ابو جندل کفار کی حراست سے کسی طرح بھاگ کر مسلمانوں کی پناہ میں آ گیا تھا اس کا "جرم" صرف اس قدر تھا کہ وہ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو کر گوشہ گیر اسلام ہو گیا تھا اس ناقابل معافی خطا کی پاداش میں وہ کفار قریش کے ظلم وستم کے تیروں کا ہدف بنا اسے گرانبار بیڑیاں پہنائی اسے گرفتار زندان کیا گیا زدوکوب سے اس غریب کے جسم پر نشان ڈال دیے گئے اس حالت بے چارگی میں اب وہ اپنی مصیبتوں کی دلدوز کہانی اپنے برادران اسلام کو سنا کر ان کی امداد کا خواہاں تھا ان کی پناہ کا طالب تھا وہ مصیبت کے قفس اور ظلم وستم کے زندان سے رہا ہو کر آیا تھا مسلمانوں کے سایہ عاطفت میں آزادی اور آرام کا سانس لینے مگر معاہدہ کی چوتھی شرط نے مسلمانوں کے دست امداد کو نہایت مضبوطی سے جکڑ دیا تھا عہد وپیمان کی زنجیروں میں صلح وآشتی کے معاہدہ میں۔ ابو جندل کو پناہ دینا معاہدہ کی شرائط سے انحراف کرنا تھا اسے واپس کرنا ایک طالب حق ایک شیدائے صداقت کو باطل کے ظلم وستم کے تیروں کی آماجگاہ بنانا تھا مسلمانوں کا دل خون ہوا جاتا تھا۔ شرائط طے کرتے وقت بھی وہ سمجھتے تھے کہ حضور ان ذلت آمیز شرائط پر معاہدہ ترتیب کر رہے ہیں اب تو انہیں اس معاہدہ کی چوتھی شرط ایک گرانبار ذلت محسوس ہونے لگی جو برداشت نہ کی جا سکتی جس کا تسلیم کرنا ایک مصیبت زدہ کی مصیبت میں اور بھی زیادہ اضافہ کرنا تھا ایک مظلوم پر اور بھی ظلم روا رکھنا تھا ایک فریادی کی فریاد سننے سے انکار کرنا تھا۔ اور ایک انصاف طلب کو داد بے انصافی دینا تھا۔ حضور نے بھی یہ سب کچھ محسوس کیا۔ مگر ایک ایسی جنگ خونریز سے جس میں سینکڑوں بے گناہ اور ہزاروں گناہ گار خاک وخون میں تڑپ کر رہ جائیں گے ایک فرد واحد پر ظلم وستم روا رکھنا مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک داد طلب کے ساتھ بے انصافی روا رکھی جا سکتی ہے ۔ بہرحال اب معاہدہ ترتیب ہو چکا تھا اور اس کا پاس ضروری تھا معاہدہ کے پاس سے قطع نظر حضور انور نے ابو جندل کے والد سہیل بن عمرو سے درخواست کی جس طرح ایک دوست ایک دوست سے درخواست کرتا ہے ۔ جس میں انسانیت کے پاس کے سوا اور کوئی شرط نہیں ہوتی کہ ابو جندل کو ہمارے پاس رہنے دو ۔ تو یہ تمہارا ہم پر احسان ہو گا۔ اور اس غریب پر رحم و کرم مگر اس ظالم نے کچھ نہ سنا ۔ کچھ نہ مانا اور اپنے جگر گوشہ کو تبدیل مذہب کے جرم کی پاداش میں زد و کوب کرتا ہوا مکہ کی طرف لے چلا ۔ مسلمانوں کے دل تڑپ گئے ۔ یہ انسانیت سوز ظلم ۔ یہ زہرہ گداز ستم ۔ ایک لرزہ پیہم بن کر مسلمانوں کے دلوں پر طاری ہونے لگا مگر وہ مجبور تھے ۔ بہادروں کا ایک گروہ تھا مگر ہتھیاروں سے خالی رحم و کرم کے مجسمے مگر معذور ۔

حضرت عمرؓ کی رگوں میں خون کا جوش :۔

ایک شیدائے اسلام روح کا یوں گرفتار زندان مصیبت ہونا اور حلقہ بگوشان اسلام کا یوں تماشائیوں کی حیثیت سے کھڑے دیکھنا اور دل مسوس کر رہ جانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکنا ایک ایسا واقعہ نہ تھا ۔ جسے عمر فاروقؓ ایسا بہادر جن کی رگوں میں غیرت اسلامی اور حمیت انسانی کا خون نہایت جوش و خروش سے گردش کر رہا تھا ۔ خاموشی سے برداشت کر لیتا وہ مجبوری و بے کسی ظلم و ستم اور گرفتاری و دل آزادی کا یہ انسانیت سوز مظاہرہ دیکھ کر تڑپ اٹھا اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور انور سے سوال کیا کہ کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں ؟ آپ نے فرمایا بے شک میں ایک نبی برحق ہوں ۔ عمرؓ نے پھر دریافت کیا کیا ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں ؟ آپ نے فرمایا ۔ بے شک تم لوگ مسلمان ہو حضرت عمرؓ نے پوچھا اور کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں ؟ حضور انورؐ نے جواب فرمایا بیشک وہ لوگ مشرک ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آ کر کہا تو پھر ہم دین کے معاملے میں ایسی ذلت آمیز باتیں کیوں گوارا کریں ۔ ایک شیدائے حق ہدف ستم باطل ہو اور ہم تماشائیوں کی حیثیت سے دیکھا کریں اور دست تاسف ملا کریں ۔ یہ کہاں کا انصاف اور یہ کہاں کی

اسلامی حمیت ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ علیم و بصیر اور حکیم و کریم خداوند کائنات کا ایسا ہی حکم ہے میں اس کے حکم سے ہرگز سرتابی کرنے کی جراءت نہیں کرسکتا عمر تمہیں کیا خبر کہ اس حکم میں کیا حکمت خداوندی مضمر ہو۔ خدا کی مصلحتیں بعید از قیاس اور بالاتر از فہم ہیں۔ تمہاری نگاہیں اپنی محدود قوت بصری سے مستقبل بعید کو دیکھنے سے قاصر ہیں ممکن ہے کچھ دنوں بعد یہی ذلت آفریں شرائط معاہدہ تمہیں مصالح و حکم سے بہرہ ور نظر آنے لگیں بہر حال کچھ بھی ہو میں حکم خداوندی کے آگے سر جھکانے کے سوا اور کچھ چارہ کار نہیں دیکھتا اس وقت ہمارا یہی فرض ہے اور اسی میں ہماری بہتری کا راز مضمر ہے۔ اس وقت کو عمر رضی فاروق جوش غیظ و غضب میں بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب طبیعت کی تیزی ذرا کم ہوئی اور مزاج اعتدال پر آیا تو اسے اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا۔ کہ میں نے کس قدر ادب شکن جرات اور منافی شان مسلم گستاخی سے کام لیا کہ اپنے روحانی پیشوا کے دربار میں اس برہم زن کائنات مزاج کے ساتھ حاضر ہوا کہ گویا تمام دنیا کے ایسے خیالات و واقعات کو جن کی مصلحت و وقعت سمجھنے سے میرا دماغ قاصر ہو اپنے پاؤں کی ایک ٹھوکر سے پامال کر دینے کا تہیہ رکھتا ہوں۔ اس ندامت اور شرمندگی نے جو ایسے خیالات سے اس کے دل میں پیدا ہوئی اس کے دل کو تمام عمر یکسر خلش و اضطراب بنائے رکھا حضور انور سے معافی مانگی اللہ کی راہ میں بہت کچھ دیا مگر اس گستاخانہ واقعہ کی یاد نے اسے تمام عمر ندامت سے سرنگوں رکھا۔ اس شرمندگی کا نقش اس کے دل سے کبھی محو نہ ہوا۔ اور یہی وہ چیز ہے جو صفائے نفس کی محرک ہے۔

فتح مبین

صلح حدیبیہ بظاہر حضور انور نے نہایت ذلت آمیز شرائط پر کی تھی مگر اس میں ایک نہایت گہری حکمت خداوندی مضمر تھی جسے سمجھنے کے لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نبی برحق کے دماغ کی ضرورت تھی۔ عام مسلمان اس صلح کو اپنی ذلت کا ایک نہایت افسوسناک

مظاہرہ سمجھتے تھے۔ اس لیے خداوند کریم و بصیر نے عام مسلمانوں کے اطمینان خاطر اور آسودگی قلب کے لیے ایک آیت نازل فرمائی جس میں صلح حدیبیہ کو ایک قسم کی "فتح مبین" سے تعبیر فرمایا گیا۔ اس سے کچھ مسلمانوں کو تشویش و اضطراب تو دور ہو گیا مگر کچھ بدستور پریشان رہے لیکن مستقبل قریب میں ہی پیش آنے والے واقعات نے اس بات پر مہر توثیق ثبت کر دی کہ صلح حدیبیہ واقعی ایک فتح مبین ہی کا پیش خیمہ تھی۔ اس کی ذلت آمیز شرائط ہی میں ملک و ملت کے امن و امان اور انسانی فلاح و بہبود کا راز مضمر تھا۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے قطع نظر اس وقت بھی اگر بنظر عمیق دیکھا جاتا تو یہ صلح جسے عام مسلمان اپنی "شکست فاش" قرار دے رہے تھے۔ ان کو فتح مبین ہی نظر آتی۔ اسلام کی جنگ و جدال صلح و آشتی اور امن و امان کے لیے مخصوص تھی۔ پھر جب ان شرائط پر بغیر تلوار کو میان سے نکالنے کے خونریزی کا سدباب ہو گیا تو یہ اسلام کی فتح ہوئی یا شکست؟ اسلام کی سب سے بڑی ظفرمندی یہ نہیں کہ وہ ملک کو شعلہ زار جنگ و جدال بنا دے بلکہ اس کی سب سے بڑی ظفرمندی شعلہ زار جنگ و جدال کو فردوس زار امن و رافت میں تبدیل کرنا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند نظری نے دیکھ لیا تھا اور ان شرائط پر جنہیں عربوں کی اقتدار پسند طبیعت ذلت آمیز قرار دے رہی تھی۔ صلح و آشتی کا معاہدہ مرتب کر کے ملک کو جنگ کی شعلہ ریزیوں اور خونچکانیوں سے امین کر دیا تھا اگر حضور انور ذرا سی اقتدار پسندی کے جذبے سے بھی کام لیتے تو ہزاروں سر تن سے جدا ہو کر رہ جاتے سینکڑوں عورتیں بیوہ اور سینکڑوں بچے یتیم ہو جاتے مگر آپ نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے متبعین مخلصین کی کثرت رائے کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بغیر تیر و تلوار کے وہ حیرت انگیز کارنمایاں کر دکھایا۔ جسے جنگجویان اسلام تیر و تلوار کی قوت سے بھی سرانجام نہ دے سکتے اور پھر یہ "ذلت آمیز شرط" بھی کہ اگر مسلمان کا کوئی آدمی مدینہ سے مکہ آ جائے تو قریش اسے مسلمانوں کو واپس نہ دیں گے لیکن اگر قریش کا کوئی آدمی مدینہ آ جائے تو مسلمانوں کو واپس دینا ہوگا زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ خود قریش اس کے منسوخ کر دینے پر مجبور ہوئے۔ ان حالات کا تذکرہ قلت گنجائش کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ہجرت نبوی کا ساتواں سال

خیبر کے یہودیوں کی شر انگیزیاں

فرزندانِ اسلام قریش کی ستم ایجادیوں کی طرف سے کچھ امین ہوئے تو خیبر کے یہودیوں نے فتنہ انگیزیوں اور مفسدہ پردازیوں پر کمر باندھ لی اور قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ دراصل جنگ خندق کی شکست فاش نے ان کے جذبات عناد کی بھڑکتی ہوئی آگ کو فرو کرنے کی بجائے پوری طاقت سے شعلہ زن کر دیا تھا اور اب انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ان توحید پرستوں کا نام و نشان صفحہ دنیا سے مٹا کر ہی چین لیں گے جنگ احزاب کے وقت بھی انھوں نے مرنے مارنے کے قول و اقرار کیے تھے، مگر پردہ غیب سے کچھ ایسے سامان پیدا ہوئے کہ ان کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ اور وہ نہایت بے کسی کی حالت میں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہ بات ان کے لیے کچھ کم قابل شرم نہ تھی انھوں نے محسوس کیا کہ ان کی بہت بری طرح مٹی پلید ہوئی ہے اور جب تک فرزندانِ توحید کے خون سے اس شکست کے داغ کو نہ دھوئیں گے، عرب کی خود دار اور حریت پرست قوموں کی محفل میں منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گے۔ پہلی ناکامی سے درس احتیاط لے کر انھوں نے اب پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ سامان جنگ تیار کرنا شروع کیا۔ ریگستان عرب کے بہت سے مشہور و معروف قبائل کو اپنا ہم عہد بنایا وہ منافقین مدینہ کو بھی اپنے دام فریب میں اسیر کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اسی طرح مسلمانوں کے ارادوں اور سرگرمیوں سے مدینہ سے قریباً سو میل دور بیٹھے ہوئے بھی باخبر رہنے لگے۔ دشمن اسلام قبائل کے جنگ آزمودہ بہادر جوق در جوق یہودیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے اور تقدیر ان کی شکست بداماں سرگرمیوں پر خندہ زنی کر رہی تھی۔ باطل نے کئی مرتبہ حق کی

سنگ خارا ایسی مضبوط چٹانوں سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ رہا تھا مگر اب بھی اسے ہوش نہ آئی تھی۔ حق کی پشت پناہ قدرت کا زبردست ہاتھ تھا اور باطل اپنی تمام فرعونیت اور نمرودیت کے باوجود بھی حق کی ایک ٹھوکر سے تحت الثریٰ تک پہنچ جانے والا تھا۔

خیبر کی شاندار فتح

یہودیوں نے اپنی تمام دشمن اسلام کارروائیوں کو انتہائی حزم و احتیاط سے پردہ اخفا میں رکھنے کی کوشش کی تھی مگر پرستاران حق پر ان انسانی خفیہ ریشہ دوانیوں کا بھید کھل گیا۔ اور اسلامی لشکر کا قائد اعظم اپنے تمام جاں نثاروں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا ان کی سرکوبی کے لیے خیبر جا پہنچا۔ خیبر میں یہودیوں کے چھ مشہور قلعے تھے اور سب مضبوط اور مستحکم۔ مگر شجاعان اسلام نے بہت جلد اپنی باطل شکن قوتوں سے ان کو فتح کر لیا۔ اس آویزش میں ۹۳ یہودیوں اور ۱۵ فرزندان توحید کے خون میں ریگستان عرب کے ذروں کی پیاس بجھائی مسلمانوں کے لیے خیبر کی فتح بہت شاندار فتح تھی۔ دشمن کی سرکوبی بھی ہو گئی اور مہاجرین کے آئندہ تمول کا پیش خیمہ بھی یہی فتح ثابت ہوئی۔ کیونکہ خیبر کی زمین بہت زرخیز تھی اور یہودیوں نے نصف پیداوار بطور تاوان جنگ دینے کے اقرار پر صلح کر لی تھی۔ اس سے بہت جلد مسلمان خوشحال ہو گئے۔ حضور انور کے حصے میں فدک کی زمین آئی۔ اور اس کی آمدنی سے آپ اپنے بیوی بچوں کی کفالت اور یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری فرماتے رہتے۔ اس جنگ کے تفصیلی حالات قلت گنجائش کی وجہ سے نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کا منتہائے مقصود خونچکاں داستانوں کا اعادہ نہیں ہے بلکہ عزم و استقامت اور اخلاق و صداقت کے ان بلند ترین اصولوں کو قارئین کرام کے پیش نظر کرنا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان عظمت و شوکت اور ارتقار ترقی کے انتہائی عروج پر پہنچ سکتا ہے۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ کا ذکر اس لیے ذرا تفصیل سے کر دیا گیا ہے کہ ناظرین کرام اسلامی جنگ کے فلسفہ سے کسی قدر واقفیت حاصل کر سکیں۔

حضورِ انور کا پیام مختلف تاجداروں کے نام :-

حضورِ انور کی حیات طیبہ کا منتہائے مال تو تبلیغ و اشاعت اسلام ہی تھا مگر کبھی کبھی ان کو اپنے راستہ سے خس و خاشاک دور کرنے کے لیے تیغ کی شعلہ افشانیوں سے بھی کام لینے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور لاجرم اس حالت میں کچھ دیر کے لیے اسلام کے نشر و اشاعت کی ترقی بھی رک جاتی تھی۔ جب باطل اپنی فرعونیت سے حق کو فنا کر دینے کی دھمکی دیتا تھا تو آپ کو اس کی سرکوبی کے لیے ادھر مصروف ہونا پڑتا تھا۔ اور جب اس طرف سے فارغ ہو چکتے تو اپنے دل و دماغ کی تمام قوتوں کو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کر دیتے اب کفر و باطل کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر پانی پڑ چکا تو آپ نے ریگستان عرب سے باہر کی قوتوں کو اسلام کے جھنڈے تلے لانے کی ٹھانی اور کئی بڑے بڑے ذی جبروت بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے اور اپنے جان نثار قاصدوں کے ہاتھ روانہ کیے۔ ان خطوط کی تفصیل میں دوسری جلد کے لیے انتظار کھتا ہوں۔ یہاں صرف ایک خط کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ہرقل روم کو حضورِ انور کی دعوت اسلام :-

روم کے مطلق العنان شہنشاہ کی مغرور سرکش گردن کو حقانیت اسلام کے آگے جھکانے کے لیے داعی حق نے جو خط لکھا تھا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"یہ خط محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہے ہرقل کے نام ہے جو روم کا سردار اور رئیس ہے اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیرو ہے اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو اسے قبول کرے گا۔ تو اللہ تعالےٰ تجھے دوگنا اجر دے گا بصورت دیگر تمام ملک روم کا گناہ تیرے سر ہوگا اہل کتاب! آؤ ہم اس بات کی پیروی کریں جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کے سوا کسی کو اپنا مسجود اور معبود نہ بنائیں۔ اور اگر تم اس پیغام وحدانیت

کے قائل نہیں ہو۔ تو گواہ رہو کہ ہم اس کے قائل ہیں،،

حضرت دحیہ کلبیؓ کو یہ دعوت نامہ لے جانے کا شرف حاصل ہوا۔ عرب کا ایک عیسائی خاندان جو حوران علاقہ دمشق پر حکومت کرتا تھا، ہرقل روم کا نائب تھا۔ اس لیے دحیہ کلبیؓ پہلے اس کے پاس پہنچا۔ ہرقل روم ان دنوں چونکہ بیت المقدس میں مقیم تھا اس لیے دحیہ کلبیؓ بمعہ مکتوب نبویؐ کے وہاں بھیج دیے گئے۔ ہرقل روم نے یہ دعوت نامہ پڑھا اور اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ملے تو اسے دربار میں حاضر کرو۔ حضرت دحیہ کلبیؓ بھی ان ایام میں وہیں ٹھہرے رہے۔ چند روز بعد سرداران ہرقل دشمن اسلام ابوسفیان کو دربار میں لائے جو ان دنوں اتفاق سے بغرض تجارت روم آیا ہوا تھا۔ دحیہ کلبیؓ کی امیدوں پر اوس سی پڑ گئی۔ جب اس نے اسلام کے ایک دشمن ازلی کی صورت دیکھی مگر اسے کیا خبر تھی کہ صداقت رسولؐ نے اس کے دل میں بھی گھر کیا ہوا تھا اور اس کی مخالفت اسلام اور مخالفت رسول محض ایک نمائش ہے عربی خودداری کی۔ ایک مظاہرہ ہے سرداری وقار کا کہ قریش یوں نہ کہیں کہ ہمارا سردار بھی اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اپنے آبائی دین سے منحرف ہو گیا ہے۔

صداقت رسول کی ایک درخشاں مثال:۔

"صداقت خود اپنے خلاف ایک طوفان اٹھاتی ہے جو اس کے بیجوں کو دور دور تک پھیلا دیتا تھا"۔ ہندوستان کے نادرہ روزگار شاعر ٹیگور کے یہ الفاظ اپنے اندر ایک ناقابل انکار حقیقت پنہاں رکھتے ہیں وہ صداقت کیسی درخشاں اور ناقابل انکار ہے جس کا سکہ دشمنوں کے دلوں پر بھی رواں ہوا۔ ابوسفیان کیسا سخت دشمن اسلام اور دشمن رسول تھا جو ناظرین گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔ ان کے لیے یہ اور کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ اس نے ہر ممکن موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ اسلام اور پرستاران اسلام کا نام و نمود تختہ دنیا سے نیست و نابود کر دے مگر ہرقل روم کے دربار میں اس کی زبان بھی صداقت رسول میں رطب اللسان ہو رہی گئی شہنشاہی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر اس نے

کذب وافترا پردازی سے باز رہنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اس کی زبان نے واقعات کی ان کی اصلی صورت میں ترجمانی کر دی۔ ہرقل روم نے بھرے ہوئے دربار میں اسے طلب کیا اور اس وقت اس متلاشی حقیقت شہنشاہ اور اس دشمن اسلام سردار کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ہرقل :۔ تم اس مدعی نبوت سے ذاتی طور پر واقف ہو؟

ابوسفیان :۔ جی ہاں وہ میرے ہی خاندان میں سے ہے۔

ہرقل :۔ تم اس کے حسب نسب کی نسبت کیا جانتے ہو؟

ابوسفیان :۔ سوائے شرافت کے میں اور کچھ نہیں جانتا۔

ہرقل :۔ اس کے خاندان میں پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان :۔ قطعی نہیں۔

ہرقل :۔ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان :۔ ہرگز نہیں۔

ہرقل :۔ کس قسم کے لوگوں نے اس کی دعوت اسلام کو قبول کیا ہے؟

ابوسفیان :۔ زیادہ تر غربا و مساکین نے۔

ہرقل :۔ اس کے عقیدت مندوں میں روز افزاں ترقی ہوتی جا رہی ہے۔ یا اس کا حلقہ اثر کم ہو رہا ہے؟

ابوسفیان :۔ اس کے عقیدت مندوں میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔

ہرقل :۔ تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے بھی دیکھا ہے؟

ابوسفیان :۔ قطعی نہیں۔ اس کی صداقت تو مکہ میں ضرب المثل ہے اور دعوئے نبوت سے پیشتر بھی لوگ اسے صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔

ہرقل :۔ وہ اپنے وعدے کا پکا اور قول کا سچا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان :۔ میں نے آج تک اسے اپنے اقرار کی خلاف ورزی کرتے نہیں دیکھا لیکن اب جو حدیبیہ کا معاہدہ ہوا ہے اس میں دیکھیں کہ اپنے قول و اقرار

پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

ہرقل :۔ کبھی کوئی قوم اس سے جنگ آزما بھی ہوئی ہے ؟

ابوسفیان :۔ ہم خود کئی مرتبہ اس سے جنگ کر چکے ہیں۔

ہرقل :۔ جنگ کا نتیجہ کیا رہا ؟

ابوسفیان :۔ دونوں پلہ برابر۔ کبھی وہ غالب اور کبھی ہم غالب۔

ہرقل :۔ اس کی تعلیم کیا ہے ؟

ابوسفیان :۔ اس کی تعلیم بالکل سیدھی سادھی ہے۔ لیکن ہمارے آبائی دین کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کے سوا کسی کو معبود و مسجود نہ بناؤ۔ بت پرستی سے قطعی احتراز کرو۔ ایک دوسرے کو بھائی سمجھو۔ خدا کی زمین پر دنگہ و فساد مت کرو۔ پرہیزگاری اختیار کرو۔ جھوٹ سے دور بھاگو وغیرہ وغیرہ۔

قیصر روم کی حق شناسی :۔

قیصر روم ایک حق شناس اور حق پرست شہنشاہ تھا۔ اس نے ابوسفیان کے جواب کے بعد اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ داعی اسلام ایک شریف خاندان میں پیدا ہوا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ خداوند تعالےٰ اچھے شریف خاندانوں ہی کو پیغمبروں کی ولادت کا شرف بخشتا ہے۔ تم یہ بھی مانتے ہو کہ اس کے خاندان میں اس سے پہلے کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ اس کا دعویٰ نبوت بھی خاندانی اثرات کا پر وردہ ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یقین کرتا کہ اس کی کوششیں اپنا گذشتہ اقتدار و اختیار حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ تم یہ مانتے ہو کہ اس کے پیروکار زیادہ تر غرباء و مساکین ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ تمام بانیان مذاہب کی تعلیم پہلے پہل غرباء ہی میں پھیلی ہے۔ تم نے اقرار کیا ہے کہ اس کے عقیدت مندوں میں روزانہ افزوں ترقی ہو رہی ہے اور اس کا حلقۂ اثر و اقتدار روز بروز بڑھ رہا ہے۔ لاریب وہ نبی برحق ہیں۔ کیونکہ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہوا کرتا۔ تم نے تسلیم کیا ہے

کہ اس کی صداقت ضرب المثل ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ علمبرداران دین وملت کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ تم مانتے ہو کہ وہ اپنے قول کا سچا اور اپنے وعدے کا پکا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ انبیائے برحق ہمیشہ اپنے قول کے سچے اور وعدے کے پکے ہوتے ہیں تم کہتے ہو کہ ہم نے اس سے جنگیں بھی کی ہیں اور ان میں کبھی وہ غالب رہا ہے اور کبھی تم ربانیان مذاہب کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب بھی آتے ہیں اور کبھی ان سے مغلوب بھی ہوتے ہیں۔ اس کی تعلیم کی نسبت جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل عرب کو خالص حق پرستی کی صراط مستقیم پر لے جانا چاہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ داعی حق وہی نبی آخر الزمان ہے جس کا بڑی دیر سے اہل کتاب کو انتظار تھا۔ مجھے امور سلطنت نے بہت مصروف کر رکھا ہے۔ ورنہ میں خود ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقانیت اسلام کے سرچشمہ سے فیض یاب ہوتا۔ شیدایان حق کو چاہیے۔ کہ علد از جلد اس کی تعلیمات و تلقینات مستفیض ہونے کی کوشش کریں۔

علمائے نصرانیت کی تیوری پر بل :۔

ہرقل روم کے دربار میں علمائے نصرانیت کی بھی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ جب انہوں نے شہنشاہ کو اسلام اور داعی اسلام کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان دیکھا تو تعصب اور تنگ نظری سے ان کی پیشانیوں پر شکن پڑ گئے اور اس کے یہ صداقت آمیز کلمات نوک نشتر کی طرح ان کے دل میں چبھ گئے۔ جب ہرقل کی دوربین اور موقعہ شناس نگاہوں نے اپنے درباریوں اور علمائے کرام کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار دیکھے تو اس نے مصلحت جلسہ برخاست کر دینے میں دیکھی اور دحیہ کلبی ؓ کو تخلیہ میں بلا کر سمجھایا۔ کہ میرے لیے اپنے اراکین دربار اور علمائے مذہب کی ناراضگی کی قیمت پر اسلام کا سودا مہنگا ہے۔ اس لیے پیغمبر اسلام مجھے معاف رکھیں گے اگر میں علی الاعلان حلقہ بگوش دین حنیف ہونے سے انکار کر دوں۔ میرے دل میں داعی توحید کے لیے عقیدت مندی اور نیازکیشی کے جذبات موجود ہیں۔ ان کا اور ان کی تعلیم کا احترام

کرتا ہوں اور اپنے پوشیدہ ترین خیالات میں کوشاں رہوں گا کہ ان کے لائے ہوئے پیغام پر عمل کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر سکوں۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے گا اور میری مجبوری کی وجہ بات بھی ان پہ واضح کر دیجیے گا۔ اس کے بعد وحیہ کلبی رضؓ کو حضور انورؐ کے لیے تحف و ہدایا دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

زیارت کعبہ کی کامیاب تمنائیں:۔

ناظرین گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور انورؐ اپنے متبعین مخلصین کو اپنی معیت میں لے کر کعبہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ مگر صلح حدیبیہ کی ایک شرط پہ عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ کو ناکام واپس آنا پڑا تھا۔ اس سال جب حج کے دن قریب آئے تو وہ ناکام تمنا پھر زندگی کے جوش سے لبریز ہو گئی اور معاہدہ کی شرط بھی اب کے سال مزاحم نہ ہو سکتی تھی۔ اس لیے آپ دو ہزار پرستاران توحید کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ معاہدے کی شرط کے مطابق صرف ایک تلوار ہر مسلمان کی کمر کی زینت تھی۔ باقی تمام ہتھیار قریہ بطن میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ مسلمانوں نے بصد ذوق وشوق کعبہ کا طواف کیا اور حج کے دیگر مناسک ادا کیے۔ پھر تین دن کے بعد وہاں سے واپس مدینہ کو روانہ ہو پڑے۔

ہجرتِ نبوی کا آٹھواں سال

حیاتِ نبوی کی سب سے شاندار فتح

کفر و باطل نے اسلام و حقانیت کے خرمن میں فتنہ و فساد کی چنگاریاں پھونکنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا۔ فرزندانِ توحید کا نام و نشان ایک حرفِ غلط کی طرح صفحۂ عرب سے مٹا دینے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا تھا۔ مگر ان کی ہر خنجر بکف کارگزاری ان کی رگِ حیات کے لیے ہی نوکِ نشتر کا کام کرتی رہی۔ جو خاک انھوں نے اسلام کی صداقت کے چاند پر اچھالنے کی کوشش کی، وہ خود ان کی آنکھوں میں پڑی۔ اور جو فتنہ انھوں نے اسلام کو نیست و نابود کر دینے کے لیے اٹھایا۔ اس نے اسلام کی جمعیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا۔ ان کی زحمتیں اسلام کے لیے خدا تعالےٰ کی رحمتوں کی صورت میں نمودار ہوئیں۔ ان کے ظلم و ستم نے اسلام کو خالقِ ارض و سما کی رافتوں کے آغوش میں دے دیا۔ قدرت کی نگاہوں نے ان کی ستم ایجادیوں کو دیکھا۔ اور تقدیر کے زبردست ہاتھ نے آخر اس پالنے کو ایک طرف کر ہی لینا چاہا۔ پردۂ غیب سے وہ سامان نمودار ہوئے جنھوں نے ان مغرور و سرکش کفار و مشرکین کی گردنیں بھی حقانیت اسلام کے آستانۂ عالیہ پر جھکائیں جن کی جوہر دار تلواریں مسلمانوں کے خون کے لیے ہر وقت تشنہ کام رہتی تھیں۔ وہ قریش جو معاندت و مخالفت دینِ ہدیٰ کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ زمانہ کی ایک مستانہ کروٹ کے ساتھ رت بدلتے ہی اس کی معاونت و اعانت پر تل گئے۔ مکہ معظمہ کی گلیاں جن کے در و دیوار سے بت پرستی اور شرک برستے تھے۔ تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں خانہ کعبہ جو صدیوں سے بیت الاصنام بنا ہوا تھا۔ پھر ایک دفعہ بیت اللہ بن گیا۔

قریش کی دل آزار عہد شکنی :-

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب کو طرفین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہم عہد ہو جانے کی اجازت ہوگی اور جو قبائل اس طرح طرفین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہم عہد ہوں گے۔ ان پر بھی اس صلح نامہ کی شرائط پورے طور پر نافذ ہوں گی عرب کے دو مشہور قبیلے جن میں عرصہ دراز سے سخت دشمنی اور عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس معاہدہ میں شریک ہو گئے تھے۔ بنو خزاعہ کو فرزندان توحید کے ساتھ ہم عہد ہونے کا شرف حاصل ہوا اور بنو بکر نے قریش کی ہم عہدی منظور کی۔ اب صلح نامہ کی شرائط کے مطابق ان دونوں قبیلوں میں بھی صلح و آشتی کے تعلقات قائم ہو گئے اور تھوڑی دیر تک قطعی امن و امان رہا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے جذبات معاندات اب نہیں بھڑکیں گے مگر ابھی ڈیڑھ سال ہی گزرنے پایا تھا کہ اس دبی ہوئی آگ کی چنگاریاں سلگ اٹھیں۔ قریش نے معاہدہ کی دھجیاں اڑا کر علی الاعلان بنو بکر کی معاونت پر کمر باندھ لی۔ بنو بکر نے رات کی تاریکیوں میں بنو خزاعہ پر نہایت بزدلانہ اور سنگدلانہ حملہ کیا۔ اور ان کے بیوی بچوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ مظلوم لوگوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ مگر وہاں بھی ان ظالموں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے خون کی چھینٹیں کعبہ میں بھی بکھیر دیں۔ بنو بکر کی ستم ایجادی کی ریشہ دوانی اور بھی قابل مذمت ہو جاتی ہے۔ جب حقیقت کو بے نقاب کر دیا جائے کہ انہوں نے بنو خزاعہ کو بلا کسی سبب کے چپکے سے رات کے وقت جا ڈالا بنو خزاعہ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ آج رات کو یہ خونچکاں آفت آنے والی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ قریش نے بھی مسلح ہو کر ان مظلوموں کی خون آشامی میں حصہ لیا اور معاہدے کے پاس کو نقش و نگار طاق نسیاں بنا کر اپنے معاندانہ اور مفسدانہ طرز عمل کا بدترین مظاہرہ کیا اور صلح و آشتی کے خرمن میں فتنہ و فساد کی چنگاریاں پھونک کر امن و امان کی فضا کو شعلہ زار جنگ و جدال بنانے کا سامان پیدا کر لیا۔

دربارِ نبوی میں بنو خزاعہ کی فریاد:۔

مظلوم بنو خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد بدیل بن ورقا کی قیادت میں ہمدرد بنی نوع انسان حضور انور پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفےٰ واحمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں داد طلبی کی غرض سے روانہ کیا۔ آپؐ نے ان ستم دیدوں کی داستان درد بڑے غور سے سنی اور ان کو ہر طرح سے اطمینان دلایا کہ اب بہت جلد ایسے ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کی تلافی ہو جائے گی۔ آپ اب بھی صلح و آشتی کے تہہ دل سے خواہاں تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ملک فتنہ و فساد کا گہوارہ بنے مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قدرت قریش کی سرکشی اور معاندانہ روش کے پس پردہ مسلمانوں کی فتح و ظفر مندی کے جلوے دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ حضور انورؐ داعی صلح و امن نے اپنے ایک قاصد کو قریش کے پاس اس غرض سے روانہ کیا کہ ان کو اس مسلم آزاد طرز عمل اور اس معاہدہ شکن رویے کی طرف توجہ دلا کر اس کی تلافی کے لیے اکسائے اور آئندہ کے لیے ایسے افسوسناک مظاہرہ عہد شکنی سے تائب ہو جانے کی صلاح دے مگر قریش نے اپنے غرور و تکبر کے جوش میں اس قاصد کو ایسا دل شکن اور تیز و تلخ جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم مسلمانوں کے محکوم نہیں ہیں جو ان کو اپنے طرز عمل کا جواب دیں۔ جو کچھ ہم کو اچھا معلوم ہوا وہ ہم نے کیا اور آئندہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ ہم کسی معاہدہ کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے۔

تنگ آمد بجنگ آمد:۔

قریش کے وحشیانہ اور مفسدہ طرز عمل پر کسی مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں اس پر ستم یہ کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوتے انھوں نے اس پر فخر و مباہات کا اظہار کیا اور صلح و آشتی کے علمبردار کی ایک واجب درخواست کو اپنے غرور و تکبر سے یوں ٹھکرا دیا۔ گویا تمام روئے زمین کے وہی مطلق العنان شہنشاہ ہیں کہ جیسے چاہیں کریں کوئی معترض ہونے والا نہیں۔ قریش کے اس جارحانہ اقدام ظلم و ستم اور رویہ عہد شکنی

کو دیکھ کر بھی اب اگر مسلمان چپکے ہو رہتے تو ان کی ستم ایجادیں خدا جانے کیا قیامت برپا کرتیں۔ اس لیے اب حضور انور نے ان کی روز افزوں مسلم آزار روش کی باز پرس تیر و تلوار کی زبان میں ہی ضروری سمجھی۔ اور شجاعان اسلام کے لیے دربار رسالت سے نیا ہی جنگ کا فرمان صادر ہو گیا۔

انصاف طلب مسلمانوں کا عسکر جرار :۔

اس دن تک جب کہ انصاف طلب مسلمانوں کے ایک لشکر جرار نے قریش مکہ کے ظلم و ستم کی باز پرس کے لیے مدینہ منورہ سے باہر قدم رکھا، کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس قبیلے کی سرکوبی کے لیے جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں یہ سب کچھ اس طرح خفیہ طور پر چپکے چپکے ہو گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ بارہ ہزار شجاعان اسلام کا ایک لشکر تیر و تلوار سے مسلح ہو کر مکہ معظمہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر جا خیمہ زن ہوا۔ اور دور اندیش اور مصلحت شناس حضور انور کے حکم کے مطابق دور دور تک چاروں طرف پھیل گیا۔ ہر ایک قبیلہ نے الگ الگ آگ روشن کی۔ اس طرح بارہ ہزار کا لشکر دور تک پھیل کر جنگجو بہادروں کا ایک ٹڈی دل معلوم ہونے لگا۔ جو کسی چشم تماشائی کے لیے سامان حیرت بن کر رہ جانے کے لیے کافی تھا۔

قریش کی سراسیمگی :۔

دامن کوہ میں دن بھر بھیڑ بکری چرانے والے چرواہوں نے شام کی یاس انگیز تاریکیوں میں جب قریش کو اطلاع دی کہ تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک عظیم الشان جمعیت سامان جنگ سے لیس اور صبح کی منتظر ڈیرے ڈالے پڑی ہے۔ قریش کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہوں نے سراسیمہ ہو کر تحقیق واقعہ اور تلاش عافیت کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ ان کا سردار ابوسفیان کئی اور سرداروں کو ہمراہ لے کر اپنی آنکھوں سے یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھنے کے لیے آیا۔ جس کا ذکر ہی سن کر ساکنان مکہ کے چہروں پر خوف و خطر سے موت کی سی

مردنی چھا گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اس نے چاروں طرف آگ روشن دیکھی اور ہر طرف ایک جمعیت کثیر کے قیام کے آثار دیکھے تو وہ گھبرا گیا کہ اب تو شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائیگی اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کی کس کو تاب ہوگی۔ اور پھر یہی شب درمیان ہے۔ صبح نہ ہم ہوں گے اور نہ ہمارا اقتدار۔ وہ حیرت زدہ اِدھر اُدھر دیکھتا آرہا تھا کہ اتنے میں حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب ایک خچر پر سوار اُدھر آنکلے۔

دشمن اسلام ابوسفیان حضور انور کی خدمت میں:۔

حضرت عباس نومسلم تھے اور ہجرت کر کے معہ زن و فرزند کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں لشکر اسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضور انورؐ نے آپؓ کے زن و فرزند کو تو مدینہ بھیج دیا اور آپ کو شامل لشکر اسلام کر لیا۔ اب حضرت عباسؓ اپنے قرابت داروں اور دوست و احباب کا حشر دیکھ کر بتقاضائے فطرت انسانی کے مطابق ان کے لیے بہت پریشان ہو رہے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح آج ہی شب وہ کج فہم اور کج رو اسلام کی راستی بدامن تعلیم کو قبول کر لیں اور صراط مستقیم پر آ جائیں تو ان کے جان و مال کی حفاظت ہو۔ دنیا میں شادکام و فائز المرام رہیں اور عقبےٰ میں سرخرو ہوں۔ اپنے خیالات کو جذبات کو اپنے دل میں لے کر آپؓ ایک خچر پر سوار ہو کر کسی کو اطلاع دیے بغیر شہر کی طرف روانہ ہوئے کہ کسی طرح اپنے کج فہم دوست و احباب کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ جب آپؓ اس طرح جوش اسلام اور جذبہ ہمدردی کے زیر اثر رات کے اندھیرے میں مکہ کی طرف سرگرم سفر تھے تو آپؓ کی ابوسفیان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بہت حیران و پریشان تھا کہ اتنا کثیر التعداد لشکر کہاں سے چپکے چپکے آ گیا۔ آپؓ نے اسے بتایا کہ یہ لشکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کل صبح شہر پر حملہ آور ہوگا۔ یہ سن کر ابوسفیان کے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے۔ جن مسلمانوں کو تختہ دنیا سے نیست و نابود کر دینے کے لیے اس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا وہ اب اس کی قوم کو تہ و بالا کر دینے کے لیے ہمہ تن آمادہ بیٹھے تھے اس کی تباہی میں اب کوئی شبہ نہیں رہا۔ ایسے ہی خیالات

نے اس کے دل پر نوک نشتر کا کام کیا۔ اس کی روح ایک مرغ نو گرفتار کی طرح پھڑکنے لگی۔ وہ تہ دام تھا اور آزاد ہونے کی کوئی راہ اسے سجھائی نہ دیتی تھی۔ حضرت عباسؓ نے اس کی دلی کیفیات کو پڑھ لیا۔ اور اسے مشورہ دیا کہ میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم میرے پیچھے سوار ہو جاؤ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں چلو۔ وہاں تمہاری مشکلات کا کوئی حل نکل آئے گا۔ ابوسفیان نے تعمیل مشورہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔

حضرت عمرؓ فاروق کا جوش غیظ و غضب :-

حضرت عمرؓ فاروق ایک دستہ کو اپنی قیادت میں لیے طلایہ گردی کی خدمت پر معمور تھے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی دشمن لشکر اسلامی پر شبخون نہ مار سکے۔ انہوں نے دشمن اسلام ابوسفیان کو دیکھا تو ان کے جوش غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے چاہا کہ اس سردار کفار کو اپنی تلوار جوہر دار سے ایک ہی وار سے اس کے کیفر کردار کو پہنچا دوں کہ حضرت عباسؓ پکار اٹھے کہ دیکھنا عمرؓ کہیں ایسا بھی ظلم نہ کر گزرنا یہ میری پناہ میں ہے اور حضور انورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے جا رہا ہے۔ اس کے بعد خچر کو سرپٹ دوڑا لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں جا پہنچے۔ تعاقب میں حضرت عمرؓ بھی شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے آ پہنچے اور حضرت ختمی مآبؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ آپؐ اجازت دیں تو اس کافر کی گردن اڑا دوں۔ آج بڑی آسانی سے یہ شکار قابو میں آگیا ہے۔ مگر حضور انورؐ نے اجازت نہ دی اور گفتگو صلح و جنگ کے معاملات کے دائرہ میں آگئی۔ حضرت فاروقؓ ابوسفیان کے قتل کرنے کے لیے بہت بے تاب تھے اگر داعی صلح و آشتی کا ادب مانع نہ ہوتا تو چشم زدن میں اسلام کے اس دشمن ازلی کی لاش خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آتی۔ بمشکل تمام تھوڑی دیر صبر کرنے کے بعد فاروقؓ نے حضور انورؐ سے ابوسفیان کے قتل کی پھر اجازت مانگی۔ حضرت عباسؓ نے ان کی بے صبری کو دیکھ کر کہا کہ عمرؓ اگر یہ تمہارا رشتہ دار ہوتا تو تم اس کے قتل کے لیے ہرگز اتنے بے تاب نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے بگڑ کر کہا۔ عباسؓ تمہارے مشرف باسلام ہونے سے مجھے

اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی نہ ہوتی۔ کیونکہ حضور انور کی خواہش تھی کہ تم حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ۔ ہماری سب رشتہ داریاں صداقت اور حقانیت کی زنجیر کے حلقے ہیں اس کے باہر ہماری کوئی محبت اور قرابتداری نہیں۔

قریش مکہ کے سردار کا مشرف بہ اسلام ہونا۔

ابوسفیان کو حضور انور نے شب بھر کی مہلت دی کہ تمام حالات پہ ایک نظر غائر ڈال لے۔ اپنا اور اپنی قوم کا نیک و بد اور نفع و نقصان سب سوچ لے اور پھر جو راستہ وہ بطیب خاطر قبول کرنا چاہے کرے۔ قریش نے اپنا رویہ صلح و آشتی کے قول و اقرار اور عہد و پیمان کے بعد بھی معاندانہ رکھا ہے۔ مگر مسلمان اب بھی فتنہ و فساد پہ آمادہ نہیں ہیں۔ اس لشکر کشی کا مقصد فتنہ و فساد کی بیخ کنی اور اعلائے کلمۃ الحق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ رات ابوسفیان نے حضرت عباس کے خیمہ میں کاٹی اور جونہی کہ سپیدہ سحر نے کائنات ہست و بود پہ نکھری ہوئی روشنی کے جلوے بکھیرنے شروع کیے تو ابوسفیان کا تاریک دل بھی اسلام کے ازلی اور ابدی نور سے جگمگا اٹھا۔ اب لشکر اسلام نے بھی شہر کا قصد کیا۔

حضورؐ انور کا فرمان محبت

لشکر اسلام نے قریش مکہ کو یکایک جا لیا تھا۔ ایک ہی شب درمیان میں تھی۔ جس میں وہ اپنی مدافعت کے لیے کچھ سامان جنگ کر سکتے تھے۔ مگر ظاہر ہے کہ اتنے قلیل عرصے میں کیا ہو سکتا تھا۔ اب اگر مسلمانوں کا مقصد جنگ غارت گری ہوتا تو ساکنان مکہ کی جان و مال ان کی جوہر دار تلواروں کے رحم پر تھی۔ مگر ہمدرد بنی نوع انسان حضور انور نے باوجود ان کی ناقابل برداشت زیادتیوں کے ایسی سخت سزا ان کے لیے تجویز نہیں کی۔ بلکہ آپ کے اس عدیم المثال حکم سے جو آپؐ نے اپنے لشکر کو دیا ایسی محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے اخلاقی احساس میں

ایک عجیب رفعت ووسعت پیدا ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے یا اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ رہے اس پر ہتھیار اٹھانا جرم تصور کیا جائے گا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے یا گلی کوچوں میں بھی بغیر کسی ہتھیار کے ملے اس سے قطعی تعرض نہ کیا جائے"، جذبات صلح و آشتی کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ قریش کی مفسدہ پردازیاں اور روز افزوں ظلم وستم تقریباً ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ اور اب ایک سنہری موقعہ مسلمانوں کو حاصل تھا کہ ان کو جی بھر کر سزائیں دیتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس حیرت انگیز اقتدار کے جو اس وقت مسلمانوں کو اہل مکہ پر حاصل تھا۔ انہوں نے قتل و خونریزی کو قطعی ناپسند کیا اور سب کو پناہ دے دی سوائے ان لوگوں کے جو اس پرامن مداخلت شہر کے راستے میں بھی مزاحم ہوں۔ اور فتنہ فساد کی آگ بھڑکائیں۔

پرامن مداخلت شہر:۔

صداقت و حقانیت، استقلال اور قدرت خداوندی کے محیر العقول کرشمے دیکھیے کہ وہ ہستی جس کے لیے کبھی مکہ کی زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی تھی۔ آج اس پر ایک حکمران کی حیثیت سے قابض نظر آ رہی ہے۔ وہی گلیاں اور کوچے جن میں اس کا چلنا پھرنا بھی قریش مکہ کو گوارا نہ تھا۔ آج اس کی شان و عظمت کے ترانے گا رہے ہیں۔ اور اس کو جھک جھک کر سلام کر رہی ہیں۔ وہی محبوب وطن جس سے کبھی وہ تقریباً بے یار و مددگار ہجرت کرنے پر مجبور رہا تھا۔ آج اس قائد اعظم کے قدموں پہ نثار ہو رہا ہے جس کی قیادت میں ہزاروں جاں نثاروں کا ایک لشکر عظیم موجود ہے۔ آپؐ کی آنکھوں میں ظفر مندی اسلام کی بے پایاں مسرت اور شکریہ خداوندی کے گہرے احساس کی وجہ سے آنسو جھلک رہے تھے۔ گویا نرگس کے پھولوں پر شبنم بکھری پڑی ہو۔ سر مبارک جھکا ہوا تھا اور آپؐ بارگاہ خداوندی میں اس کے احسان عظیم کے لیے ہدیہ نیاز و عقیدت پیش کر رہے تھے۔ عبداللہ بن رواحؓ آپؐ کے ناقہ کی مہار تھامے ہوئے

آگے آگے یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ نصر عبدہ واعز جندہٗ۔

اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس کے لشکر کو زور آور کیا۔

آپؐ اپنے متبعین مخلصین کے ساتھ صحن کعبہ میں داخل ہوئے تو تکبیر کے نعروں سے مسجد الحرام گونج اٹھی۔ بیت اللہ کو جو بت پرستوں نے بیت الاصنام بنا رکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے پھر بیت اللہ بنا دیا گیا۔ تمام بت توڑ پھوڑ کر باہر پھینک دیے گئے جب آپ کعبہ کو تمام آلائشوں سے پاک کرا چکے تو صحن میں تشریف لائے۔ اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"اللہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود قرار نہیں دیتے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اپنے پرستاروں کی مدد کی اور دشمنان دین حنیف کو شکست دی۔ اے گروہ قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار مٹا دیا گیا۔ تمام نوع انسان اولاد آدم ہے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"

پھر آپؐ نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اے لوگو! میں نے تمہیں مرد اور عورت کے جوڑے سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے بنائے۔ اس لیے کہ ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ لیکن یاد رکھو کہ خدا کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا سب کے عیب و ثواب اور ظاہر و باطن سے واقف ہے۔"

عفو عام کا فقید المثال نظارہ:۔

صحن کعبہ میں اسلام کے دشمنان ازلی گروہ در گروہ سر جھکائے کھڑے تھے۔ کیسے دشمن؟ جنہوں نے داعی اسلام، کے سر مبارک کو شانہ مقدس سے جدا کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ جنہوں نے جگر گوشہ رسولؐ کا حمل اپنے نیزوں سے گرایا تھا

جنہوں نے آپ کے چچا کا کلیجہ دانتوں تلے چبایا تھا۔ جنہوں نے ہر ممکن موقعہ پر آپؐ بدنام کرنے اور اذیت پہنچانے میں کوئی دریغ نہ کیا تھا۔ جن کے دل ودماغ کی تمام قوتیں نخل اسلام کی بیخ کنی میں صرف کار ہوتی رہی تھیں۔ حضور انور نے ایسے سب دشمنان دین کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور پُر رعب لہجہ میں دریافت فرمایا تمہیں معلوم ہے میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

"سب نے یکساں زبان ہو کر عرض کی کہ آج تک ہم نے تجھے رحم مجسم اور کرم مجسم دیکھا ہے اور آج بھی تجھ سے رحم وکرم کی توقع رکھتے ہیں"

آپؐ نے تبسم نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اچھا میں بھی تم سے وہی الفاظ کہتا ہوں۔ جو یوسف علیہ السلام نے اپنے ستمگر بھائیوں سے کہے تھے۔

تم پر کوئی الزام نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤ تم سب آزاد ہو!

ایک چشم زدن میں حاضر اور غیر حاضر، موجود اور غیر موجود، سب ستمگار معاف کر دیئے گئے اور وہ ایسی حالت میں جب وہ مفتوح تھے قیدی تھے۔ اسیر تھے۔ غلام تھے زیر دست تھے۔ جب ان میں مقابلے کی تاب نہ تھی جب ان میں انتقام کی قدرت نہ تھی۔ جب وہ بے بس تھے بے کس تھے اور مسلمانوں کے رحم وکرم پر تھے تو مسلمانوں نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ رحم درحقیقت افضل ترین وہ ہے جو اپنے جانی دشمنوں پر اس وقت کیا جائے جب تمہارے ہاتھوں میں انتقام لینے کی پوری قوت موجود ہے۔ یہ وہ فقید المثال واقعہ ہے جس کا جواب تاریخ عالم کا کوئی نہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسلام خونریزی کو صرف اسی وقت روا رکھتا ہے جب تمردی قوتیں حقانیت وصداقت کے نقش ونگار کو صفحہ دنیا سے محو کر دینے پہ تلی نظر آتی ہیں۔ ورنہ بصورت دیگر رحم وکرم مسلمانوں کی خصوصیت ممیزہ تھی اور عفو عام کا یہی جذبہ جس کا اظہار فتح مکہ کے دن بنو قریش کے لیے اس قدر جاذب توجہ ثابت ہوا کہ وہ تقریباً سب کے سب اسی دن برضاو رغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

قصر بت پرستی کی شکست و ریخت :-

توحید پرستاران اسلام کے یمن قدم سے مکہ معظمہ کی خاک کے ذروں سے بھی صدائے تکبیر بلند ہونے لگی اور ان کے داخل شہر ہوتے ہی قصر بت پرستی پر شکست و ریخت کے آثار ہویدا ہونے لگے۔ پیغامبر توحید جب بیت الاصنام کو شرک پرستی کی آفت سے پاک کر کے بیت اللہ میں تبدیل کر چکا تو اس کی عنان توجہ نواح شہر کے منادر بت پرستی کی طرف مبذول ہوئی اور شیدایان وحدہ لاشریک نے اپنی وحدانیت کے مضبوط گرز سے سینکڑوں مشہور و معروف بتوں کو پاش پاش کر دیا اور ان کے منادر مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیے۔ ان بتان مسجود کے "آستان عالیہ" پر سجدہ ریز ہونے والے پجاریوں نے مسلمانوں کے ارادوں میں مزاحمت کرنے کی کوشش کی کہ ایسے طاقتور "خداوندی" کے پیکر توڑنے میں کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے مگر جب توحید پرستوں نے چشم زدن میں ان دیو پیکر بتوں کے ہزاروں ٹکڑے کر کے رکھ دیے اور ان کا بال بیکا بھی نہ کر سکے تو پجاری بھی اس "زندہ معجزہ" کو دیکھ کر اسلام کی صداقت پر ایمان لے آئے۔ انہیں یقین کامل ہو گیا کہ وہ تمام عمر ایک غلط خدا کی پرستش میں مصروف رہے ہیں جس خدا میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف اپنی حفاظت آپ کر سکے۔ وہ اپنے پرستاروں کو کس روحانی طاقت سے مالا مال کر سکتا ہے۔

جنگِ حنین

مسلمانوں کے لیے درسِ بصیرت

قبائل بنو ثقیف اور بنو ہوازن کی سرکشی

غلط فہمی ایک عجیب تباہ کن آفت ہے۔ دنیا کے بہت سے عظیم الشان حوادث اسی کی عنایتوں کے مرہونِ منت ہیں بعض دفعہ تو اس کے نتائج و عواقب نہایت ہی حیرت انگیز اور محیر العقول شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ملکوں اور قوموں کی تاریخیں بدل کر رکھ دی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد جب توحید پرستان اسلام مکہ معظمہ ہی میں کچھ دن قیام پذیر رہے تو مکہ اور طائف کے درمیان کے قبائل کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ اب شجاعان اسلام کی عنان توجہ ان پر لشکر آرا ہونے کی طرف مبذول ہو گی۔ اس لیے انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر سامانِ جنگ تیار کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے دو قبائل بنو ثقیف اور بنو ہوازن اس فتنہ انگیز کارروائی میں سب سے پیش پیش حصہ لے رہے تھے۔

شجاعان اسلام کی لشکر کشی :-

جب حضور انورؐ کو اس مفسدہ انگیز کارروائی کا پتہ چلا تو آپؐ نے بھی اپنے جاں نثار لشکر کو جنگ کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ اس فتنہ و فساد کو دبانا نہایت ضروری تھا۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ اگر ان دشمنانِ اسلام کی کوششیں کسی قدر بار آور ہوتی نظر آئیں تو الیا

نہ ہو کہ مکہ معظمہ کے بہت سے لوگ جو دوسروں کی دیکھا دیکھی مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ ان میں شامل ہو جائیں اور مسلمانوں کے لیے پھر ایک نئی مصیبت پیدا ہو جائے اس لیے ان ابتدائی کارروائیوں کی روک تھام ہو جانی ہی ضروری تھی۔ مسلمان بڑی نازش و افتخار سے یلغار کرتے ہوئے چلے کہ اب ہماری جمعیت کثیر ہے اور ہم اسلحہ جنگ سے بھی خوب مسلح ہیں۔ اب کس کی طاقت ہے کہ ہمارے مقابلے کی تاب لا سکے۔ جب ہماری تعداد نہایت قلیل تھی اور ہمارے پاس سامان جنگ بھی قطعی ناکافی تھا۔ اس وقت بھی ہم نے دشمنان اسلام کے دانت کھٹے کر دیے تھے اب تو ہم ہر طرح سے عرب کی ایک عظیم الشان قوت ہیں۔ ہم جدھر منہ اٹھائیں گے۔ فتح و نصرت ہمارے استقبال کو آئے گی۔

غرور کا سر نیچا :۔

خدا تعالےٰ کو مسلمانوں کا یہ اندازہ غرور پسند نہ آیا اور اس نے ان کو وہ دن دکھایا کہ انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ جب تک مدد خداوندی ان کے شریک حال نہ ہو وہ باوجود اپنی جمعیت کثیر کے کوئی کارنمایاں کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ قرآن شریف میں اسی غرور شکنی واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے :۔

> "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ لیکن وہ کسی کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی۔ اور تمہاری مدد کے لیے ایسی فوجیں بھیجیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور کافروں کو عذاب دیا۔ کہ کافروں کی یہی سزا ہے"۔

حنین کی وادی میں داخلہ :۔

صبح کاذب کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی کہ اپنی جمعیت پر نازاں اور اپنی ظفر مندی کے رنگین خواب دیکھنے والے مسلمان وادی حنین میں داخل ہونے شروع ہوئے۔

وادی سے پہلے پہاڑی راستے پیچ در پیچ تھے اور دشمن کی فوج کمین گاہ میں بیٹھی ہوئی تھی جونہی کہ مسلمانوں نے وادی میں قدم رکھنا شروع کیا۔ ان پر چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ اس اچانک حملہ سے مسلمانان مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ دشمن کو پیٹھ دے کر بھاگ نکلے۔ ان کو فرار ہوتے ہوئے دیکھ کر انصار اور مہاجرین نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔

حضور انورؐ کی بے نظیر شجاعت :۔

حضور انورؐ کی سرکردگی میں بارہ[12000] ہزار کے قریب فوج تھی جن میں سے دو ہزار[2000] کے قریب مکہ کے نومسلم تھے۔ ان نومسلموں نے راہ فرار اختیار کر کے دیگر جان نثار اور آزمودہ کار شجاعان اسلام کو بھی بزدلی اور شکست خوردگی کے ایک شرمناک مظاہرے پر مجبور کر دیا۔ بلکہ بعض نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ بس آج اس سحر کا خاتمہ ہو گیا جس نے آج تک ایک ہنگامہ پیدا کر رکھا تھا مگر حضور انورؐ کا کوہ وقار قدم جس جگہ پر جم گیا تھا وہاں سے اپنے ساتھیوں کی بے وفائی کے باوجود بھی نہ ہل سکا۔ آپؐ نے نہایت ہی بے نظیر شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے محض چند ایک جان نثاروں کے ساتھ جو آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے موجود تھے ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں بدستور ڈٹے رہے اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ انصار اور مہاجرین کو آواز دے۔

مسلمانوں کی شاندار فتح :۔

حضرت عباسؓ نے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو آواز دی۔

"یا معشر الانصار! یا اصحاب الشجر!"

اس پر اس آواز کا اثر ہوا اور مسلمانوں نے ہوش کر لی اور اپنے قائد اعظم کی طرف واپس لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک سو[100] کے قریب مسلمان حضورؐ کی خدمت میں پہنچ سکے باقی راستے میں دشمنوں سے مقابلہ کرتا رہے۔ آپؐ نے اس مختصر سی جماعت کے ساتھ ہی دشمنوں کو

اپنے سامنے سے بھگا دیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی جوش دلایا۔ آپ کی بے نظیر شجاعت کی بدولت چند ہی منٹ میں میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا اور پہلے حملے میں مسلمانوں کو بھگا دینے والوں نے خود بھاگنا شروع کر دیا۔ تھوڑے عرصہ میں میدان بالکل صاف ہو گیا۔ اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ ۲۴ ہزار کے قریب اونٹ ۴۴ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکری ۴ ہزار اوقیہ چاندی اور ۶ ہزار کے قریب اسیران جنگ مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

اسیران جنگ رہا کر دیے گئے :۔

حضور انور کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ قبیلہ بنی ہوازن سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے اس قبیلے کے آدمی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کو حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دے کر اسیران جنگ کی رہائی کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ نماز عصر کے وقت آنا اور پھر سب فرزندان توحید کے سامنے مجھ سے یہ درخواست کرنا۔ انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور چلے گئے۔ پھر نماز عصر کے وقت حاضر ہوئے اور آپ کے سب متبعین مخلصین کی موجودگی میں قیدیوں کی رہائی کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور میرے خاندان کے حصے کے سب قیدی آزاد ہیں۔ اب آپ کے عقیدت مندوں کی ارادت بھلا کب چھپکے رہ سکتی تھی۔ سب مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ جو رسول ؐ کا حصہ ہے وہ ہمارا حصہ ہے۔ اگر رسول ؐ اپنے قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں تو ہم بھی اپنے قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فراست نے چشم زدن میں سب اسیران جنگ رہا کرا دیے اور کسی مسلمان کو ناگوار بھی نہ گزرا۔

ایک بے بنیاد ہنگامہ :۔

آپ نے جنگ حنین کے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ قریش کو دیا۔ کیونکہ وہ

جدید الاسلام تھے۔ اس لیے ان کی تالیف قلوب کے لیے آپ نے اس قسم کی تقسیم روا رکھی۔ مگر انصار کے کچھ کج اندیش نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضور انور اپنے رشتہ داروں کو زیادہ حصہ دیتے ہیں۔ اور ہمارے دیرینہ احسانوں کو فراموش کر رہے ہیں ممکن تھا کہ اس غلط فہمی سے بہت جلد ایک بے بنیاد ہنگامہ پیدا ہو جاتا۔ مگر حضور انورؐ نے بہت جلد اپنی دور اندیشی اور قادر الکلامی سے انصار کے خیالات کو بدل دیا۔ جب آپؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے انصار کو طلب کیا اور ان سے دریافت فرمایا کہ کیا واقعی تم نے اس قسم کی باتیں کیں کہ ہیں تے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ اپنے رشتہ داروں کو دیا ہے کہ ہم میں سے کسی سنجیدہ مزاج بزرگ نے تو حضور انور کی شان میں ایسی گستاخی کرنے کی جرات نہیں کی۔ البتہ بعض جوشیلے اور کم فہم نوجوانوں نے ضرور ایسا کہا ہے۔ پھر آپ نے سب کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا: "کیا یہ صحیح نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں صراط مستقیم پر ڈالا؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ تم پہلے مفلس و نادار تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں خوشحال فارغ البال کیا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تم کو ایک دوسرے کے جانی دوست بنایا؟ انصار اس کے جواب میں کہتے جاتے تھے کہ بے شک ہماری کایا پلٹ گئی ہے۔ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر احسان عظیم ہے پھر حضورؐ نے فرمایا نہیں تم مجھ کو جواب دے سکتے ہو کہ ساری دنیا نے تجھے جھٹلایا مگر ہم نے تیری تصدیق کی۔ ساری دنیا نے تجھ کو چھوڑ دیا مگر ہم نے تجھے پناہ دی تو محتاج تھا ہم نے تیری مدد کی۔ اور میں ہر بات میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ مگر اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھر بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھر محمد (سرور کائنات فخر موجودات رسول اللہ) کو لے کر جاؤ۔ ان حقیقت اندوز کلمات کا انصار پر بہت گہرا اثر ہوا اور ان میں سے اکثر کا تو یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ سب کی زبان پر یہی تھا کہ بس ہمیں رسول اللہ چاہئیں ان کے ہوتے ہوئے ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کو

سمجھا دیا کہ قریش کو اگر کچھ زیادہ حصہ دیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق تم سے افضل سمجھا گیا ہے۔ بلکہ ان کو صرف اس لیے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ لوگ جدید الاسلام ہیں۔ محض تالیف قلوب کے لیے ان کو ان کے حصہ سے کچھ زیادہ دیا گیا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں ہے۔

چند متفرق واقعات

(۱) اس سال حضور انور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کو اس موقعہ پر بے حد خوشی ہوئی۔ جس شخص نے یہ مژدہ جانفزا سنایا۔ اسے ایک قطعہ نخلستان انعام میں دیا گیا۔ مگر یہ زندہ امیدوں کا ہونہار مجسمہ ابھی ایام طفولیت کی ایک منزل بھی طے کرنے نہ پایا تھا کہ راہگرائے عالم بقا ہو گیا۔

(۲) اس نور چشم کی وفات کے بعد فرشتہ اجل ایک دفعہ اور حضور انور کے صبر و ضبط کا امتحان کرنے آیا اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھی اسی سال اپنے شفیق باپ کو ہمیشہ کے لیے داغ جدائی دینا پڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہجرت کا نواں سال
غزوہ تبوک

ہجرت کے نویں سال کا شاید سب سے مشہور واقعہ غزوہ تبوک ہی ہے۔ اس لیے اس کا مختصر تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ گذشتہ سال مسلمانوں کو شام کے عیسائیوں کے ساتھ ایک بہت بڑی خونریز جنگ کرنی پڑی تھی جس کا بیان قلت گنجائش کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس میں خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں جو اب مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، عیسائیوں کو شکست فاش نصیب ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ ان کے لشکر عظیم کے مقابلے میں ایسی ہی تھی جیسے آٹے میں نمک مگر پھر بھی فتح وظفر نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ اس لیے عیسائیوں کو اب مسلمانوں سے اور بھی زیادہ کینہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کو اس طرح ذلیل وخوار دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں کی ایک قلیل سی تعداد ان کے ایک لشکر عظیم کو دو بدو کی جنگ میں شکست فاش دے جائے اور وہ چپکے بیٹھے رہیں۔ انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر جنگ کا سامان تیار کیا اور مدینے کے منافقین کو بھی اپنے ساتھ شریک کار کر لیا۔ حضور انورؐ غزوہ حنین کے بعد مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس لیے جب آپ کو منافقین مدینہ اور سرحدی فوجوں کی سازباز کی اطلاع ہوئی تو آپ نے بھی لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ اور چند ہی دنوں میں تیس ہزار جاں نثار مسلمانوں کو اپنی قیادت میں لے کر نصرانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ تبوک مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ سفر بہت تکلیف دہ اور صبر آزما ثابت ہوا۔ مگر مسلمانوں کو دوگنی خوشی منزل مقصود پر پہنچ کر ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کسی خونریزی کے ان کا مقصد حل ہو گیا ہے۔ عنسانی سردار اپنی چالیس ہزار فوج کے ساتھ آمد کی خبر پا کر فرار ہو گیا تھا۔ اسلامی لشکر تبوک میں بیس دن تک خیمہ زن رہا اور دشمن کو دعوت جنگ دیتا رہا۔ مگر جب وہ مقابلے کو نہ آیا تو مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ پورے طور پر رعب و داب قائم ہو گیا ہے

واپس مدینہ کی راہ لی۔

غزوہ تبوک کے بعد:

غزوہ تبوک شاید آخری غزوہ تھا جس میں حضور انورؐ شریک ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ منورہ ہی میں قیام فرما رہے ہیں۔ اور آپؐ کے وقت کا بیشتر حصہ قبائل عرب کے وفود سے اسلام کی بیعت لیتے گزارا ہے۔ اس سال اتنے قبائل عرب نے بذریعہ وفود اسلام میں شرکت کی کہ جس سے یہ سال ہی عام الوفود کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

چند متفرق واقعات

اس سال کے چند متفرق واقعات میں سے زیادہ مشہور زکوٰۃ کی فرضیت، سود کی حرمت اور جزیہ کی آیت وغیرہ کا نزول ہے۔ وہ واقعہ بھی اسی سال پیش آیا جو تاریخ اسلام میں ایلاء کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ حضور انورؐ اپنی ازواج مطہرات سے کسی بات پر ناراض ہو گئے تھے اور ایک مہینہ تک کے لیے ان سے بستر الگ کر لیا تھا آخر انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معافی مانگی تو آپؐ نے بھی صلح کر لی۔

ہجرت کا دسواں سال

حجۃ الوداع

اب وہ المناک اور روح افزا ساعت نہایت سرعت کے ساتھ نزدیک آ رہی ہے جو انسانی شان و شوکت کی داستان کے خاتمہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی طرف دانستہ یا نادانستہ طور پر ہم سب نہایت تیزی سے گام فرسا ہیں۔ وہ فیصلہ کن لمحے جن کے بعد دنیا ہماری زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کرتی ہے۔

ایام حج قریب آ گئے تو داعی اسلام نے اپنے متبعین مخلصین کو حکم دیا کہ جس شخص کو میری معیت میں زیارت کعبہ سے سعادت اندوز ہونا ہے۔ وہ تیار ہو جائے۔ ممکن ہے کہ دنیا دوسرے سال مجھے طواف بیت اللہ کرتے ہوئے نہ دیکھے۔ اشارہ پاتے ہی مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی جبل عرفات پر پہنچ کر آپؐ نے فرزندان توحید کے شمار کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل شروع ہو گئی اور لگاتار کئی گھنٹے تک یہ کام جاری رہا۔ مختلف تاریخی بیان شاہد ہیں کہ یہ تعداد سوا لاکھ کے کسی صورت میں کم نہ تھی۔ وہ بھی دن تھا کہ کوئی آپ کی دعوت اسلام پر لبیک نہ کہتا تھا۔ اور یہ دن بھی ہے کہ آپؐ کی ادنیٰ جنبش لب پر سوا لاکھ سے زیادہ حلقہ بگوشان اسلام آپؐ کی قیادت میں زیارت کعبہ سے سعادت اندوز ہونے آئے ہیں۔ فقط دس سال کے عرصہ میں کتنا حیرت انگیز انقلاب!۔

قابل یادگار خطبہ نبویؐ

مسلمان زائرین کعبہ کے اس اجتماع عظیم میں حضور سرور کونینؐ نے ایک ناقہ پر سوار ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا ایک ایک لفظ اسلامی تاریخوں میں محفوظ ہے۔ اس کا خاکہ درج ذیل ہے:۔

"فرزندانِ توحید! یہ کونسا مہینہ ہے؟ کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ یہ کونسا دن ہے کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ یہ کون شہر ہے؟ کیا یہ وہ شہر نہیں ہے جس میں خونریزی حرام ہے؟

پس اے فرزندانِ توحید! جس طرح اس مہینہ میں خونریزی حرام ہے جس طرح اس دن میں خونریزی حرام ہے۔ جس طرح اس شہر میں خونریزی حرام ہے۔ اسی طرح تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری عزت و آبرو اور تمہارا خون ایک دوسرے پر حرام ہے۔ وہ دن دور نہیں۔ جب تم داورِ محشر کے سامنے جاؤ گے۔ اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔ پس خدا سے ڈرو۔ اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کرو۔ حلقہ بگوشانِ اسلام! دیکھنا کہیں تم میرے بعد صراطِ مستقیم سے بھٹک نہ جانا اور احکامِ خداوندی سے منحرف ہو کر مشرکوں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ ہو جانا۔ تمہاری سب کی آفرینش ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے اور تم سب باہمدگر بھائی بھائی ہو۔ پس اس رشتہ کا احترام کرنا اور میثاقِ خداوندی کے نقض کے مرتکب نہ ہونا۔

اے مسلمانو! عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ انہیں ذلیل و خوار نہ سمجھو ایامِ شادمانی میں وہ تمہارا زیور اور مصیبت میں تمہاری غمخوار ہیں۔ خداوندِ عالم نے تمہاری راحت و دلبستگی کے لیے انہیں پیدا کیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ تمہارے ننگ و ناموس کی حفاظت کریں اور تمہارا فرض ہے کہ تم انہیں خوب کھلاؤ، پلاؤ پہناؤ۔

اے مسلمانو! [illegible] پنے بعد تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس [illegible] عمل پیرا ہو گے۔ تو کبھی صراطِ مستقیم سے نہ بھٹکو گے

وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔

کچھ اسی قسم کی ضروری تعلیم و تبلیغ کے بعد آپ نے فرزندانِ توحید سے دریافت فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

سب حاضرین نے متفق ہو کر کہا۔ کہ ہم عرض کریں گے کہ آپ نے فرائض نبوت ادا کیے۔ احکام خداوندی کی نشر و اشاعت کی۔ رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے۔ بھولے بھٹکے لوگوں کو راہ راست پہ ڈالا۔ یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری کی۔ عورتوں سے رحم و کرم کا سلوک کیا۔ ان کے غصب کردہ حقوق واپس دلائے۔ غرضیکہ ہماری صلاح و ہدایت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

خداوند تعالےٰ کی طرف سے اسی موقعہ پہ ایک آیت نازل ہوئی:۔

اے مسلمانوں میں نے دین حنیف تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پہ تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہترین شاہراہ حیات سمجھا۔

اس حج میں آپ نے اس طرح خطبہ دیا۔ گویا آپ اپنے متبعین سے رخصت ہو رہے ہیں اور انہیں اپنے سے رخصت کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کا نام حجۃ الوداع مشہور ہوا اور چونکہ آپ نے اس موقعہ پر اصول اسلام کی تبلیغ بھی فرمائی تھی۔ اس لیے اسے حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔

ہجرت کا گیارہواں سال

وفات مبارک

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

موت کی عالمگیر حکومت

حیاتِ انسانی کی رنگ و بو سے مہکتی ہوئی داستان کا بھی آخری باب تو خونچکاں ہی ہے زندگی کا خواب خواہ کتنا ہی رنگین اور عشرت افزا کیوں نہ ہو۔ آخر اس کی تعبیر موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے مملکت جہاں پر اگر کسی کی حکومت ہے تو وہ موت ہی کی حکومت ہے۔ وہ اولوالعزم فاتحان عالم بھی جن کی فاتحانہ درازدستیوں نے ایک دنیا کو تہہ و بالا کر دیا تھا اور جنھوں نے اپنا سرِ پرغرور دنیا کی کسی عظیم الشان سے عظیم الشان طاقت کے سامنے بھی نہ جھکایا تھا۔ ان کو بھی نہایت عاجزی اور بے کسی سے موت کے سامنے جھکنا پڑا۔ آہ ؎

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک — جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل — جنکی تدبیر جہانبانی سے ڈرتا تھا زوال
رعبِ فغفوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری — ٹل نہیں سکتی غنیمِ موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور — جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

انجامِ حیات کا اذیت خیز تصور:۔

گلستانِ جہاں کی رنگینیاں اور رعنائیاں کچھ اس درجہ دل آویز ہیں کہ ان سے جدا ہونے کا

تصور بھی غایت درجہ اذیت انگیز ہے! زندگی کے روز روشن کی درخشاں تابانیوں سے موت کی ظلمت خیز شب تیرہ و تار کی طرف ایک ناگزیر سفر! آہ اس کا خیال بھی کس قدر دہشت انگیز اور بھیانک ہے۔ موسم بہار کی شادابیوں کے بعد خزاں کی تاراج سامانیوں کا سامنا بھی اس درجہ اذیت خیز نہیں ہو سکتا جتنا ایک نامعلوم اور تاریک دنیا کی طرف یہ غیر اختیاری سفر قلق انگیز ہے وہ دور عیش و عشرت جو لافانی معلوم ہوتا ہے۔ وہ عروج شوکت و اقبال جو لازوال دکھائی دیتا ہے۔ کیا محض اسی قدر ثبات رکھتا ہے کہ ایک ناگہانی اور جانگداز سانحہ زندگی کے ہاتھوں خاک میں مل کر رہ جائے! آہ بظاہر پائیداری کے پردہ میں بھی کس قدر ناپائیداری کا روح فرسا منظر چھپا ہوا ہے۔ ؎

حقیقت پر نظر کرتا ہوں جب دنیائے فانی کی
بہاریں خاک میں مل جاتی ہیں سب زندگانی کی

موت کے پردے میں بھی سامان نشاط ہے

موت کا بھیانک تصور خواہ کتنا ہی طرب کش اور دشمن نشاط و شادمانی کیوں دکھائی نہ دے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ساری نشاط و شادمانی کا راز اسی مرگ ناگہانی کے تاریک پردوں میں ہی مستور رہے۔ اوراق گل کی باصرہ فریب نزاکت کا انحصار محض اسی ایک بات پر ہے کہ اس کی بہار چند روزہ ہے۔ وہ عالی مقام ہستیاں جن کو مبدء فیاض سے حقیقت شناس نگاہ ملی ہے۔ اس بظاہر خانہ برانداز دل و مانع انجام حیات ناپائیدار میں بھی ایک قرار بخش نشاط و کیف کا سامان پنہاں دیکھتی ہیں۔ جسے عرف عام میں موت کے بھیانک نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ اس سحر کار دنیا کی دلآویز رعنائیوں سے لطف اندوز بھی ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس کے حسن کی بہار چند روزہ کے دام ہمیں میں اسیر نہیں ہوتیں فخر موجودات، سردار کائنات حضرت محمد مصطفےٰ و احمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ امی و ابی) اسی قسم کی نادرہ روزگار ہستیوں میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے جن کی دوربین نگاہیں فصل بہار کے پردہ رنگ و بو میں بھی خزاں کی تاخت و تاراج کا حسرت انگیز منظر دیکھ لیتی ہیں اور جو دنیا کی کسی دلآویز رنگینی سے

بھی دل بستہ نہیں ہوتیں۔

دنیادار پیغمبر کی دینداری

آقائے دوجہاں کے غلام ایک دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں عرض پرداز ہوئے کہ حضور انور محض ایک جلیل القدر پیغمبر ہی نہیں ہیں بلکہ ایک ذی حشمت تاجدار بھی ہیں۔ اپنی کثیر المشاغل زندگی میں کچھ آرام و راحت کے سامان کیوں فراہم نہیں کر لیتے؟ یہ کیا کہ قیصری و کسری تو فلک بوس محلوں میں پھولوں کی سیجوں پر سوئیں اور ایک دینی اور دنیوی عالی وقار شہنشاہ ایک معمولی جھونپڑی میں ایک شکستہ اور سخت چٹائی پر لیٹ کر اپنی زندگی کے دن کاٹے؟ آپ کی دوررس نگاہوں میں جو اس حیات ریزہ محفل کے پس پردہ موت کا خارستان بھی دیکھتی تھیں۔ آنسو چھلک پڑے اور زبان قدس ترجمان سے یہ حقیقت اندرونہ کائنات سنائی دے۔

" یہ دنیا بیوفا ہے۔ اس نے آج تک کسی سے وفا نہیں کی۔ یہ ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے خداوند عالم کے ذکر پاک کے اور ان چیزوں کے جو اس شاہراہ عشق میں ممد و معاون ہو سکتی ہوں۔" ؎

دنیائے دنی پر ہوس را چہ کنی   آلودہ ہر کس و ناکس را چہ کنی
آں یار طلب کن کہ تورا باشد و بس   معشوقہ ہزار کس را چہ کنی

دنیا راہ و رسم وفا اور طریق ثبات سے قطعی ناآشنا ہے۔ یہ ایک کارواں سرائے ہے جس کے ایک دروازے سے اب تک ان گنت مسافر داخل ہوئے ہیں اور دوسری طرف سے ان گنت مسافر چلے گئے ہیں۔ اس دو دن کی زندگی میں اس قدر ساز و سامان کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے اس دنیا کے آرام و راحت کی کوئی تمنا نہیں ہے۔ میں تو اس مسافر کی طرح ہوں جو راہ چلتے چلتے کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر ستانے کے لیے بیٹھ جائے۔ ؎

گرہ جاتا نہیں شاید کہ یاں سے اہل علم کو   یہ دو دن کے لیے کیا قصر و ایواں مول لیتے ہیں

آپ ایک ایسے مہتم بالشان پیغمبر آخر الزمان تھے۔ جن کا اسوہ حسنہ کائنات انسانیت کے لیے ہر شعبہ زندگی میں تقلید کا ایک بہترین اور افضل ترین نمونہ قرار پانے والا تھا اس لیے اگرچہ آپ دنیا کی تمام ضروری سرگرمیوں میں لطیب خاطر حصہ لیتے رہے اور اپنے فرائض دنیوی کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ تاہم آپ دنیا سے حد درجہ نفور تھے اور ہر وقت جمال شاہد حقیقی کے لیے بے تاب رہے

دنیا چہ ما قیصر و خاقاں را | تسبیح ملک را و صفا رضواں را
دوزخ بد اندیشت مزیکاں را | جاناں مارا و جان ما جاناں را

آخر وہ ساعت منتظرہ بھی آ پہنچی۔ جس کے لیے آپ اس درجہ بے تاب تھے

موت کے پردہ میں حیات جاوید:۔

گذشتہ صفحات میں ناظرین اس عظیم الشان ہستی کے جلیل القدر کارناموں کی ایک جھلک دیکھ چکے ہیں اس لیے آپ کی ان بدیع المثال خصوصیات کی طرف اشارہ کرنے کی اس جگہ چنداں ضرورت نہیں ہے جنہوں نے آپ کی حیات مطہرہ کو محیر العقول طریق پر کامیاب و کامراں بنا دیا ہے۔ جس عظیم ترین روحانی انقلاب کے پیدا کرنے کے لیے آپ دنیائے فانی میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہ پیدا ہو چکا تھا اس لیے اب آپ رہگرائے عالم جاوداں ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔

جب خواب زلیت کی تعبیر ہر حال میں موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو وہ انسان کس قدر خوش نصیب ہے۔ جو اپنے فرائض منصبی کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکنے کے بعد فرشتہ اجل سے ہمکنار ہو؟ ایسی موت زندگی کی یاس انگیز شام نہیں ہے بلکہ حیات جاوید کی بہار آفرین صبح ہے۔ ایسی کامگار اور گراں قدر ہستی کی "مرگ منتظر" پر خونباریوں اور

اشک افشانیوں کی کوشش دنیا کی ایک عظیم ترین کامیابی و کامرانی کا مرثیہ پڑھنے کے مترادف ہو گی۔ اس لیے میرا دل اس بات پر کسی صورت آمادہ نہیں ہوتا کہ میں اپنے پیرائہ بیان کو غم انگیز بنانے کے لیے اپنا زور قلم صرف کروں۔ آپ کا جسم مادی اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ آپ نے جو شمع حقانیت روشن کی تھی وہ اب تک بدستور شعاع ریز ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ہر دور ہمارے سامنے مستند تحریروں کی شکل میں موجود ہے۔ آپ کی تعلیمات و تلقینات کی گونج روز افزوں ترقی پر ہے تو میں کیسے تسلیم کر لوں کہ آپ زندہ نہیں ہیں۔ آپ کی حیات حیات ناپائیدار نہیں تھی بلکہ آپ کی زندگی زندگی جاوداں ہے۔ پھر آپ کی موت پر اشک افشانی کیسی دریں حال کہ موت موت ہی نہ ہو؟

رحلت کی آخری ساعتیں

وفات مبارک سے چند روز پیشتر سے ہی درد سر اور بخار کی شکایت پیام رحلت بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی تھی۔ آخری وقت آپ کا سر مقدس آپ کی سب سے دلنواز اور فاضل بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رض کے زانو پر تھا۔ کہ زبان قدس ترجمان پر اللھم الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ جاری ہوئے اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ شیدایان جمال مصطفوی کے دلوں سے ایک ہوک اٹھی۔ یہ سانحہ جانگسل دیکھنے کے لیے ان کی روح تڑپ کر آنکھوں میں آگئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ ایک دفعہ دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ اور مہر و ماہ کی درخشانیاں ایک قلم بند ہو گئی ہیں۔ جیب گل کا کارواں رنگ و بو رخصت ہو گیا تو دلوں کے چمنستان سے بہار بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی!!

مزار مبارک

یہ سعادت ابدی حضرت عائشہ صدیقہ کے حصے میں آئی کہ ان کا حجرہ ایک ایسی نادرہ

روزگار ہستی کا مدفن بنا جس کی تمام و کمال زندگی نورِ سحر کی ایک شعاع تاباں تھی جو خود درخشاں تھی اور جس چیز سے چھو جاتی تھی اسے بھی درخشاں بنا دیتی تھی۔ آہ مدفن کی وہ مقدس خاک اس کے ذروں کی تابانیاں تا قیامت مہر و ماہ کی درخشانیوں پر بھی خندہ زن رہیں گی۔ ؎

اے جہاں آباد اے گہوارہ علم و ہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام و در
ذرہ ذرہ میں تیرے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

فہرست

حصہ دوم

ربِّ کائنات اور محبوبِ کائنات دونوں کا ذکر عبادت ہے کیونکہ خود ربِّ کائنات اور اس کے فرشتے محبوبِ کائنات کی مدح وثنا کرتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

"پس جس کی قدوسیت اور جبروتیت کا یہ مرتبہ ہو اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں کٹ جائیں، اس کے عشق میں جتنے آنسو بہہ جائیں، اس کی محبت میں جتنی آہیں نکل جائیں، اس کی مدح وثنا میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، انسانیت کا حاصل، روح کی سعادت، دل کی طہارت اور زندگی کی پاکی ہے۔ پس مبارک ہیں وہ دل جنھوں نے اپنے عشق و شیفتگی کے لیے ربُّ السموٰت والارض کے محبوب کو چُنا اور کیا پاک و مطہر ہیں وہ زبانیں جو سیّد المرسلین اور رحمت اللعالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہیں انھوں نے اپنے عشق و شیفتگی کے لیے اس کی محبوبیت کو دیکھا جسے خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا ہے اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح وثنا کی جس کی مدح وثنا خود خدا کی زبان نے کی۔ اس کے ملائکہ و قدوسیوں کی زبان اور کائناتِ ارض کی تمام پاک روحوں اور سعید ہستیوں کی زبان ان کی شریک و ہمنوا ہے۔"

سیرت النبی ﷺ پر چند بہترین کتابیں

- **سیرت النبی** — شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی شاہکار تالیف چھ جلدوں پر مشتمل
- **محسن اعداء** — حضورؐ کا دشمنوں کے ساتھ سلوک اپنے موضوع کی واحد کتاب
- **سیرت المختار** — مصر کے ممتاز عالم شیخ مصطفیٰ الغلایینی کی مختصر مگر جامع کتاب
- **سید البشر** — رحمت للعالمین جیسی شہرت یافتہ تصنیف کے مصنف کی تحقیق
- **رسول اور سنت رسول** — قرآن اور عقل کی روشنی میں نعیم صدیقی کی شاندار تالیف
- **محسن اعظم اور محسنین** — حضورؐ کی حیات طیبہ ایک نئے اور اچھوتے انداز سے
- **حیات رسول** — ریڈیو، ٹی وی اور دیگر معلوماتی مقابلوں کے لیے سوالاً جواباً
- **عرب کا چاند** — سیرت النبی پر ایک ہندو نوجوان کی کاوش
- **سنت نبوی** — حدیث نبوی کے متعلق مروجہ اور مستند معلومات پر مشتمل
- **ارشاد رسول** — رسول رحمت کے ارشادات کا ایک بیش قیمت مجموعہ
- **قول رسول** — گلستان سنت سے چنے ہوئے چند پھولوں کا گلدستہ
- **جوامع الکلم** — حضورؐ کے ارشادات کا مجموعہ اردو ترجمے کے ساتھ

مکتبہ تعمیر انسانیت
اردو بازار — لاہور